

# دلیری

یے

سوانح ضیاء الملت والدین امیر عرب الرحمن خان غازی حکمران

دولت خداداد افغانستان

جسکو

سید محمد حسن بلگرامی

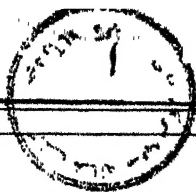
(گورنمنٹ آڈیو ریڈو سہ صدیات)

نے

انگریزی سے بہت سلیس اور مباح اور اردو میں ترجمہ کیا

پہلی بار شائع ہوا تھا کہ اس کتاب کو ترجمہ کیا گیا تھا

۱۹۰۱ء

[illegible]

فصل فی بیان

باب اول۔ کابل میں میراجا نشین کون ہوگا۔ ..... صفحہ ۱

باب دوم۔ صنعتِ حرفت و تجارت پہیلا ٹیکے لیے سینکڑیا کیاتدیریں کریں گے ۲۵

باب سوم۔ سرکاری ستمکے ..... ۹۲

باب چہارم۔ میری روزانہ زندگی کے بعض تفصیلی حالات ۱۴۵

باب پنجم۔ تعلقات انگلستان و افغانستان ..... ۲۰۵

باب ششم۔ مسئلہ حدود افغانستان و ڈیلورا نڈ مشن .. ۲۶۳

باب ہفتم۔ افغانستان کا انجام ..... ۳۰۱

باب ہشتم۔ انگلستان، روس اور افغانستان ..... ۴۸۰



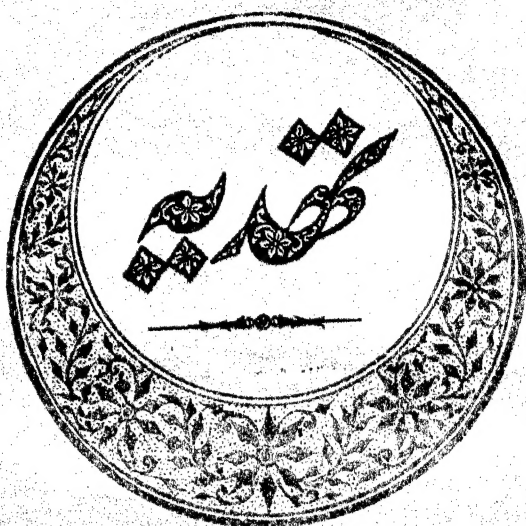


# فہرست مضامین

- ۱۔ شبیہ ضیاء الملتہ والدین امیر عبدالرحمن خان غازی ..... صفحہ ۱
- ۲۔ ایوان شاہی واقع باغ بالا (کابل) جو دربار کیلئے مخصوص ہے ۱۶۰
- ۳۔ شاہی رسالہ کا یونیفارم ..... ۳۴۹
- ۴۔ شبیہ شاہزادہ نصر اللہ خان ..... ۱۸۹
- ۵۔ شاہی پلٹن کا یونیفارم ..... ۱۰۵
- ۶۔ شبیہ امیر دوست محمد خان غازی ..... ۴۰۵
- ۷۔ شبیہ امیر شیر علی خان ..... ۴۳۵
- ۸۔ قلعہ مرغزی ..... ۷۱ مثل جلد



بندگاری کا حکم الملک صفیہ نواب میر محمد علی خان شہزادہ شاہ علیہ السلام



مترجم یہ کتاب العین نواب میر اسد علی خان نظام یار جنگ  
 نظامیہ زلدولہ حاکم الملک خانان بہادر دام اقبالہ کے نذر کرتا ہے  
 جو صدر رخصتہ جہادری بہر قبہ کامگاری اعلیٰ حضرت قدر قدرت خداوند  
 نعمت کے دربارہ دربار کے امرائے عظام سے ہیں پاکر  
 ذاتی اوصاف و کمالات حق شناسی خوش خلقی سیرت و سیرت محتاج بیان  
 انہیں سارا ملک واقف ہے آپ کا معزز خاندان سلاطین مغلیہ کے

عہد میں بھی بہت نامور و ممتاز رہا۔ امانت خان و دیانت خان کے نام  
 تاریخ عہد اور نگ زیب سے کبھی محو نہ ہو گئے۔ اور شاہنواز خان اول  
 و خان خانان اول کی صولت و ربار آصفی میں یادگار رہیگی۔ نواب صاحب  
 مدوح بالقابہ رضوی سید ہیں۔ اور یہ بھی ایک حسن اتفاق ہے کہ روضہ  
 مشہد مقدس کے کلید بردار آپ کے جد امجد تھے۔ یہ خدمت بھی  
 کچھ ایسی ویسی نہ تھی بلکہ اس قدر وقعت و منزلت کی نگاہ سے دیکھی  
 جاتی تھی کہ شاہان کچلاہ اس کی آرزو کرتے تھے۔ وَالْقَصَصُ طَوِيلًا  
 الحاصل مترجم کی یہ آرزو ہے کہ یہ ہدیہ مقبول ہو۔

دعا گوئی ترقیخواہ

سید محمد حسن بلگرامی

(مترجم کتاب)



یورپ سے ایشیا تک لوگ مان گئے کہ امیر عبدالرحمن خان  
 غازی حکمران دولت خدا داد افغانستان خداوند ملک دنیا کے اُن  
 مدبروں میں ہیں جنکے ذہن ثاقب و فکر صائب کی روشنی دور دور  
 کی نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہے اور قُرب و جوار کے گم کردہ راہوں کو  
 طلوع صبح صادق کی طرح منزل مقصود کی راہیں دکھا رہی ہے۔ اُنکی  
 حالات سے اگرچہ بہت سے سیاحین یورپ نے بحث کی اور انگریزی

اخبار و بین ہی انکے تذکرے بہت کچھ چھپ چکے لیکن بعض  
مصناین تو اختصار کی وجہ سے بے کیف رہے اور اکثر تعصبات  
کی امیزش سے قابل وثوق نہ سمجھے گئے۔

مدت سے اہل ہند خصوصاً اہل اسلام انکی سوانح اوقات  
دارتقلے درجات و ملک گیری و باج ستانی و طرزیاست و تہیں  
ریاست و رفع مکائد و دفع معاند کے مفصل حالات سننے اور دیکھنے  
کے مشتاق تھے کہ جہاں استاد نے کیا کیا پیچ مکالمے اور کیسے  
کیسے توڑ کئے کہ میدان ہاتھ رہا۔ کن کن گتھیوں کو سلجھایا اور کیا  
کیا اور لجنہیں ڈال دیں کہ ناخن افکارا و ن عقد و ن کے حل کرنے میں  
بیکار رہے۔

بالفعل لندن میں انکی ایک لائف طبع ہوئی جو انہیں کے  
سکرٹری آف اسٹیٹ سلطان محمد خان بیرسٹریٹ لاکی لکھی ہوئی  
ہے جس میں انکے مفصل حالات درج ہیں۔ اس کتاب کی دنیا میں

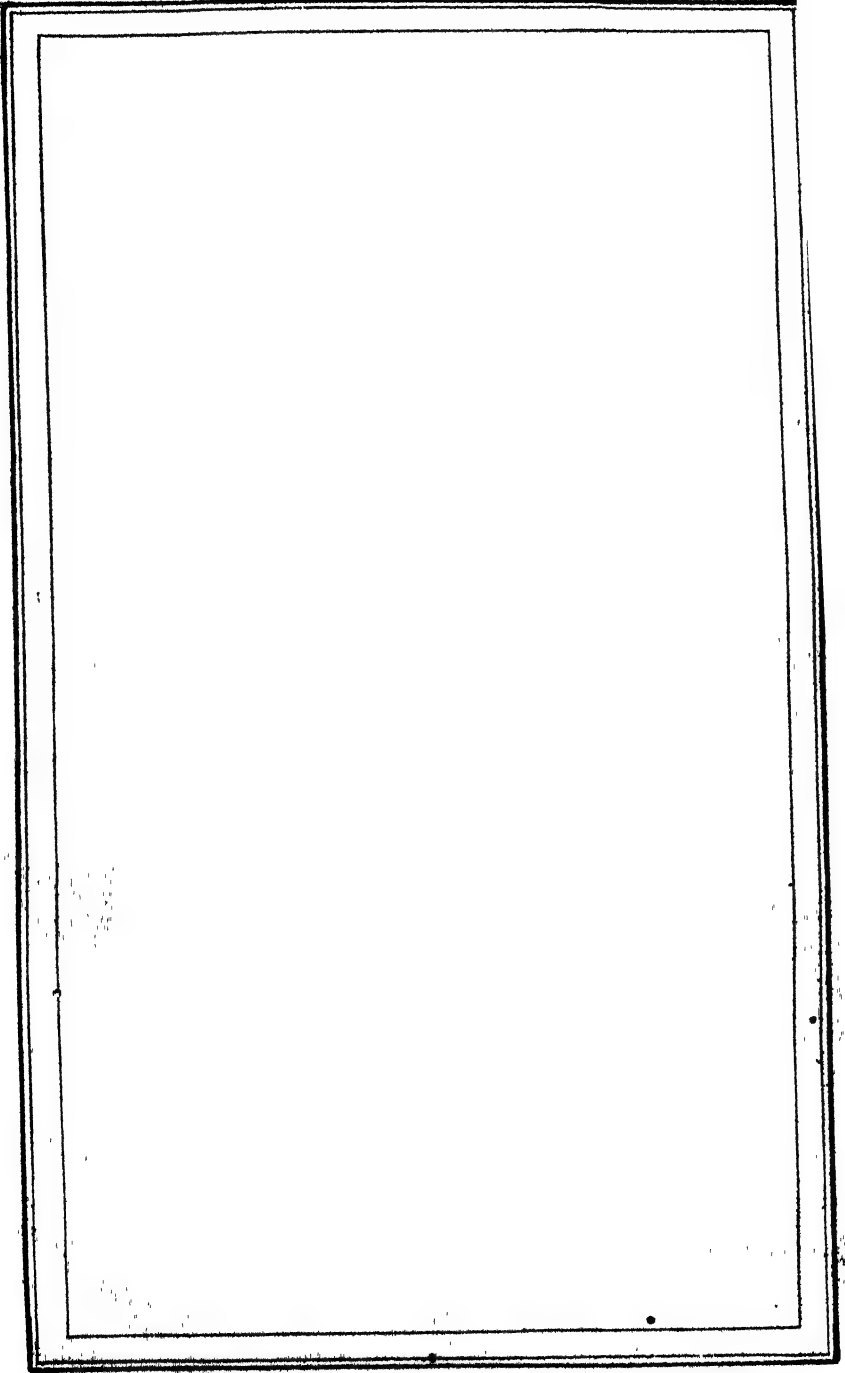
بہت کچھ شہرت ہوئی اور اکثر اخباروں میں ریویو لکھے گئے۔ چونکہ کتاب انگریزی زبان میں تھی اس لئے اکثر وہ لوگ جو انگریزی زبان سے نا آشنا ہیں اسکا لطف اٹھانے سے محروم رہے۔ میرے ایک رفیق عزیز کم فرما مولوی سید بشارت حسین صاحب نے مجھے مجبور کیا کہ اس کتاب کی نہایت سلیس اور عام فہم اردو میں ترجمہ کروں تاکہ وہ حضرات جو انگریزی زبان سے نا بلد ہیں اپنی آتش شوق بجھا سکیں اور اس طلسم بوقلمون کی سیر سے فائدہ اٹھا سکیں۔ میں اونکی فرمائش سرانگہوں سے بجالایا اور اس کتاب کو اردو کے سہلی کا لباس پہنایا۔ ناظرین سے یہ توقع ہے کہ اگر کہیں ترجمہ میں سقم واقع ہو یا کوئی غلطی ہو تو معاف فرمائیں۔ اس لئے کہ میں نہ انگریزی زبان کا ادیب ہوں نہ اردو کا مدعی۔ والعفو عنکم اہم التماس مامول۔

سید محمد حسن بلگرامی

حیدر آباد دکن  
مرفقہ ۹ جولائی ۱۹۱۰ء



2









## کابل میں میراجہ انشین کون ہوگا

اس مسئلہ کے متعلق کہ میرے بعد کابل کے تخت پر کون بیٹھیں گے بہت رائے زنی ہوئی ہے۔ مختلف خیالات ظاہر کئے گئے ہیں اور طرح طرح کے قیاسات دوڑائے گئے ہیں۔ لوگوں کو تعجب ہے کہ کیون میں اس بات کا اعلان نہیں کرتا؟ اس معاملہ میں غیر ملک والے تو کیا خود میرے یہاں کے لوگ اور

میرے اعزہ واقربا بھی میرے ارادہ سے ناواقف ہیں۔ بعض  
لوگوں کا گمان ہے کہ میرا بڑا بیٹا حبیب اللہ خان جبکہ وہ وارث  
حقیقی خیال کرتے ہیں میرا جانشین ہوگا۔ بعض کا خیال ہے کہ  
نضر اللہ خان تخت پر بیٹھے گا کیونکہ میں نے اُس کو ملکہ معظمہ وکٹوریہ  
کی ملاقات کے لئے انگلستان بھیجا۔ ان لوگوں کے نزدیک یہ گویا  
ایک ظاہری علامت ہے کہ میں اُسی کو اپنا جانشین کروں گا۔ قبل  
وفات حنیف اللہ جو میرا بہت پیارا بیٹھا تھا اور بہت وجیہ و عزیز تھا  
بعض کی یہ رائے تھی کہ مجھے اُسی کو وارث بنانا منظور تھا۔ بعض یہ  
کہتے ہیں کہ بھین محمد عمارت ہوگا جس کی ماں میرے ازواج  
میں بہت ممتاز و مقرب ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسے وحشی و جاہل  
لوگوں پر میں مصلحت اس امر کو ظاہر نہیں کرتا کہ میرا جانشین کون ہوگا؟  
اب رہے وہ لوگ جنہیں خدا نے عقل و فراست دی ہے انہیں  
میرے طرز عمل و طریقہ انتظام امور سلطنت سے بخوبی معلوم ہو گیا

ہوگا۔ کہ میرے بعد میرا وارث تاج و تخت کون ہے۔ میں اس بات کا جو عام اعلان نہیں کرتا اُس کے بہت سے وجوہ ہیں اُن میں سے چند وجوہ تمثیلاً یہاں بیان کرتا ہوں۔

(۱) چونکہ زمانہ گزشتہ میں بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ وارثِ تخت کی جان خطرہ میں پڑی لہذا بمصلحت میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ میں اپنے ارادہ کو حتیٰ الوسع پوشیدہ رکھوں۔

(۲) امیرِ شیرِ علی نے عبد اللہ جان کو اپنا جانشین مقرر کر کے کیسا مزا چکھا اُن کے بیٹے اُن سے باغی ہو گئے۔ اگر دیکھا جائے تو صرف یہ ایک مثال مجھے اُن کی تقلید سے باز رکھنے کے لئے بس ہے۔

(۳) تاج و تخت فی الحقیقت خدا کی ہلکے سے جو شاہوں کا شاہ اور ہم سب کا خالق ہے۔ مثلِ گلہ بانوں کے وہ شاہوں کو گلہ رعایا کی حفاظت کے لئے مقرر کرتا ہے اور اپنی مخلوق کو اُن کی

نگرانی میں سونپتا ہے تو میں بھی اس معاملہ کو اُسی کی ذات پاک پر چھوڑتا ہوں۔ اُسے اختیار ہے کہ میرے لڑکوں میں جسے امارت کے قابل سمجھے اُسے یہ عزت بخشے۔

(۳) جو لوگ افغانستان کی تاریخ سے اور یہاں کے معاملات سے واقف ہیں انہیں معلوم ہوگا کہ اس ملک کی حکومت گویا جمہوری اصول پر مبنی ہے یعنی رعایا کو اختیار ہے جسکو چاہے بادشاہ بنائے۔ اور جو لوگ خلافت مرضی رعایا یہ جبر بادشاہ بنائے گئے نہ صرف ملک اُن کے ہاتھ سے نکل گیا بلکہ تن پر سے سر بھی اودتر گیا۔ اسی لئے میں نہیں چاہتا کہ اُن کے خلافت رائے بھجراپنے کسی فرزند کو بادشاہ نامزد کر کے اپنی توہین کراؤں۔ بہتر یہی ہے کہ اس مسئلہ کو رعایا کی رائے پر چھوڑ دوں وہ خود فیصلہ کر لینگے کہ کس کو اُن کا حکمران ہونا چاہیئے۔

(۴) تاریخ میں ایسی مثالیں بہت ملینگی کہ جب کسی بادشاہ نے اپنے

کسی فرزند کو جانشینی سے نامزد کیا اُس نے بغرض حصول  
 زمام حکومت اپنے باپ کا فیصلہ ہی کر دیا۔ گو مجھے اپنے بیٹوں  
 کی طبیعت پر ناز ہے مگر اس کے ساتھ ہی بین افتخاروں کے  
 حضائل سے بھی واقف ہوں مجہنوں نے اکثر بہائیوں بہائیوں  
 اور باپ بیٹوں میں نفاق ڈلوادیا۔

(۶) میں نہیں چاہتا کہ اپنی زندگی میں اپنی ہی اولاد میں تنازع جھگڑا  
 فساد ڈلوادوں۔ اگر لوگوں نے عقل سے کام لیا اور باہمی اتفاق  
 و یکدلی کے ساتھ میرے بیٹوں میں سے کسی ایک کے سر پر ہے  
 تو ملک کے امن و آسائش میں خلل نہ واقع ہوگا ورنہ اگر میری نصیحت  
 کے خلاف عمل کیا اور آپس میں لڑے تو اپنے کئے کی سزا  
 پائیں گے۔

اس معاملہ میں اب اور زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا  
 کافی ہے کہ میں نے اہل افتخارستان پر اور دوسرے ملک کے لوگوں



پر بھی یہ بات فی الجملہ ظاہر کر دی ہے کہ اپنے بیٹوں میں کس کو  
 میں اپنا جانشین سمجھتا ہوں۔ البتہ اُن لوگوں کے بیانات کا رد کرتا  
 لازم ہے جو لاعلمی یا خود غرضی یا طمع زر سے میری بیبیوں اور بیٹیوں کی  
 خوشامد کر کے انہیں وارث تاج و تخت ہونے کی امید دلاتے  
 ہیں۔ اس بارہ میں تفصیلی حالات لکھنا خلاف مصلحت ہے اسلئے  
 سکوت اختیار کرتا ہوں۔ جو لوگ ایسی افواہیں پہیلاتے ہیں وہ  
 میرے ارادہ سے بالکل ناواقف ہیں۔

میں نے مسئلہ جانشینی کے متعلق جو اصول اختیار کیا ہے اُسکے  
 لئے ضرور ہے کہ تاریخ افغانستان کا کچھ حوالہ دیا جائے۔ گو میری  
 کتاب کے دوسرے حصہ میں اس کا تفصیلی ذکر آچکا ہے مگر تاہم اس  
 موقع پر بھی اس کے متعلق چند الفاظ لکھتا ہوں۔

خاندانِ درانی کا پہلا بادشاہ جس خاندان سے ہیں ہوں  
 احمد خان محتاجو احمد شاہ درانی یا ابدالی کے نام سے مشہور ہے

بیچہ بادشاہ ۱۲۸۰ء مطابق ۱۱۱۰ھ میں افغانستان کے تحت  
 پر بیٹھا۔ وہ رعایا کا پسند کیا ہوا بادشاہ تھا۔ بہت سے قبیلوں  
 کے سردار وین اور وکیلون نے ملک کی پر آشوب حالت سے  
 تنگ آکر قیام صلح و امن کی غرض سے اُس کے بادشاہ ہونیکا اعلان  
 کیا۔ احمد شاہ نے ہمیشہ ان وکلا و قبائل کے مشورہ سے حکومت  
 کی اور نہایت ہرول عزیز بادشاہ ہوا۔ اُس نے ہندوستان بھی فتح  
 کیا اور ایک بڑا مشرقی شہنشاہ کہلایا۔ احمد شاہ کی وفات کے بعد  
 اُس کے بیٹوں نے باہم اتفاق کیا اور جمہوری اصول سلطنت  
 کو توڑنے کی کوشش کی اور ج طرح ملک اپنے ہاتھ سے کھویا تاریخ  
 بخوبی شاہد ہے۔ آخری بادشاہ جس کا نام شاہ شجاع تھا اور جس کو انگریز  
 خلاف مرضی رعایا بادشاہ بنانا چاہتے تھے افغانوں کے ہاتھ  
 سے مارا گیا اور اُس کے ساتھ بہت سے انگریز بھی جو اُس کی حمایت  
 پر تھے کام آئے۔ میرے دادا دوست محمد خان کو معلوم تھا کہ خان

سبب جو خاندان احمد شاہ کی تباہی کا باعث ہوا یہ تھا کہ تیمور نے اپنی زندگی میں اپنی سلطنت کو کئی صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا اور اپنے بیٹوں کو ہر صوبہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ ہر ایک بیٹے کو علاوہ اُس کی ذاتی فوج کے محاصل صوبہ پر بھی پورا اختیار تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب تیمور نے ۹۳۷ھ میں وفات پائی اُس کے بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی جسکی وجہ سے ملک بہت تباہ ہو گیا۔ اس مقام پر یہ تفصیل یہ بات بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ میرے دادا دوست محمد خان تیمور کے بیٹوں کی خانہ جنگیوں میں کس طرح تخت پر بیٹھے۔ لیکن انہوں نے بھی وہی غلطی کی جو تیمور نے کی تھی یعنی ملک افغانستان اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا اور ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ فوج دی۔ گویا خود باپ نے بیٹوں کو مسلح کر دیا کہ وہ آپس میں لڑیں۔ مثلاً میرے والد جو ترکستان کے واسے تھے۔ انکو پاس سب سے زیادہ قوی فوج تھی جو بعد شاہی فوج کے گنی جاتی

تھی۔ میرے دادا نے اپنے دوسرے بیٹے شیرعلی خان کو اس فوج کا سردار مقرر کیا جو ان کے انتقال کے وقت ہرات میں ان کے پاس تھی۔ میرے چچا اعظم کو صوبہ کورم اور حاجی آغویں کے تھے اور وہ ان کی فوجیں بھی بطور ارشاد ان کو ملی تھیں۔ شیرعلی خان کا بھائی امین قندہار کا حاکم تھا جہاں کی فوج بھی اُس کے تحت میں تھی۔ سردار اسلم خان صوبہ ہزارا اور بامیان پر حکمران تھے اور اسی طرح باقی صوبہ جات اور وہاں کی فوجیں دو سکریٹون میں تقسیم تھیں۔ جب میرے دادا نے انتقال کیا تو سب خانہ جنگی پر آمادہ ہو گئے جبکی وجہ سے ملک میں بہت کچھ کشت خون ہوا اور سلطنت کمزور ہو گئی۔ ان مثالوں کو بطور سبق پیش نظر رکھ کے میں اپنے باپ دادا کی پیروی نہیں کر سکتا اس لئے کہ میں نہیں چاہتا کہ میرے بیٹے میرے بعد آپس میں لڑیں۔ میں اپنے کلی بیٹوں کو پائے تخت (کابل) میں رکھتا ہوں اور وہ سب میرے

بڑے بیٹے کے زیر فرمان ہیں۔ مین نے ان معاملات کا اٹھ  
 پر انتظام کیا ہے۔ ابتدائے مین نے اپنے بڑے بیٹے کو کچھ تھوڑا سا  
 کام دیا بعد ازاں رفتہ رفتہ اس کے فرائض اور اس کا اعزاز اور اختیار  
 بڑھاتا گیا اور جون جون اس کا سن زیادہ ہوا اور تجربہ بڑھا مین نے  
 اور بہت سے معاملات متعلق سیاست و انتظام ملک اس کے  
 سپرد کئے۔ چنانچہ اب یہ حالت ہے کہ مین خود دربار نہیں کرتا جو  
 اب تک کل شاہان افغانستان جن مین مین بھی شامل ہوں ہمیشہ  
 بالذات کرتے آئے۔ مین نے یہ کل کام بالکل بڑے بیٹے کے  
 تعلق کر دیا ہے۔ مین اپنے دوسرے بیٹے نصر اللہ خان کو  
 جو حبیب اللہ کا برادر عینی ہے صیغہ مالگنداری اور صدر محاسبی کا فہر  
 اعلیٰ مقرر کیا ہے مگر وہ اپنے بڑے بھائی کے زیر فرمان ہے۔  
 وہ ہر معاملہ میں حسب ہدایت حبیب اللہ عمل کرتا ہے اور اپنی کل  
 رپوٹیں اس کے سامنے پیش کرتا ہے۔ میرے دوسرے بیٹے

امین اللہ محمد عمر اور غلام علی وغیرہ بھی رفتہ رفتہ مختلف سرکاری  
خدمتوں پر مقرر کئے جائینگے اور اپنے بڑے بہائی حبیب اللہ  
کے زیر فرمان رہیں گے۔ ہر ایک صیغہ کا افسر خواہ اہل قلم یا اہل سیف  
اپنے مراسلات اور رپورٹیں میرے بڑے بیٹے کے پاس  
بھیجتا ہے اور کل عہدہ دار اسی طرح پر اُس کے دربار میں حاضر  
ہوتے ہیں جس طرح کہ میرے دربار میں حاضر ہونا چاہیے۔ کل  
ایسے امور میں جو متعلق بہ احکامات بنام گورنران صوبہ جات و خزان  
و دیگر افسران فوج ہوں جو ملک کے مختلف مقامات پر تعینات ہیں  
میرا بڑا بیٹا میرے حسب ہدایت عمل کرتا ہے یہ ہدایات اگر ایک  
تحریری صوابہ قانون کی صورت میں ہیں تو اُسے مجھ سے استفسار  
کی ضرورت نہیں پڑتی ورنہ خاص خاص معاملات کے متعلق جو  
اشارہ انتظام میں پیش آجاتے ہیں وہ مجھ سے مشورہ کرتا ہے۔  
اور اُن کے متعلق براہ راست میرا حکم لیتا ہے۔ ہر ایک عہدہ دار کو

یہ ہدایت ہے کہ میرے بیٹے کا حکم واجب التعمیل جانے۔ اسکے

علاوہ ۱۸۹۷ء سے مین نے اُسے خزانہ شاہی پر بھی اختیار دیدیا

ہے جو اس وقت تک بالکل میرے تحت میں تھا۔ خزانہ پر ادائے

رقوم کے کل احکامات میرے بیٹے کے دستخط سے جاری ہوتے

ہیں۔ کل سرکاری عہدہ داروں کا تقرر۔ برطرفی۔ ترقی یا تنزل اسی کے

اختیار میں ہے مگر یہ اختیار بالکل قطعی نہیں ہے بلکہ میری منظوری

یا نا منظوری کے تابع ہے لیکن وہ ان اختیارات کو اس طرح پر

استعمال کرتا ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ میرے حسب الحکم یہ کام ہوا ہے۔

اُسے مراجعت سننے کا اختیار بھی حاصل ہے اور کل عدالتہائے امور

مذہبی اور مالگذاری و تجارتی اور عدالتہائے فوجداری اُس کے

ماتحت ہیں۔ کوئی عدالت بجز میرے دربار کے اُس پر فوقیت نہیں

کہہ سکتی۔ اکثر اہل قلم نے سخت غلطی کی ہے جو یہ بیان کیا ہے کہ تحت

کابل کی جانشینی مدعی امارت کی مان کے درجہ پر منحصر ہے۔ ایک زمانہ

مین انہوں نے اسی بنا پر یہ بحث چھیڑی تھی کہ شیر علی کو تخت کابل کا زیادہ استحقاق ہے اس لئے کہ اُس کی ماں شاہی خاندان سے ہے اور اُسے اسی وجہ سے میرے والد امیر افضل پرتو جیج ہے حالانکہ یہ غلط تھا۔ اول تو میری والدہ ایک ایسے قدیم شاہی خاندان سے تھیں جو شاہ تہارپ سے سلسلہ رکھتا تھا بخلاف اس کے شیر علی کی ماں ایک قبیلہ سلیم زئی کی لڑکی تھی جو پوہل زئی کی ایک شاخ سے ہے اور اُس کے خاندان مین کوئی تخت پر نہ بیٹھا تھا۔

اُسکے علاوہ امیر دوست محمد خان کی والدہ قزلباش تھیں اور قبیلہ قزلباش افغانستان مین بالکل ایک اجنبی قبیلہ گنا جاتا ہے مگر باوجود اس کے دوست محمد خان امیر ہوئے۔

اصل یہ ہے کہ مذہب اسلام مین اُن قوانین کی رو سے جو کلامِ قدس مین درج ہیں اور احادیث مین وارد ہیں کل اولاد بلا امتیاز مدارج اہمات یکساں حقدار ہے یہاں تک کہ اگر کسی ادنیٰ سے ادنیٰ جابر



کے بطن سے کوئی اولاد ہو تو وہ بھی شہزادیوں کی اولاد کے برابر  
 حصہ پائیگی۔ اس لئے کہ وہ جاریہ بھی مثل اور بیویوں کے خیال  
 کیجائے گی۔ شرع اسلام میں برتری و کمتری یا کسی کے حقوق  
 کو دوسرے پر تفوق بالکل ناجائز ہے۔ لہذا ایسا نہیں ہو سکتا کہ  
 ایک بی بی تو ملکہ کہلاے اور دوسری کچھ نہ ہو اگر انکا شوہر بادشاہ  
 ہے تو سب ملکہ ہیں اور اگر شوہر گدا ہے تو سب گدا۔ اس میں شک  
 نہیں کہ بعض ان میں سے زیادہ عزیز و رفیق ہوتی ہیں مگر اس سے  
 یہ غرض نہیں کہ بادشاہ ان کی محبت میں اپنے متین تباہ کر دے  
 جیسا کہ امیر شیر علی نے کیا۔ اُس نے اپنے چھوٹے بیٹے۔ عبدالقدیر  
 جان کو اور بیٹوں پر ترجیح دیکر ولیعہد مقرر کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے  
 بیٹے اُسکے باغی ہو گئے۔

اس معاملہ میں مذہبی پہلو کو قطع نظر کر کے اگر دیکھا جائے تو  
 افغان ایک جبری قوم کے سپاہی ہیں۔ اپنا بادشاہ محض مان کے

درجہ کی وجہ سے ہنرین انتخاب کرتے بلکہ اُس کے ذاتی اوصاف اور قابلیت اور بادشاہ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے منتخب کرتے ہیں۔

مسٹر کرزن جو اب لارڈ کرزن ہیں یہ پہلے یورپین ہیں جنہوں نے اس مسئلہ کے متعلق میرے خیالات دریافت کئے۔ ۱۹۵۵ء میں انشاء گفتگو میں یہ ہنرین ہنسی ہنسی میں مجھ سے یہ نازک سوال کر بیٹھے کہ میرا لیچہ کون ہو گا۔ دل لگی تو ہتی ہی مجھے بھی انکار کرتے نہ بن پڑا۔ مگر خیریت یہ ہوئی کہ یہ باتیں بالکل تخلیق میں ہو رہی تھیں جہاں بجز وہ تین آدمیوں کے کوئی ایسا نہ تھا جس سے افشاں و راز کا اندیشہ ہو۔ ہمارے مذہب اور رواج کے رو سے تو صاف ظاہر ہے کہ

پڑا بیٹا جانشین ہوتا ہے بشرطیکہ وہ اس قابل ہو اور قوم اُس کا انتخاب منظور کرے۔ ایسی مثالیں بھی ہیں جہاں بادشاہوں نے اپنی بیویوں کی خاطر سے اپنے چھوٹے بیٹوں کو ولیعہد بنایا ہے۔ مگر ہمیشہ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں شورش و خانہ جنگی پھیلی اور ملک تباہ ہوا۔ میری

رائے میں بھترین تدبیر جو میں نے اختیار کی ہے یہ ہے  
 کہ شاہی خاندان اوکل شاہزادوں کو اپنے بڑے بیٹے کے زیر  
 اختیار کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے اُس کو اپنی زندگی میں  
 امور سلطنت میں اس قدر وخیل اور با اختیار کر دیا ہے جیسا کہ کسی  
 بادشاہ کے بیٹے کو توقع ہو سکتی ہے میرے بعد اُسے اس چیز  
 کی ضرورت نہوگی کہ از سر نو تخت نشینی کے لئے نامزد کیا جائے  
 اس لئے کہ دراصل اس وقت وہ کل فرائض انجام دینے کے لئے  
 تیار ہوگا جو اس وقت میری صلاح اور مشورہ سے کر رہا ہے اُسے اپنی  
 حکومت قائم کرنے کے لئے لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہ پڑے گی  
 نہ اُس کے بھائیوں میں کوئی ایسا ہے جو اُس کی مخالفت کرے۔  
 وہ سب مثل اور سرکاری عہدہ داروں کے اس کے نوکر ہیں۔ وہ  
 رشتہ میں بیشک بہائی ہیں مگر ملک کے ملازم۔ میری رعایا کو کوئین و کھوتو  
 سے ایک سبق حاصل کرنا چاہیے جنہوں نے اپنے فرزند ڈیوک

آف کناٹ کو ہندوستان پہنچا جہاں انہوں نے بزمی و بکمال  
 تو جھہ انگریزی جیڑون کی تحت میں رہ کر جو اُن کی مان کو نین کے  
 نو کرتے ملازمت کی۔ میرے خاندان کے بعض بیرونی دشمن بھی  
 قابل لحاظ ہیں مگر اس وقت میں چند الفاظ میں صرف اپنے بیٹوں کے  
 متعلق اپنی رائے ظاہر کروں گا۔ جو لوگ کابل کے تختے کے دعویدار  
 ہیں۔ اُن کے متعلق پھر ذکر کیا جائے گا۔ تعجب ہے کہ بڑے  
 بڑے واقف کار انگریز جو عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز ہیں۔ اب بھی  
 افغانستان کو ویسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ بیس برس پہلے تھا۔  
 اس کی مثال تو ایسی ہوگی۔ کوئی شخص یہ کہے۔ آف انگریزی گورنمنٹ  
 بڑی ظالم گورنمنٹ ہے کیونکہ اس کا قانون ایسا ظالمانہ ہے کہ  
 ایک بکری چرانے کی سزا میں انسان پھانسی دیا جاتا ہے۔  
 اس میں شک نہیں کہ کسی وقت میں ایسا ہی تھا۔ مگر اب چون چون  
 لوگ شاید اور تعلیم یافتہ ہوتے گئے۔ قوم کی ضرورتوں کے

لحاظ سے قانون بھی ویسی ہی نرم اور مناسب بنائے گئے۔ ایسے ہی افغانستان کی نسبت سمجھنا چاہیے۔ اس ملک نے بیس برس کے عرصہ میں جو ترقی کی ہے۔ وہ اور ملکوں میں پچاس برس میں بھی نہ ہوئی ہوگی۔ تو جو لوگ ابن تغیر ورن اور ترقیوں سے لاعلم ہیں۔ جو میری تخت نشینی کے وقت سے اب تک ظہور میں آئیں انہیں واقفیت کا دعویٰ نہ کرنا چاہیے اس لئے کہ جو نقصان اُن کی غلط بیانی سے سرزد ہوتا ہے اُس سے مخلوق برطانیہ محفوظ رہے گی۔

بعض اوقات انگریزی اخباروں میں اس طرح کے غلط مضامین شائع ہوتے ہیں جنہیں میرے تخت کے دعویداروں کے نام تک درج ہوتے ہیں اور نام بھی اُن لوگوں کے جنہیں مر کے ایک زمانہ گزرا یا جن کا کبھی وجود بھی نہ تھا۔ یا اگر وجود بھی رہتا تو کبھی انہوں نے خواب و خیال میں بھی ایسی آرزو نہ کی۔ مجھے امید ہے کہ میرے لوگ استدر ہوشیار اور مضبوط ہیں کہ میرے بیٹوں میں سے کسی

ایک کو جو ایک ذمہ داری کی قابلیت رکھتا ہو بادشاہی کے لئے منتخب کر لین گے اور اپنے خانگی معاملہ میں کسی غیر کو مزاحم نہ ہونے دیں گے۔ اگر عملاً دیکھا جائے تو فی الحقیقت کابل کا تخت و کلاں قوم کے ہاتھ میں ہے مین نے اس دشواری کو اس طرح رفع کیا ہے کہ ملک کے بعض نام آور خاندانوں سے اپنے بڑے بیٹے کی رشتہ بندی کر دی ہے یعنی ملک کے بعض مشاہیر جو یار کن گئے جاتے ہیں۔ ان کی لڑکیوں سے شادی ہے یا اس کے لڑکوں کی بعض لڑکیوں کے ساتھ نسبت کر دی ہے ان میں سے بعض عقد مذکرۃ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ حبیب اللہ کی پہلی اور نہایت مشہور بی بی محمد شاہ خان سردار تغاب کی بیٹی اور جنرل امیر محمد خان کی بہتھی ہے جو عساکر کابل کا سردار اور سنیر جنرل ہے۔ اس شادی سے میرا بیٹا غلامی تغاب قبیلہ میں شامل ہو گیا ہے جو ایک نہایت قوی قبیلہ ہے کابل کے حکمران کیلئے

سب سے زیادہ خطرہ اور سب سے بڑی پناہ فوج کی وفاداری پر  
 منحصر ہے۔ اور میں کہہ سکتا ہوں کہ ضرورت کے وقت کابل کی فوج  
 جنرل امیر محمد خان کے سے ہر دلعزیز افسر کے مطیع رہے گی۔  
 حبیب اللہ کا بڑا بیٹا عنایت اللہ اسی بی بی کے بطن سے ہے۔  
 حبیب اللہ کی دوسری بی بی جو بلحاظ مدارج پہلی بی بی سے اگر زیادہ  
 نہیں تو مساوی ہے قاضی سعید الدین خان کی بیٹی ہے جو میری  
 طرف سے ہرات کا حاکم ہے اور عبدالرحمن خان علامہ افتخارستان  
 کی پوتی ہے اس بی بی سے بھی ایک لڑکا ہے۔ اس بی بی  
 کے چچا اور بھائی ملک کے بڑے بڑے شہروں مثلاً کابل  
 جلال آباد۔ قندھار۔ ہرات اور بلخ میں عدالت ہائے امور مذہبی کے  
 افسر ہیں۔

تیسری بی بی جس کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے  
 شاغاشی سرور خان کی دختر ہے جو پہلے میرا عرض بیگی تھا جس وقت

پر اب سردار عبدالقدوس خان معین ہے۔ وہ بعد ازاں میرے  
 چچا زاد بھائی اسحق کی جگہ ترکستان کا وائسرائے اور گورنر جنرل  
 مقرر ہوا مگر بوجہ بیماری اُسے مجبوراً خدمت سے علیحدہ ہونا پڑا۔  
 اگر ضرورت پیش آئے گی تو وہ بھی میرے بیٹے کے بہت کام  
 آئیگا۔ اس لئے کہ آدمی جوان اور مستعد ہے اور بڑا مدبر۔ یہ بی بی شائش  
 سردار خان کی بیوی ہے اُس کا باپ بوئی نائب مرحوم ایک زمانہ میں  
 امیر شیر علی خان کا ملازم تھا۔ اُس کے بھائی ایوب خان کے  
 پاس ہیں اور منہ سے یہی لوگ ایسے ہیں جو اُس کے لئے بہت  
 بکار آمد ہو سکتے ہیں۔

چوتھی بی بی جیکے ساتھ میرا بیٹا منوب ہے گوا بھی شادی  
 نہیں ہوئی ایک نہایت ممتاز لڑکی ہے جس کا وجہ بلحاظ خاندان  
 ان تینوں بیویوں سے بڑا ہوا ہے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہ لڑکی  
 امیر شیر علی خان کی پوتی اور اُس کے بڑے بیٹے ابراہیم خان کی



بیٹی ہے جو فی الحال ہندوستان میں ہے اس شادی سے  
 یہ توقع ہے کہ دونوں شاہی خاندان تخت کابل یعنی میرا خاندان  
 اور خاندان شیر علی مرحوم مل جائیں گے۔ اس میں سے  
 آئے دن کی لڑائیوں اور جھگڑوں کا فیصلہ ہو جائے گا جو بوجہ اُس  
 نقیض کے جو میرے والد اور امیر شیر علی میں واقع تھی ہمیشہ  
 ہوا کرتی تھیں۔

حسب اللہ کی پانچویں بی بی بھی ایک بڑے معزز خاندان  
 کی بیٹی ہے اور اس شادی سے میرا بیٹا اذبک سرداروں کے  
 ساتھ مل گیا ہے۔ یہ بی بی میرا سہرا اب بیگ شاہ معزولہ کو لالاب کی  
 بیٹی ہے اور اپنی ماں کی طرف سے سردار قدوس خان کی نواسی  
 چھٹی بی بی صوبہ کوٹ اور منگل کے سردار کی بیٹی ہے اس  
 بی بی کے بطن سے جو لڑکا ہے وہ اُس کا منجھلا بیٹا ہے۔  
 ساتویں بی بی اکبر خان مومند خان لال پورہ کی بیٹی ہے

اس شادی سے میرا لڑکا قبیلہ مومندین شامل ہوا ہے جو ایک  
بڑا قبیلہ سرحد ہندوستان پر واقع ہے۔

حبیب اللہ کا بڑا لڑکا عنایت اللہ عمر خان والی بچور کی  
لڑکی سے منسوب ہے اور دوسرے لڑکے بھی اور معزز خاندانوں  
کی لڑکیوں سے منسوب ہیں۔

پس یہ صاف ظاہر ہے کہ جب اُن لوگوں کو میرے خاندان  
کے ساتھ ایسی رشتہ داری ہے تو یہ اُن کا فرض ہے کہ وقت پر  
میرے بیٹے کی حمایت کریں۔ اس لئے کہ وہ اندرونی و بیرونی وقتوں  
سے محفوظ رہیں گے۔

میرے دوسرے بیٹے نصر اللہ خان کی شادی حسب ذیل  
خاندانوں میں ہوئی ہے۔

اسکی پہلی بی بی میرے چچا سردار یوسف خان کی بیٹی ہے  
جو ابھی بقیہ حیات میں اور کابل میں رہتے ہیں۔

دوسری بی بی سردار فقیر محمد خان کی لڑکی ہے جسکا بھائی  
 نور محمد خان میری باڈی گارڈ کا کرنل ہے۔

تیسری بی بی میرے بڑے معتبر کمانڈر انچیف فرامز خان  
 کی لڑکی ہے جو ہرات میں تعینات ہے۔

اس طرحیہ اور اور طریقوں سے جن کو اس بیان سے کچھ تعلق  
 نہیں میں نے کہتے ہی تمام آور قبیلوں کے سرداروں اور وکلاء  
 کے ساتھ اپنے بیٹے کو اور اپنے خاندان کو ملا دیا ہے۔



# باب دوم

صنعت و حرفت و تجارت پھیلانے کیلئے  
 مین نے کیا کیا تدبیریں کیں  
 (افغانستان مین غیر ملکیوں کی ملازمت)

خلاق عالم نے ہر کو یہ بتانے کے لئے کہ ہم سب تمدن مین  
 ایک دوسرے کے محتاج ہیں خود ہمارے تشخص مین اُس کی  
 مثالین ظاہر کی ہیں۔ انسان کے تمام اعضا کو دیکھو ہر ایک عضو

دوسرے کا محتاج ہے مثلاً سر بغیر جسم کے یا جسم بغیر سر کے۔  
 بازو بغیر ہاتھ کے۔ اور ہاتھ بغیر انگلیوں کے کچھ کام نہیں دیکھتے  
 اسی طرح بعینہ نظام عالم بھی واقع ہوا ہے کہ ہر انسان کسی دوسرے  
 انسان کی اعانت کا محتاج ہے بڑے بڑے سلاطین اس نکتہ  
 سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں کہ اُن میں کوئی ایسا نہیں جو اپنی ضرورتاً  
 دنیوی مین ادنیٰ سے ادنیٰ نوکر کا مثل باد چچی اور کفش دوز اور  
 خیاط وغیرہ کے محتاج نہ ہو۔ اُن کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ بغیر دوسرے کی  
 اعانت کے کچھ کر سکتے ہیں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ قادر مطلق  
 نے اس دنیا کو ایک ہفتہ میں خلق کیا جیسا کہ صحائف آسمانی میں  
 ذکر آیا ہے اور ہم کو ہدایت کی گئی ہے کہ کل امور کی تکمیل کے لئے  
 صبر و کار ہے۔ ہر کوئی زیادہ جلدی کرنا چاہیے نہ ہمت ہارنا چاہیے  
 ہر ایک کو غمناکی کی قوت اور اقتدار اُن اجزاء پر منحصر ہے جس سے  
 کہ وہ مرکب ہو۔ جتنے زیادہ لائق مُتدین تجربہ کار۔ ہوشیار اور بکار آمد

لوگ گورنمنٹ میں ہونگے۔ اتنے ہی وہ زیادہ قوی اور ترقی پذیر  
 اور آسودہ حال ہوگی۔ اسی لئے ہر گورنمنٹ لائق اور متدین آدمیوں کو  
 رکھتی ہے اور اُن کی قدر کرتی ہے۔ بادشاہ اپنے ملک میں خدا  
 تعالیٰ کے جانشین ہیں۔ اور بذاتِ خاص یا بہ وساطتِ وزیر اپنی  
 محکوم رعایا پر متصرف ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کو ہمیشہ خیال رکھنا  
 چاہیے کہ وہ بادشاہِ حقیقی جس کے یہ جانشین ہیں اُن سے یہ توقع  
 رکھتا ہے کہ اُس کی کل مخلوق کے ساتھ بلا امتیاز رنگ و شکل  
 (وہ گورے ہوں یا کالے) اور بلا تخصیص مذاہب (مسلمان ہوں یا  
 عیسائی اور سوسائٹی ہوں۔ ہنود ہوں یا بدھ کے مذہب پر ہوں  
 مادہ پر ہوں) یکساں عادلانہ سلوک کریں۔ غرض کہ بادشاہوں کو چاہیے  
 کہ بلا دروغی اُن لوگوں کو جو اسکی ملازمت اختیار کریں یا اسکے  
 ملک میں آکر سکونت پذیر ہوں مساوی حقوق عطا کرے اور اُن کو  
 بلا امتیاز قوم و ملت اپنی رعایا کے مثل سمجھے تا اُس حاکمِ حقیقی

کی پیروی ہو سکے جسکے دینی معاملات میں وہ جانشین کہلاتے  
ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ ہم کو دوسروں کے عیب نظر آتے ہیں اور  
اپنے بہتر۔ مگر یہ بیماری کو تباہ نظری ہے کہ اپنے عیب اور دوسروں کی  
بہتر نظر نہیں آتے۔ ایک ہوشیار اور باخبر مسافر جو ملک و ممالک کے  
حالات سے واقف ہو وہ جانتا ہو گا کہ آیا تمام بڑے بڑے مہذب  
اور مغرور سلطنتوں میں یہ دستور ہے کہ کل ملازمین اور رعایا کو بلا امتیاز  
قوم و جنس و دین و ملت مساوی حقوق اور مدارج اور خدمات دئے  
جاتے ہیں۔ مجھے البتہ اس بات پر تازہ ہے کہ جن لوگوں نے میری  
ملازمت اختیار کی انہوں نے میرے عزیزوں سے بھی بڑھ کر  
اعلیٰ سے اعلیٰ عمدہ پائے۔ مثلاً میزبانی یا سکرٹری آف اسٹیٹ  
کو ارٹر ماسٹر جنرل۔ ویوان خالصہ۔ افسر اعلیٰ صیفہ مالگداری۔ شاہی  
ڈاکٹر۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میں دوستی اور عزیزداری کے

مقابلہ میں نیاقت اور قابلیت کی زیادہ قدر کرتا ہوں انشاء اللہ اگر  
میرے بعد میرے لڑکوں اور جانشینوں نے میری پیروی کی  
اور بلا تعصب قوم و ملت لائق عہدہ داروں کو رکھا تو ملک ہمیشہ ترقی کرے گا۔  
اُن کو یہ بھی چاہیے کہ اپنے خاص لوگوں اور عزیزوں کو الاونس  
وغیرہ کی مدد دیکر کام کی طرف راغب کریں مگر ساتھ ہی اُس کے  
یہ بھی خیال رہے کہ جو کچھ انہیں دیا جائے اُس کے مطابق ملے  
کام ہی اُستنا لیا جائے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ۵

مہندار اے مرد نابردہ رنج	کہ آسان توان یافت بربنج گنج
--------------------------	-----------------------------

اس باب کے مضمون کو یہاں تک ذکر کر کے اور اپنے بیٹوں  
اور جانشینوں کے لئے چند پند آمیز الفاظ کہہ کر اب میں یہ بیان کرتا  
ہوں کہ میں نے مختلف اقوام کے لائق اور ہوشیار لوگ کس طرح  
بہم پھنچائے۔ میں نے اُن کے حسن خدمات کا صلہ دیا اور میرے  
قوم کو اُن کی تعلیم اور اُن کے کام سے فائدہ پہنچا۔ چنانچہ اکثر فوٹن



مین جو اونھیں غیر ملکیوں نے سکھائے وہ خود بڑے ماہر ہو گئے۔  
 مین برابر انہیں اصول پر چل رہا ہوں اور مجھے تو قہر ہے کہ میرے  
 جانشین بھی اس کی پیروی کریں گے۔

یہ مشکل ہے کہ مین اُن سب کے نام لکھ سکوں جو میرے ملازم  
 رہے۔ ہاں چند شخصوں کا ذکر کر دینا گاہنوں نے اپنے کام کو بھی  
 انجام دیا اور کچھ دائمی یادگار بھی چھوڑ گئے۔ جس سے میری گورنمنٹ  
 فائدہ اٹھا رہی ہے۔ بعض نے ملک مین بالکل نئے محکمے قائم  
 کئے اور بعض نے افغانوں کو مختلف فنون صنعت و حرفت اس  
 خوبی سے سکھائے کہ اب وہ خود تنہا بغیر استاد کے کام کر سکتے  
 ہیں۔

دوسرے ممالک کے لوگوں مین سے جو میرے ملازم تھے اور  
 اب بھی ہیں۔ بعض مستعفی ہو گئے اور بعض مدت معاہدہ ختم ہوتے  
 پر لوٹ کر چلے گئے۔ بعض اب بھی کام کر رہے ہیں اور

بعض اپنے قصور کے سبب سے ہر طرف کر دئے گئے مگر میں  
 اُن کا نام نہیں لوں گا اس لئے کہ میں اب اُن کی معیشت میں جہان  
 کہیں وہ ہوں ہزر پہنچانا نہیں چاہتا۔ اگر خلق خدا اُنکے عیوب  
 دریافت کر لے تو میں اُس سے بری ہوں۔

بعض اوقات میری اس مصلحت پر نکتہ چینیاں ہوتی ہیں کہ میں نے  
 کیوں غیر ملکوں کو اپنے ملک میں بلایا۔ لوگوں کو تعجب ہے کہ  
 میں خود اپنے لوگوں کو اس کے عوض کہ اُن کے لئے افغانستان  
 میں اُستاد بلاؤں انہیں کو کیوں نہیں یورپ بھیجتا۔ اس کے وجہ  
 حسب ذیل ہیں۔

(۱) اس سوال کا جواب کہ مجھے اپنے لوگوں کو بغرض تحصیل صنعت

و حرفت اور ملکوں میں بھیجنا چاہیے تھا یا نہیں یہ ہے۔ اول  
 تو یہ طریقہ اختیار کرنے سے بہت کچھ خرچ ہوتا جس کا بار اُن نوجوانوں  
 کے والدین نہ اٹھا سکتے اور سرکاری خزانہ کی مالی حالت

ایسی نہ تھی کہ وہ اس بار خراج کی تحلل ہو سکتی۔

(۲) بین نے اکثر اپنے طبیبوں اور کارگیروں سے کہا ہے کہ اپنے لڑکوں کو میرے پاس لاؤ تا میں ان کو بغرض تعلیم ڈاکٹری و انجینیری وغیرہ ولایت بھیجوں مگر میرے اس سوال کا جواب بجز سکوت کچھ نہ ملا۔

(۳) میری رعایا غیر زبانوں سے بالکل لاعلم ہے اور اگر ان میں سے کچھ لوگ ولایت بھیجے گئے تو انہیں کوئی کام سیکھنے کے لئے ایک بڑا زمانہ درکار ہوگا اس لئے کہ اول اونٹین وہان کی کتابین اور مصناہین سمجھنے کے لئے وہانکی زبان سیکھنا ہوگی۔ میں نے اس خیال سے اپنے یہاں بہ اہتمام میرنشی سلطان محمد خان ایک دفتر قائم کیا اور کل انگریزوں اور دوسرے غیر ملکوں کو جو مختلف کارخانوں میں نوکرتھے یہ حکم دیا کہ میرنشی کے ذریعہ سے اپنی اپنی رپوٹیں میرے

پاس پہنچا کرین۔ اس محکمہ میں ان کتابوں کا جو فنونِ حرفت و علوم  
ریاضی و کمپٹری و فزکس وغیرہ میں لکھی گئی ہیں فارسی زبان میں ترجمہ  
ہوتا ہے۔ اس محکمہ کی ایک شاخ ہندوستان میں بھی کھولیا جائیگی  
اکثر کتابیں ترجمہ ہو چکی ہیں اور بعض یہاں کے نوجوانوں کی تعلیم  
کے لئے شائع بھی ہوئی ہیں۔

(۴) میں دیکھتا ہوں کہ بعض مشرقی طالب علم جو بغرض تحصیل مغرب  
کو بھیجے گئے اونھوں نے اہل مغرب کے اوصاف و طبقت  
حاصل کرنے کے بدلے اُن کی بُرائیاں سیکھیں اور مشرِ اجوازی  
اور قمار بازی وغیرہ اپنے ملک میں اپنے ساتھ ساتھ لائے  
اور اکثر اُن میں سے بالکل لاندہب ہو گئے۔ اس لئے میں  
یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنے یہاں کے نوجوانوں کو اپنی ہی  
نگرانی میں تعلیم دلو ان

(۵) کوئی علم و حکمت کسی ملک میں مستحکم بنا نہیں پاسکتا جب تک

کہ اُسی ملک کی زبان میں وہ حاصل نہ کیا جائے۔

(۶) فی الحال میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ اپنے یہاں کے لوگوں کو مجبور کرتا رہتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے جلد کام سیکھیں اور اسکے ساتھ ہی معلمین کو یہ تاکید ہے کہ حتی الوسع بہت جلد اُن کو کام سیکھا دیں تاکہ اگر وہ کہیں چلے جائیں تو اُن کے شاگردوں کو کام کے بگڑنیکا کچھ ڈرنہ رہے۔ میں نے انگریزوں سے اور ہندوستانیوں سے اور دوسرے ملک کے لوگوں کے ساتھ جو معاہدے کئے تھے اُن میں ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ انہیں گھر جانیکی اجازت نہ ملے گی جب تک کہ اُن کے شاگرد بلا اعانتہ معلمین اپنا کام انجام نہ دے سکیں۔ اس فقرہ نے غیر ملکی معلمین پر بہت اچھا اثر ڈالا ہے کہ وہ اپنے کام کو اچھی طرح انجام دیتے ہیں تاکہ اُس کے اختتام پر وہ خوش خوش اپنے وطن کو جاسکیں۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ اس تدبیر سے

میرے ملک نے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ مختلف محکمات  
جو غیر ملکی معلمین کے زیر نگرانی تھے اب انھیں بالکل میرے  
ملک کے لوگ چلا رہے ہیں۔

## صنعت و حرفت

میں جانتا ہوں کہ ایک ہاتھی خریدنا اور پہلے سے اُس کے لئے  
دانہ چارہ اور طویلہ کا انتظام نہ کرنا کوئی دانشمندانہ فعل نہیں ہے۔  
اسی طرح اشیاء تجارت اور آلات و اسباب جنگ تیار کرنے کے لئے  
کلین خریدنا اور کلون کو ہمیشہ چلانے کے لئے پہلے سے وہ مواد  
بہم نہ پہنچانا۔ جنگی کلون میں ضرورت ہے عاقلانہ کام نہیں ہے۔  
اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنے ملک کے قدرتی پیداوار اور معدنیات  
سے جہان تک ہو سکے مواد بہم پہنچاؤں۔ بمصداق الحاجات اُممات  
الاختراعات جب انسان کو ہوک لگتی ہے تو وہ روکھی سوکھی بھی

غنیمت سمجھتا ہے اور غذائے لذیذ کا انتظار نہیں کرتا۔ مجھے اس وقت  
 آلات و اسباب جنگ کی نہایت شدید ضرورت تھی۔ اس لئے کہ  
 میرے ملک میں دو تھناتوں کا لڑائی ہو کر فی مہینہ اور یہ بھی نہیں  
 معلوم تھا کہ کس وقت کیا اتفاق پیش آجائے۔ میں چاہتا تھا کہ  
 افغانستان کے معدنیات سے لوہا۔ کوئلہ۔ سیسہ۔ تانبا وغیرہ  
 نکالنے کے لئے ضرور کلیں خریدوں۔ مگر ان سب کلون کی قیمت  
 بہت زیادہ تھی اور میں دوسری سرکاری ضرورتوں کی وجہ سے اتنا  
 روپیہ نہ صرف کر سکتا تھا۔ اس بنا پر میں نے اپنے معدنیات کے  
 کام کے لئے اور روزانہ کلون کے مصرف کے واسطے ان معدنیات  
 سے فلزات نکالنے کو بڑی بڑی کلون کا منگنا ملتوی کیا۔ پہلے  
 توپوں اور بند و تون اور کار تو سون کے بنائیکی کلیں خریدیں۔

میں باہر کے ملک سے مواد معدنی کی آمدنی رفتہ رفتہ روکتا  
 جاتا ہوں اور اپنے ملک کی پیداوار یعنی اشیاء معدنی وغیرہ کام

مین لاتا ہوں۔ اُن کی تفصیل آگے درج کی جائے گی۔ مین نے ایک جگہ بیان کیا ہے مجھے بچپن سے لکھنے پڑھنے سے نفرت تھی اپنا سارا وقت والد کے کارخانوں میں کاریگروں کے ساتھ صرف کرتا تھا۔ جہی سے میری دلی خواہش صرف یہ تھی کہ فنون معمارسی و تفنگ سازی و بنجاری و آہنگری وغیرہ کو سیکھوں۔ چنانچہ مین نے یہ کل فنون سب جوبی سیکھ لئے اور بغیر کاریگروں کی مدد کے مین یہ چیزیں اپنے ہاتھ سے ایسی عمدہ بنانے لگا جیسی کہ وہ لوگ بنا سکتے تھے جنہوں نے مجھے سکھایا تھا۔ دو بندوقین جو مین نے تمام وکمال خود اپنے ہاتھ سے بغیر کسی اعانت کے بنائی تھیں اب تک کابل میں موجود ہیں۔

المختصر ابتدائے عمر میں سوائے انجینیری کے مجھے اور کسی پیشہ کا اتنا شوق نہ تھا۔ جتنے دنوں مین نے ملک روس میں قیام کیا ہمیشہ اپنی فرصت کے اوقات صنعت و حرفت کی تحصیل میں



صرف کرتا تھا۔ مین نے اُس زمانہ میں زرگری۔ مینا کاری۔ طلا کاری اور دباغی وغیرہ سیکھ لی۔ اس موقع پر یہ بیان کرنا بے موقع ہنوکا کہ اس وقت میرے کارخانوں میں تین پیشہ دست کاریگر مسمی غلام مہتمم سوہن کاران و زمان تغنگ ساز۔ و نجف مہتمم آہنگری جو ملازم ہیں یہ دسے لوگ ہیں جنہوں نے مجھے ابتدا میں یہ کام سکھائے۔ مین اپنے کل استادوں کے نام بطور اختصار لکھ نہیں سکتا۔

جب میں تخت پر بیٹھا تو مجھے کچھ تو بوجہ قلت آلات حرب اور کچھ بوجہ ذاتی شوق صنعت و حرفت مجبور ہونا پڑا کہ چند کارخانے قائم کروں جہاں ہاتھ سے بندوقین اور دوسری چیزیں بنائی جائیں۔ ان کارخانوں میں کوئی کارخانہ ایسا نہ تھا جہاں دھاتی کلون سے کام لیا جائے۔

میں ان دھاتی کلون کی قدر و قیمت بخوبی جانتا تھا جو عقلا

عصر نے ایجاد کی ہیں۔ اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ بڑی بڑی قوی  
سلطنتیں مثل برطانیہ اعظم انہیں کلون اور تجارت کی بدولت اس  
حیرت انگیز ترقی کو پہنچی ہیں۔ ورنہ انگلستان بہت ہی چھوٹا سا  
ملک ہے اور جہاں تک مجھے علم ہے وہاں کوئی الماس یا سونے کی  
کان نہیں۔ محض اُن کی صنعت و حرفت اور تجارت اُن کی قوم  
کی آسودہ حالی اور ملک کی تقویت کا باعث ہے۔

مگر باوجود اس امر کے کہ میں اُن کلون کی قدر و قیمت سے  
واقف تھا۔ میری خانگی مہات و بیرونی تشویشوں نے میری توجہ  
کو اچھی طرح اُس طرف مبذول نہ ہونے دیا تاہم جب میں اپنے  
لائق دو دانشمند دوست لارڈ ڈڈفرن سے جو اُس زمانہ میں ہندوستان  
کے وائسرائے تھے راولپنڈی میں ملاقات کو گیا۔

تب ایک فرانسیسی انجینئر مسمی ام ٹروم جو برقی روشنی کی کلون  
اور انجنوں وغیرہ کا مہتمم تھا میرے سامنے پیش کیا گیا اور یہ کہا گیا

کہ یہ شخص بہت ہوشیار اور واقف کار ہے۔ گودہ صرف برقی کلون  
 کا انجنیر تھا مگر بعد مجھے معلوم ہوا کہ اُسے ہر طرح کی انجنیری میں  
 بہت کچھ تجربہ حاصل ہے۔ میں نے اُسے نوکر رکھ لیا اور یہ ارادہ  
 کیا کہ کابل میں جدید یورپین طریقہ پر کارخانجات کھولوں۔ میرا انجنیر  
 اپنے ساتھ ایک اور ہندوستانی لایا جو برقی روشنی کے کام  
 میں بہت ہوشیار تھا اور جس کا نام کریم بخش تھا جو اب تک کابل میں  
 موجود ہے۔ ام ٹروم پہلا یورپین تھا جو بحیثیت انجنیر میرا ملازم  
 ہوا وہ کچھ عرصہ تک کابل میں رہا اور اُس کے اثنائے قیام  
 میں میں نے مختلف کلون کی فرسٹون کو ملاحظہ کیا جن میں میں نے  
 چند خراوے کی کلیں۔ آہنی تختوں میں سوراخ کرنے کی کلیں۔ رندہ  
 یا سطح ہوار کرنے کی کلیں۔ آہنی تختے وغیرہ کاٹنے یا سوراخ بنانے  
 کی کلیں۔ کٹنگ مشین اور کپنگ مشین۔ ایک ڈھالنے کا سانچہ اور  
 تین چھ آٹھ اور دس گھڑوں کی قوت کے انجنوں پر بغیر خریداری

نشان کر دیا۔ مین نے چند اور چھوٹی کلین سنگانیکا بھی حکم دیا تاکہ کام شروع ہو جائے۔ اس چھوٹے سے کارخانہ کی ابتدا کے لئے جس قدر کلین اور انجن درکار ہوئے ان کی لاگت ایک لاکھ اکتالیس ہزار روپیہ سکہ ہندوستان بیٹھی۔ مین نے ٹرورم کو اجازت دی کہ ہندوستان جا کر یہ کلین بھی خریدے اور چند اور مددگار انجنیر اور ہندوستانی کاریگر بھی جو اس کام میں ہوشیار ہوں اور کلون کو جوڑ سکین اور چلا سکین نوکر رکھ کر لے آئے۔

ٹرورم نے کلکتہ پہنچ کر بائیس ہندوستانی پیشہ دست مٹری اور دوسرے کاریگر نوکر رکھ لئے اور ان کو کلون کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ کاریگر اور کلین کابل پہنچیں مگر ٹرورم خود نہیں آیا اور اب تک مجھے اُس کی کچھ خبر نہیں کہ اُس پر کیا گزری اور وہ کیوں نہیں واپس ہوا۔ یہ کلین اور اسباب کابل میں پڑے رہے مگر کوئی انجنیر نہ تھا مجھے بہت افسوس ہوا نہ صرف اس وجہ سے کہ اتنا روپیہ کلون کے

خریدنے میں صلاح کیا۔ بلکہ اس وجہ سے کہ میرے لوگ مجھ پر ہنستے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ میں یہ چھوٹا سا کارخانہ نہ چلا سکوں گا  
 إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ قرآن میں آیا ہے یعنی اللہ اُن کے ساتھ  
 ہے جو بہت ہنہیں ہارتے۔

میں ایسا آدمی نہ تھا کہ کسی کام کے کرنیکا ارادہ کروں اور پھر اسے  
 چھوڑ دوں۔ چنانچہ میں نے جنرل امیر احمد خان کو جو ہندوستان میں  
 میرے اچھی تہہ لکھا کہ کوئی اور انجینئر تلاش کریں جس قدر ماہوار وہ مانگے  
 اُسے نوکر رکھ لیں۔ جنرل نے ایک انگریزی انجینئر مسمیٰ مسٹر پائین  
 جو اب مسر سائٹ پائین ہیں مقرر کر کے بذریعہ سلطان محمد خان میرمنشی  
 کابل کو روانہ کیا۔ مسٹر پائین ماہ اپریل ۱۸۸۷ء کے پہلے ہفتہ میں  
 کابل پہنچے اور میں نے جنرل کو پھر لکھا کہ ایک شخص اور سلطان  
 محمد خان کی جگہ کے لئے سکرٹری مقرر کر کے بھیجیں۔ اس لئے کہ  
 سلطان محمد خان کو میں اپنی پیشی میں رکھنا چاہتا تھا۔

میں نے ان کارخانوں کے لئے ایک جگہ تلاش کی جس کا نام  
عالم گنج تھا اور جو اس کام کے لئے بہت موزون تھی کیونکہ یہ جگہ شہر  
کابل سے باہر تھی اور شہر کے بہت قریب تھی۔ وسعت میں بھی  
اُس نواح میں بہ نسبت اور جاؤں کے بڑی تھی اور بہت خوش  
آب و ہوا خیال کیجاتی تھی۔ اس مقام سے ایک نہایت پر فضا منظر  
نظر آتا تھا اور ایک طرف پانی کی نہر بہتی تھی جس کا پانی کارخانوں  
میں انجنوں وغیرہ کے لئے بکار آمد ہو سکتا تھا۔ اور اس مقام کے  
پائین میں دریا کے کابل بہتا تھا جو کلون کے خراب ستعل شدہ پانی  
کو بہا لے جاسکتا تھا۔

میں نے میزمنشی کو حکم دیا کہ مسٹر پائین کو لیجا کر وہ مقام دکھائیں  
بعد ازاں مجھے اطلاع کریں کہ اُن کی رائے میں کارخانوں کے لئے  
وہ مقام مناسب ہے یا نہیں۔

المنحصر ایک ساعت نیک میں بشورہ منجمین و رمال بتاریخ ۷۰۰ اپریل

کارخانہ کی بنا کا پتہ رکھا گیا اور حسب رواج غزبا کو شیرینی و خیرات تقسیم ہوئی۔

مسٹر پائین نے چند خراونے کی کلین۔ رندا کرنیکی کلین۔ کٹنگ اور کپنگ مشین اون انجنوں کی مدد سے جو رام۔ ژروم نے خرید کر بھیجے تھے وہاں نصب کر کے کام شروع کیا۔ چند ماہ کے بعد انہوں نے مجھ سے اٹھکستان جانیکی اجازت چاہی اور وہ کلین ہندوستانی کاریگروں کی نگرانی میں چھوڑ گئے۔ سترہ مہینے کے بعد پہر وہ کابل واپس آئے اور اس مدت میں وہ اور نئی کلون کے متعلق جو کابل میں نصب کرتا چاہیے تھیں تفصیلی حالات دریافت اور تحقیقات کرتے رہے۔ میں نے اس وقت دو اور انگریز انجینروں کو نوکر رکھا اس سال سے میں نے اپنی گورنمنٹ میں مختلف طور پر انگریزوں کو ملازم رکھنا شروع کیا۔ اس سے میری دو غرضیں تھیں اول تو یہ کہ میرے لوگ فن انجینیری اور دوسرے کاموں میں ان انگریزوں سے جو ان چیزوں میں

بہت واقف کار تھے تعلیم پاجائین۔ دوسرے میرے لوگوں کو انگریزوں کے ساتھ سیل جول کا موقع ملے تاکہ وہ قدیم نفرت جو آپس میں ان دونوں قوموں کے مابین چلی آتی ہے دور ہو جائے۔ اسلئے کہ میری گورنمنٹ اور گورنمنٹ ہند میں دوستانہ اتحاد ہے اور دونوں گورنمنٹ کے اغراض ایک ہیں۔ میری یہ خواہش بھی تھی کہ انگریز لوگ خود اپنے اہل ملک کی زبان سے اس ترقی کے حالات سنیں جو میری گورنمنٹ میں ہوئی ہے۔ افغانوں نے تمام انگریز مردوں اور عورتوں کے ساتھ جو کابل میں آئے ایسا دوستانہ سلوک کیا کہ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اب تک وہ انہیں محض اپنا دشمن سمجھ کر قتل کرتے تھے جب قوم افغانستان کے فائدہ کے لئے میرے ملازم ہوئے ان کے ساتھ ہر طرح کی مہمان نوازی اور خاطر داری کیلگئی جیسا کہ دوستوں کے ساتھ ہونا چاہیے۔ مسٹر پائین کے بعد دوسرا انگریز جو کابل میں آیا اس کا نام مسٹر او میر تھا۔ یہ شخص دانت بنانیکا ڈاکٹر



وہ دراصل میرے لئے ایک دانتوں کا چوکا بنانے کی غرض سے  
 کابل آیا اور ششہ کے اخیر میں جب وہ ہندوستان واپس گیا تو  
 اوس نے تمام حالات جو کچھ اوس نے کابل میں حیرت اور اطمینان  
 کے ساتھ دیکھے تھے بیان کئے۔

سب سے زیادہ عجیب بات اوس نے یہ بیان کی کہ امیر بڑی  
 جفاکشی سے کام کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک کوئی چیز بہت مشکل  
 یا نہایت دشوار نہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے لوگوں کی فریاد سننے اور انکی  
 داورسی کے لئے مستعد رہتے ہیں۔ مثلاً ایک دن کا واقعہ ہے  
 کہ وہ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے کہ اتنا راہ میں ایک بوڑھی عورت  
 ملی جس نے عرضی دینے کے لئے ہاتھ اٹھایا امیر نے فوراً  
 گھوڑا روک لیا اور اُس ضعیفہ کو اپنے قریب بلایا۔ شروع سے آخر  
 تک اس کی عرضی پڑھی اور بہت سے سوال کئے اور کچھ دیر تک  
 اُس کے ساتھ کمال عنایت و مہربانی باتیں کرتے رہے وہ ضعیفہ

بالکل مطمئن اور خوش خوش چلی گئی۔ ایک دن اور امیر مجھ سے اپنے  
 مہمانت مالی کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ اثنائے گفتگو میں یہ بیان  
 کیا کہ میرے ملک کی صرف ایک ربع مالکذاری خزانہ میں داخل ہوتی  
 ہے اور دوسرا ربع وصول کرنے کے لئے مجھے لڑنا پڑتا ہے۔  
 تیسری چوتھائی لوگوں سے وصول تو ہوتی ہے مگر کبھی مجھے تک نہیں  
 پہنچتی۔ اب ہی ایک چوتھائی وہ لوگوں کو معلوم نہیں کہ کسے دین۔  
 مسٹر امیر افغانستان میں اپنی ایک یادگار بھی چھوڑ گئے ہیں نے  
 ایک ہوشیار شخص مسی صوفی عبدالحق کو ان کے سپرد کیا کہ اُسے  
 دانت بنانا سکھا دیں اور اُسے یہ بتیہ کی کہ اگر اس کام کو بہت جلد  
 اور اچھی طرح نہ حاصل کر لیا تو اُسے سخت سزا دی جائے گی اسلئے  
 کہ یہ بہت ضرور تھا کہ اس فن کو قبل مسٹر امیر کے جانکے حاصل  
 کرے۔ چنانچہ اُس نے تھوڑے ہی عرصہ میں یہ کام بخوبی سیکھ  
 لیا۔ کچھ تو سزا کے ڈر سے اور کچھ اسوجہ سے کہ مسٹر امیر اپنے

شاگرد کو سزا دلانا نہ چاہتے تھے لہذا انہوں نے اُسے جلد سکھا دیا۔ ممکن ہے کہ ایک اور بھی سبب ہو وہ یہ کہ خود مسٹر آرمیرا کابل میں ضرورت سے زیادہ رہنا نہ چاہتے تھے۔ صوفی نے اور بہت سے لوگوں کو دانت بنانا اور آلہ جراحی سے دانت اکھاڑنا سکھا دیے جس سے لوگوں کو بہت آرام ہو گیا ہے اس لئے کہ پہلے لوگ دانتوں کے علاج کے لئے دو سے دو سے ملکوں میں جایا کرتے تھے۔ جب مسٹر آرمیرا روانہ ہوئے تو میں نے انکو علاوہ اور انعام و اکرام کے ایک اعزازی طلائی تمغہ بھی دیا۔

مسٹر پائین کے زمانہ غیر حاضری میں ہندوستانی اور کابلی کاریگر اُس چھوٹے سے کارخانہ کو چلا تے رہے۔ سال بسال کارخانہ میں توسیع ہوتی گئی اور جب ضرورت سے نئے کارخانے قائم کئے گئے۔ ماٹنی ہنری داسٹریڈر بند و قون اور اُن کے لئے کار توں بنانے کے لئے کلین منگائی گئیں اور اُن کارخانوں میں جوائی گئیں۔ کل

کل قسم کی نجاری کام کے لئے آڑے کی کلین منگائی گئیں اور  
اُن کے لئے ایک علیحدہ کارخانہ تعمیر ہوا۔ علاوہ ازیں مین نے  
حسب ذیل اور کلین بھی خریدیں اور اونکا کام شروع کیا۔ مارٹنی ہنری  
اور دوسری بندوقون کے لئے کارتوس بنانے کی کل۔ خرا د کی  
کل۔ بندوقون اور توپون کی نالین بنانکی کل۔ سٹوگھوڑون کی قوت  
کے ابنجن معہ بواکٹر۔ دغانی ہتورہ معہ بواکٹر۔ بوٹ بنانے اور چمڑہ  
سینے کی کلین۔ بارود بنانے کے کارخانے۔ صابون اور موم تہی  
بنانکی کلین۔ دارالضرب کے لئے سکہ ٹھہپہ اور نقش بنانے کے  
آلات۔ شراب وغیرہ کی بھٹی کے لئے آلات عرق کشی۔ باغبانی  
اور زراعت و فلاحت کے آلات۔ آہنگری اور بہاری توپین بنانے  
کے لئے فولاد اور دیگر خام معدنیات کو گلانے کے لئے بڑی  
بڑی بھٹیاں۔ تلوار اور کارتوسون کی ٹکلیاں بنانے کی کلین اور  
نیز کارتوس بھرتیکی کلین۔ چھوٹی توپون اور بڑی بھاری

توپوں کے لئے گولے بنانکی کلین اس کے علاوہ اور طرح  
 طرح کی مختلف کلین۔ مین ہر سال ان کلون کا ذخیرہ بڑھاتا جاتا ہوں  
 اور جو نئی نئی کلین یورپ میں ایجاد ہوتی ہیں۔ اُن کو حسب  
 ضرورت منگاتا ہوں۔

ابتداءً یہ کارخانہ حیات قائم کرنے میں مجھے بڑی دقتیں  
 پیش آئیں۔ چونکہ میرے لوگ ان کلون سے اور جدید ایجادوں  
 سے بالکل ناواقف تھے اس لئے میرے ان تمام سہمے ارادوں  
 کی مخالفت کرتے تھے۔ میں تمثیلاً ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے  
 ناظرین کو میرے لوگوں کی جہالت کا اندازہ ہو جائے گا۔ ۱۸۸۵ء  
 میں جب مین راولپنڈی گیا ہوا تھا۔ ایک دن ایک فوٹو گرافر نے  
 میرا فوٹو لینے کے لئے اپنا کمرہ میرے سامنے نصب کیا فوراً  
 ہی میرا عرض بیگی جھپٹ کر کمرہ کے پاس گیا اور اپنے دونوں ہاتھ  
 اُس پر رکھ دئے مین نے پوچھا یہ کیا کرتے ہو۔ اُس نے عرض

کیا حضور آپ کو معلوم نہیں یہ ایک قسم کی نوا ایجاد توپ ہے جس سے  
یہ شخص آپ پر نشانہ لگایا چاہتا ہے۔ میں یہ سنکر بہت ہنسنا اور کہا کہ  
ہر این بریش و فش تہارا دل جہالت سے بالکل تاریک ہو رہا ہے  
وہاں سے ہٹ آؤ اور اس شخص کو میری تصویر اتار نیدو۔ اس بچہ پر  
نے اول کبھی کمرہ نہ دیکھا تھا اس لئے وہ سمجھ نہ سکتا تھا کہ یہ کیا  
چیز ہے میں نے ہر چند اسے سمجھایا مگر وہ نہ سمجھا۔

جب اول اول میں نے کارخانے کھولے میرے لوگوں  
نے اُن کی نسبت ہر قسم کے اعتراض کئے کوئی کہتے تھے کہ  
ہر نسبت کلون کے ہاتھ سے کام بہت اچھا ہو سکتا ہے۔ جو لوگ  
ابن کارخانوں پر مامور تھے اُن پر یہ الزام لگائے کہ تم گورنمنٹ کے  
دشمن ہو جو کلین خریدیں گے بہانہ سے ملک کا روپیہ باہر بھجوا رہے ہو۔  
میں ان اہلخانہ مخالفتوں سے سخت عاجز آ گیا تھا مگر باوجود ان سب  
باتوں کے اپنے ارادہ سے باز نہ آیا کیونکہ میں خوب واقف تھا کہ

جب تک میرے یہاں اُس طرح کی توپیں اور بند و قین اور دیگر آلات  
 حرب جو دوسری قومیں استعمال میں لاتی ہیں مہیا نہ ہونگے گو کہ مذمت  
 کی منزلت کو قائم رکھنا اور ملک کو بیرونی حملہ آوروں سے بچانا غیر ممکن ہے  
 اس میں شک نہیں کہ جو کچھ ان کلون میں خرچ ہوا اُس کا فائدہ  
 بہت دنوں کے بعد اُٹھایا گیا اس لئے کہ یہ تمام زر کثیر سرکاری  
 خزانہ سے دیا گیا تھا اور جب میں اُس روپیہ کے سود کا حساب  
 کرتا تھا جو کارخانوں اور کلون میں لگایا گیا تھا اور کئی سال تک  
 جس سے کچھ آمدنی نہ ہونی تھی تو مجھے اس کا بہت خیال ہوتا تھا۔ میں  
 ہر سال جو قدر روپیہ بہم پہنچا کلین خریدنا جاری رکھا اور جون جون کلون  
 کی تعداد بڑھتی گئی میں نے اور نئے نئے کارخانے تعمیر کراوئے  
 میں نے ہر سال کلون کی خریداری کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔  
 جس سے میرے ملک میں تجارت اور صنعت و حرفت کو بہت  
 ترقی ہوئی ہے۔

الحمد للہ کہ میں ہمیشہ سے کلون اور کارخانوں کا شوق رکھتا تھا اور ان کی قدر جانتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ الماس کو الماس ہی کاٹ سکتا ہے اور دشمن کے ساتھ برابر کا مقابلہ تب ہی ہوگا۔ جب میرے پاس بھی نئے نئے اسی قسم کے ہتیار موجود ہوں جیسے غنیم کے پاس ہیں۔ ۵

ساعدا سیمین خود را پنجه کرد

بہر کہ با فو لاد بازو پنجه کرد

اس لئے جب میرے کاریگر کہی کوئی ہتیار بنانے میں عاجز ہوتے تھے تو میں خود انہیں سکھاتا تھا کہ کیونکر بنانا چاہیے۔ میری تعلیم اور ان کی کوشش دونوں ملکر کامیابی کی صورت پیدا کرتے تھے میں تمثیلاً اس طرح کے اکثر واقعات بیان کر سکتا ہوں چنانچہ اس موقع پر یہ سیمیل تذکرہ دو ایک واقعہ لکھتا ہوں۔

۱۸۹۳ء میں جب لارڈ لینسڈاؤن کی گورنمنٹ نے میری ہاپکس توپین ہندوستان میں روکدین تب میرے کاریگروں نے مجھ سے



یہ عرض کیا کہ بغیر نمونہ کی توپوں کے ویسی توپیں بنانا غیر ممکن ہے  
تب مین نے میرمنشی کو یہ حکم دیا کہ اُن توپوں کا تفصیلی حال مع وضع  
اور پیمانہ انگریزی سے فارسی مین ترجمہ کرے۔ چنانچہ اُس نے  
فارسی مین اُن توپوں کا کل حال یعنی طول و عرض و گندگی اور اُنکی  
مختلف وضع و صورت لکھ کر مچھکودی۔ جب وہ لکھ چکا تو فارسی مین  
مجھے ہر ایک چیز زبانی سمجھائی مین نے کل ہندوستانی اور کابلی  
پیشدست کاریگروں کو اپنے روبرو طلب کیا اور انہیں سکھایا  
کہ اس طرح اول کل چیز مین لکڑی کی بناؤ جب وہ تیار ہو جائیں  
تب ان کا امتحان کرو کہ آیا مختلف ٹکڑے موقع سے بیٹھتے  
ہیں یا نہیں۔ چنانچہ میرے حسب ہدایت جب توپ تیار ہو گئی تو  
استاناً اُس مین سے لکڑی کا گولہ چلا کر دیکھا گیا۔ جب اس امتحان  
مین بھی پوری اتر سی تب مین نے حکم دیا کہ اس کے نمونہ پر آہنی  
توپ تیار کی جائے مگر اُس کے بنانے مین ویسا ہی فولاد اور صلی

لگایا جائے جیسا اصلی ہاچکس مین لگایا جاتا ہے۔ غرض کہ ہم نے وہ توپ بعینہ مثل نمونہ کے بنالی گو ہمارے پاس سوائے اس چوبی توپ کے اور کوئی نمونہ نہ تھا۔ توپ چلا کر امتحان کیا گیا اور امتحان مین پوری اور تری مین نے تب میرمنشی کی اور سب کاریگروں کی بہت تعریف کی اور اُن کا شکریہ ادا کیا اور اُن کو بارہ ہزار روپیہ نقد اور خلعت انعام دیا۔ جب سہ ماہ ٹرڈیور انڈیا اور دیگر افسران مشن کابل آئے وہ کابل کی بنی ہوئی توپ اور یورپ کی بنی ہوئی توپ مین کچھ فرق نہ بتا سکتے تھے۔ اسی طرح ہم نے محض تصویرون کو دیکھ کر اور اُن کا حال فارسی مین ترجمہ کر کے سیکڑم۔ گارڈنر اور کپٹنک توپین بنالین کو آخر الذکر حالت مین ہمارے پاس علاوہ تصویرون کے نمونہ کی نوپین بھی تھیں۔

خدا کا شکر ہے کہ آج افغانستان مین ایک لاکھ آدمی مٹرکون کی تعمیر اور مکانات و کارخانجات و معنیات وغیرہ مین جو سب

میرے ہاتھ سے جاری ہوئے ہیں کام کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میرے ملک میں کتنی بڑی ترقی ہوئی علاوہ اسکے اتنے آدمیوں کے لئے بسر اوقات کا ایک عمدہ ذریعہ نکل آیا ہے۔ لوگ ابتداء چوریاں کرتے تھے اور کاروانوں کو لوٹتے تھے۔ چونکہ اُن دنوں میں ان کے لئے کوئی اور پیشہ یا کام نہ تھا اس لئے وہ لوٹ مار سے اپنی اوقات بسر کرتے تھے۔ ایک مثل مشہور ہے کہ شیطان کا ہل آدمی کو بہکا تا ہے اور ہمارے نبی برحق فرماتے ہیں الکاشِب حَبِیْبُ اللہ۔

میرے لئے اور میرے جانشین یہ نہ خیال کریں کہ میرے ملک کو جو کچھ فائدہ ہوا وہ صرف اسباب جنگ سے ہوا۔ دراصل یہ کارخانہ جات صنعت و حرفت باعث ترقی تجارت و ذرائع آسودگی ملک ہیں۔ جو روپیہ غیر ملکوں میں جاتا تھا وہ اب افغانستان میں صرف ہوتا ہے۔ اگر میری رعایا دولت مند ہو جائے تو اُس کی

وجہ سے گورنمنٹ مضبوط قومی اور محفوظ ہوگی۔ اس لئے کہ اکثر  
فسادات جو ناداری اور بیکاری کی وجہ سے اٹھاکرتے ہیں۔  
دور ہو جائیں گے۔ جو لوگ صاحب جائداد ہونگے وہ خواہ مخواہ  
یہ چاہیں گے کہ ملک میں کسی قسم کی لڑائی یا بلوہ نہ ہو جس سے  
ان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور ان کو یہ بھی معلوم ہو جائیگا  
کہ لوٹ مار میں وقت ضائع کرنے سے دو ٹمند ہونا بہتر ہے۔  
اور اقسام کی کلین بھی میں نے خریدی ہیں جنہیں کام میں لایا  
ہو نہ مثلاً ایک چھوٹا انجن اور چند میل تک ریل کی لائن یا بہاری  
توپین کھینچنے کا انجن۔

میں نے برقی روشنی اور ٹیلیفون کا کارخانہ بھی قائم کیا ہے  
جس میں اول چند ہندوستانی اور کابل کارگیر جو ہندوستان میں یہ  
کام سیکھ چکے تھے نوکر رکھے۔ بعد ازاں مسٹر براؤن نے ۱۹۲۷ء  
میں ان کارخانوں کو بہت ترقی دی۔ خصوصاً برقی روشنی میں انہیں

بہت کامیابی ہوئی۔

## دارالضرب

میری ابتدا سے عہد حکومت میں دارالضرب کا کام اُسی قدیم طریقہ پر ہوتا تھا جو صد ہا برس سے چلا آیا تھا یعنی روپیہ ہاتھ سے بنایا کرتے تھے کوئی کل وغیرہ نہ تھی۔ قدیم روپیہ پر ایک طرف ”ضرب دارالسلطنت کابل اور سنہ ضرب اور دوسرے جانب ضرب میرانام امیر عبدالرحمن بغیر کسی سہج یا علامت کے ہوتا تھا“ مگر ۱۸۹۶ء میں جب قوم افغانستان نے مجھے ضیاء الملت والدین کا خطاب دیا۔ اُس وقت سے سکے پر ایک طرف یہ الفاظ اور دوسرے جانب معرکہ ہوتا ہے۔ میرے ملک کا سی سکے پاؤ آئے دآدہ آئے ہے اور نقری سکے روپیہ۔ قران اور ترنگاز۔

سٹر میکڈرمائٹ نے جو دارالضرب کلکتہ میں کام کر چکے

تھے۔ میرے کابلی کاریگروں کو یہ سکھانا سکھا دیا اور جب  
 وہ چلے گئے اُن کے شاگرد بغیر کسی کی نگرانی کے برابر کام چلا رہے  
 ہیں۔ میرے دارالضرب کابل میں روزانہ اسی ہزار سے ایک لاکھ  
 روپیہ آسانی بن سکتے ہیں۔ میرے یہاں کے کاریگر نہ صرف روپیہ  
 ہی ڈال سکتے ہیں بلکہ روپیہ کے لئے ٹھپہ اور سکھ بھی بنا لیتے  
 ہیں۔ مجھے صرف پہلے ہی دفنہ انگلستان سے سکھ وغیرہ بنانے  
 اوزار و آلات منگانا پڑے اُسکے بعد پھر کبھی نئے اوزار منگانے کی  
 ضرورت نہ ہوئی اس لئے کہ ہر ایک چیز کابل میں بننے لگی۔

## مارٹنی ہنری بندوق کیلئے کارتوس بنانے کا کارخانہ

کلین آنے کے قبل یہ کارتوس اور اسٹائڈر کی کارتوس ہاتھ

سے بنائے جاتے تھے جو تعداد میں کم اور قسم میں ادنیٰ درجہ کے ہوتے تھے مین نے اس کے لئے کلین منگائیں اور کارٹوس اوزار دھپانے بنانے کے لئے مسٹر پٹلن کو نوکر رکھا۔ مین ان کے کام سے بہت خوش ہوا اس لئے کہ انہوں نے میرے کاریگروں کو یہ کام ایسی اچھی طرح سکھا دیا کہ اب وہ بغیر کسی کی مدد یا نگرانی کے کارٹوس۔ اوزار اور پھیا نے بنا لیتے ہیں۔

اب میرے کارخانوں میں جو کارٹوس تیار ہوتے ہیں وہ ایک سالم ٹکڑے کے بنائے جاتے ہیں اور ایک دفعہ کام میں آنیکے بعد پھر کئی دفعہ بہرے جاسکتے ہیں۔ ان مستقل شدہ کارٹوسوں کو بھرنے کے لئے مین نے ایک خاص کل کا بل مین تیار کرائی ہے۔ جو کارٹوس داغنے کے بعد پھیل جائے یا خراب ہو جائے وہ اس کل کے ذریعہ سے درست ہو کر پھر اپنی

اصل حالت میں آجاتا ہے۔ اُس کے بعد سورج کر کے نئی ٹوپی  
 چڑھا دی جاتی ہے اور کار تو س پہر بھر لیا جاتا ہے میرے یہاں  
 کابل کے کارخانوں میں روزانہ دس ہزار کار تو س بنتے ہیں اور  
 اگر ضرورت پیش آئے تو اُس کے دو چنڈ بھی بن سکتے ہیں۔

## اسٹانڈر بندوق کے لئے کار تو س

### بنانے کا سامان

یہ کار تو س بھی اولاً ہاتھ ہی سے بنائے جاتے تھے۔ جب  
 کبوں سے بنانے کے لئے مین نے پورا سامان منگا لیا تب  
 جس طرح مسٹر ٹیلٹن کو مارٹنی ہسٹری کے کار تو س بنانے کیلئے  
 نوکر رکھا تھا اُسی طرح مسٹر اڈورڈس کو اسٹانڈر بندوق کے  
 کار تو س بنانے کے لئے مقرر کیا۔ اب اس کام کو کابلی کاریگر



بلا اعانت غیرے بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ روزانہ دس  
 گھنٹوں میں جس قدر کارتوس تیار ہوتے ہیں ان کی تعداد دس ہزار  
 ہے لیکن ضرورت کے وقت یہ مقدار دو چندان ہو سکتی ہے۔ مسٹر  
 ایڈورڈس نے میرے آدمیوں کو توپوں اور گولوں وغیرہ کے  
 بیمانے بنانا بھی سکھا دیا ہے اور میں کہہ سکتا ہوں کہ جو کارتوس  
 مارٹنی ہنری بندوق کے لئے استعمال ہوتے ہیں وہی کارتوس  
 میگنیم کٹیلنگ اور گارڈنر توپوں کے لئے بھی بکار آمد ہو سکتے  
 ہیں اس لئے کہ توپوں اور بندوقوں کی نالیان خاص وضع کی  
 بنائی گئی ہیں کہ ایک ہی نالی کے کارتوس سب میں آسکیں۔

مارٹنی ہنری بندوق بنانیکا سامان  
 اور دوسرے چھوٹے قسم کے

## ہتیار بنانے کی کلین

کلین آنے کے پہلے بندوقین بھی کابل میں ہاتھ سے بتائی جاتی تھیں مگر کار تو سون کی طرح وہی نقص اُن میں بھی ہوتا تھا سو اچند بندوقن کے جو بہت ہوشیار کاریگروں کے ہاتھ کی بنی ہوئی ہوتی ہتین باقی سب ناقص اور ادنیٰ درجہ کی ہوتی ہتین چنانچہ مین نے مارٹنی ہنری بندوقین بنانے کے لئے پورا سامان منگایا اور مسٹر کمران کو جو دم دم فیکٹری گورنمنٹ ہند میں ملازم ہے نوکر رکھا۔ اُنہوں نے اپنا کام نہایت عمدہ طور پر انجام دیا اور کابلی کاریگروں کو ہر ایک چیز بنانا سکھا بھی دیا اور کار تو س بنانے کے کارخانوں میں اور دوسرے قسم کے مختلف چھوٹے چھوٹے ہتیار بنانے کے کارخانوں میں بہت کچھ اصلاح بھی کی۔ میرے نزدیک جتنے انجینیر میرے ملازم ہوئے اُن سب میں یہ شخص تو بہت

اور دوسرے قسم کے چھوٹے چھوٹے ہتیار بنانے میں بہت  
 ہوشیار تھا۔ اُس کے کام سے میری گورنمنٹ کو بہت فائدہ ہوا۔  
 جہانگیر نے کہا کہ اُس نے کابلی کا ریگروڈن کو سب کچھ سکھا دیا اور  
 انکی تعلیم میں بہت توجہ کی۔ اس نے مجھے کل قسم کے آلات جنگ  
 بنانے اُن کا امتحان کرنے اور اُن کو استعمال میں لانے کی بابت  
 خاص کتابوں اور رسالوں کی ایک فہرست دی۔ یہ کتابیں عام طور پر  
 کسی شاپ میں نہ ملتی تھیں۔ میں نے یہ فہرست اپنے سفیر کے  
 پاس بھیجی جو ہندوستان میں تھا اور اُس کو لکھا کہ گورنمنٹ ہند  
 سے یہ کتابیں حاصل کرے۔ چنانچہ جب میں نے اپنے سفیر  
 کرنل ولی احمد خان کے ذریعہ سے فارن سکریٹری ہند کو لکھا  
 تو وہ کتابیں مل گئیں جن میں بعض کا فارسی میں ترجمہ بھی ہو گیا۔  
 نئی کھون کے ذریعہ سے روزانہ مکمل پندرہ عدد مارٹنی ہسٹری  
 بندوقین تیار ہوتی ہیں مگر ضرورت کے وقت یہ تعداد دو چند ہو سکتی

ہے گو یہ کلین مصنوعات ہنری بندوقین بنانے کے لئے ہیں  
 لکڑی میں نئے اوزار و پیمانے لگانے سے ان کلون کے خراب  
 ڈرننگ - رافنگ - ٹرننگ مشین - ریپیٹر راکفل - لی ٹنفورڈ اور  
 دوسری قسم کی توپین و بندوقین بنانے کے لئے کام میں لائے  
 جاسکتے ہیں جس طرح کہ دارالضرب کے ایک ہی کل میں مختلف  
 وضع و اقسام کی دائیان لگا کر ہر قد و قامت کا طلائی یا ترقی سے  
 بن سکتا ہے۔

## انجن - بوائلر - آہنگری و بندوق سازی کا کام

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کلون کا کارخانہ جاری ہونے کے  
 پیشتر بندوقین اور توپین ہاتھ سے بنائی جاتی تھیں اور جو  
 انجن میں نے پہلے خریدے وہ ہلکے قسم کے تھے اور ان کے

لئے علیحدہ علیحدہ بوائے کی ضرورت نہ تھی۔ اس وجہ سے  
 مین مجبور ہوا کہ سو گھوڑوں کی قوت کا ایک بڑا انجن معہ بوائے خریدوں  
 تاکہ ان کارخانوں کا کام اور وسعت کے ساتھ چلنے لگے۔ مین نے  
 جب کار توں بنانیکا سامان اور دارالضرب کے لئے کلین اور  
 صابون و سونہری بنانے کی کلین خرید کیں اُس وقت مجھے یہ خیال  
 آیا کہ ایک بڑا ذخانی ہتھوڑا اور بوائے بھی خریدوں اس لئے کہ ان  
 کل کلوں کے لئے بوائے کی ضرورت تھی۔ ان ضرورتوں کے  
 لحاظ سے اور توپ بنانے کی بھٹیوں اور کار آہنگری کے لئے  
 بھی مین نے ایک مین تجربہ کار انگریز انجنر مسمی سٹر اسٹوارٹ کو  
 نوکر رکھا۔ یہ شخص بہت قابل تجربہ کار جفاکش مستعد اور ظریف آدمی  
 تھا۔ گو عمر تھا مگر اپنے کام میں نہایت چست و چالاک تھا۔ اُس نے  
 کل کام شروع کئے اور ہندوستانی و کالی کاریگروں کو اپنے  
 کام میں ایسا برق کر دیا کہ اب یہ لوگ خود انجن بوائے اور بھٹیاں

بنا سکتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ امر بہت قابل اطمینان ہے۔  
 ایک کابلی پیشہ دست کاریگر مسمیٰ سام نجار نے جو ساچنہ بنانے کے  
 کام پر معین ہے چند اور کاریگروں کی مدد سے ایک لکڑی کا بن  
 بنایا۔ یہ انجن بالکل انگریزی انجن کے مثل تھا اور جب تیار ہو گیا  
 میں نے دیکھا کہ کام ہی بخوبی دیتا ہے۔ تب میں نے اُن کاریگر  
 کی تنخواہیں جنھوں نے ملکر اُسے بنایا تھا دو چاند کر دیں۔ اس کے  
 علاوہ میں نے اُن کو چھ ہزار روپیہ نقد اور خلعت بھی عطا کئے۔  
 اس انعام سے ایک اور کاریگر مسمیٰ قاسم کو جو حکا کی اور نقشہ  
 نویسی پر مقرر تھا اجراء ہوئی اور اُس نے ایک اور چھوٹا سا انجن  
 تیار کیا جو لکڑی کا نہ تھا جیسا کہ نجار نے بنایا تھا بلکہ اصلی لوہے  
 فولاد اور تانبے کا تھا۔ میرے روبرو اس انجن میں آگ اور پانی  
 ڈالا گیا اور وہ ایک چھوٹے سے خزانہ کو چلانے لگا۔ میں نے  
 اُس شخص کو بھی اس صنعت کے صلہ میں انعام دیا۔ کل بھٹیان جن

بہاری توپین بنتی ہیں اور کارٹوس بنانے کے لئے تانبا اور  
 سکہ بنانے کے لئے چاندی گلائی جاتی ہے اور وہ دھانی ہوتی  
 ڈھالنے کی بھٹیاں اور اور مختلف کام جو آہنگری سے متعلق  
 ہیں ان سب کو اب کابلی کاریگر چلاتے ہیں۔ مین اس محکمہ میں  
 مسٹر اسٹوارٹ کے کام سے بہت خوش ہوں۔

مین ہندوستانی اور کابلی کاریگروں کی تعریف میں بھی دو ایک  
 لفظ ضرور لکھوں گا کہ انہوں نے مسٹر پائین کی غیر حاضری میں اپنے  
 فرائض کو کس عمدگی سے انجام دیا اور کارخانوں کو برابر چلاتے رہے  
 جب تک مسٹر پائین میرے ملازم رہے انہوں نے نصف  
 سے زیادہ مدت ملازمت میرے ملک کے باہر گزاری۔ اسلئے  
 کہ انہیں کابل کی موسم سرما کی شدید سردی کی وجہ سے مجبوراً اٹھنا  
 جانا ہوتا تھا۔ علاوہ کارخانوں کی نگرانی کے مسٹر پائین نے اور  
 خدمات بھی انجام دے جن کا ذکر دوسری جگہ آئیگا۔

اکثر لوگوں کو تعجب ہو گا کہ یہ بڑی بڑی کلین۔ بھاری و خانی  
ہتوڑہ اٹھائیس فیٹ کا لنبا خزاو بڑے بڑے انجن اور بڑی بھاری  
بھاری کلین کابل میں کیونکر لائی گئیں۔ اس لئے کہ ملک میں ریل  
ہنہیں ہے۔ بلا شک ان کلون کا لانا دشوار امر تھا مگر میرا عزم ان  
دشواریوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بڑھا ہوا تھا۔

## شراب کی بھٹیان

سیاب کی بارود بنانے اور کار توں کی توپیان بنانے میں اور  
اور کاموں کے لئے جو اسپرٹ درکار ہوتی تھی کم کم مقدار میں  
ہاتھ سے کھینچی جاتی تھی اس لئے کہ اُس کے بنانے کے لئے  
کوئی کل نہ تھی۔ چونکہ افغانستان میں انگور۔ کشمش و منقہ وغیرہ کثرت  
سے ہوتا ہے میں نے خیال کیا کہ اگر شراب میں بنانے کے  
لئے ایک بھٹی قائم کیا جائے تو اُس سے بہت نفع ہو گا۔ چنانچہ



مین نے شراب کھینچنے کی کلین منگائیں اور ایک بڑی بھٹی قائم کی جس میں آٹھ گھنٹہ میں پندرہ سو شیشہ شراب کے تیار ہوتے ہیں۔ مین نے برانڈی اور دوسرے قسم کی اسپرٹ بنانے کے لئے ایک اور بھی بھٹی قائم کی۔ یہ شراب مین اور اسپرٹ بغرض تجارت سے ملک سے دوسرے ممالک میں جانے کے لئے یا میری رعایا کے اُس طبقہ کے لوگوں کے لئے جو مسلمان نہیں ہیں۔ تیار ہوتی ہیں۔

یہ کارخانہ جاری ہونے کے قبل بعض ارمنی عیسائی جو کابل میں رہتے تھے شراب کھینچا کرتے تھے۔ بعد ازاں اور لوگوں نے بھی اس کام کو اختیار کیا اور رفتہ رفتہ اُمرا اور سردار بھی اُس کے پیرو بنے مگر یہ لوگ اپنے گھروں میں بھٹیاں قائم کر کے شراب کھینچتے تھے۔ یہ لوگ عرق کشی کے فن سے بالکل ناواقف تھے۔ جو شراب اُن کی کھینچی ہوئی ہوتی تھی ایسی خراب ہوتی تھی

کہ جو لوگ اُسے پیتے تھے طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہوتے  
 تھے اور سب کی صحت پر بہت بُرا اثر پڑتا تھا۔ چونکہ مذہب اسلام  
 کے رو سے شراب پینا منع ہے مین نے اُن لوگوں کو جو شراب  
 بناتے تھے بیچتے تھے۔ یا خریدتے تھے سخت سزائیں دیں۔  
 ان سزاؤں سے لوگوں نے شرابخواری کی عادت چھوڑ دی جو  
 شیر علی اور اعظم خان کے زمانہ سے پڑی ہوئی تھی۔

مین نے چند کابلی کاریگر جو قدیم طریقہ عرق کشی سے واقف  
 تھے اور جنھوں نے ارمنی کلواردن کے نیچے کام کیا تھا اسلئے  
 مقرر کئے کہ ایک عرق کش مسمی رام سنگھ سے عمدہ اور نیا طریقہ  
 شراب کشی کا سیکھیں۔ اب اس کام کو میرے یہاں کے لوگ  
 بلا اعانت بغیر چلا رہے ہیں۔



## دبّاعی

جس زمانہ میں مین تو پین اور آلات حرب بنانے کے لئے کلین خریدنے اور کارخانہ کھولنے میں مشغول رہتا جو بوقت جنگ بکار آمد ہو سکے یا تجارتی اغراض کے لئے بھی مفید ہوں میری توجہ اس امر کی نسبت بھی مایل ہوئی کہ کارخانوں اور کلوں کے لئے روزانہ جس اسباب کی ضرورت ہے وہ بھی دیسی ہونا چاہیئے تاکہ مجھے غیر ملکوں سے منگانی کی ضرورت نہ پڑے کیونکہ ان چیزوں کے منگانے میں جب قدر درپہ سال بسال صرف ہوگا وہ بجائے دوسری قوموں کو فائدہ پہنچانے کے اپنے ہی ملک میں رہیگا اور جو کچھ اُس سے نفع ہوگا وہ خزانہ شاہی میں داخل ہوگا اور ملک کے کام آئے گا یہ غرض حاصل کرنے کے لئے مین نے کابل میں ایسا سامان بنانے اور بہم پہنچانے کے لئے جو کارخانوں میں

بکار آمد ہو سکے مختلف کام جاری کئے۔ مین اس بات پر اب بھی  
 بہت غور کر رہا ہوں کیونکہ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ گورنمنٹ ہند نے  
 میرا کل سامان جو ہتھیار اور سامان جنگ بنانے کے لئے منگایا  
 گیا تھا ہندوستان و افغانستان آنیکو روک دیا تھا اس وقت سے مین بہت متنبہ  
 ہو گیا ہوں۔ واقعی امر یہ ہے کہ آلات حرب بنانے کے لئے  
 کارخانہ فیکٹریاں قائم کرنا بے سود ہے جب تک کہ اُن کے  
 بنانے کے لئے خود افغانستان میں وہ مواد بہم نہ پہنچایا جا-  
 اے الحمد للہ کہ اب اس معاملہ میں ہم دوسرے ملکوں کے بالکل محتاج  
 نہیں رہے اور یہ گویا بڑا فائدہ ہم نے حاصل کیا کیونکہ ممکن تھا  
 دوسری بڑی سلطنتیں جو وقت چاہتیں فولاد۔ لوہا۔ تانبا۔ پیتل  
 کی آمدنی بند کر دیتیں اور اس صورت میں ہمارے یہاں کے کارخانے  
 بند ہو جاتے۔ مین نے معدن نکالنے کے لئے اور لوہا۔ فولاد  
 اور سیسہ گلانے کے لئے اور کانٹون سے تانبا پیتل اور کوئلہ

کھانے کے لئے ضروری کلین مگائی ہیں۔ اس کام میں جون  
 جون مجھے نئی باتیں معلوم ہوتی جاتی ہیں۔ بتدریج ترقی دے رہا  
 ہوں ایک بہت قیمتی چیز جو مجھے ہندوستان یا یورپ سے خریدنا  
 پڑتی تھی دباغت کیا ہوا چمڑا تھا اور جس قدر کارخانے بڑھتے  
 گئے روز بروز چمڑے کی ضرورت بھی زیادہ ہوتی گئی۔ تو پچھلے  
 کے لئے بہت سے چمڑے کی چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ مثلاً  
 بوٹ۔ پٹیاں۔ اور کلون کے لئے چمڑے کے تسمے۔ زمین اور  
 ساز اور متفرق چیزیں۔ اس ضرورت کو رفع کرنے کے لئے میں نے  
 کل قسم کا چمڑا رنگنے اور دباغت کرنے کے لئے ضروری کلین  
 اور اوزار خریدے اسب خدا کے فضل سے کابل میں بھی چمڑا  
 اُن مختلف طریقوں پر جو انگلستان۔ ہندوستان۔ ایران اور  
 روس میں رائج ہیں رنگا جاتا ہے اور کمایا جاتا ہے۔ غیر ملکین میں  
 سے جو شخص اس کام میں بہت بکار آمد ثابت ہوا وہ مسٹر ٹاسکر

ایک انگریز دباغ تھا۔ اُس نے کابل کے کارخانہ دباغت کے ایک پیشہ ور کارگیر مسمیٰ اعظم کو چمڑا بنانے کے وہ کل طریقے جو انگلستان میں رائج ہیں سکھا دیے۔ اور اب بالکل میرے ملک کے کاریگر اس کام کو چلا رہے ہیں۔ ایک اور انگریز مسمیٰ تھانٹن نے غلام حیدر کو جو کابلی رنگیزوں میں سربراہ و ردہ تھا کل انگریزی رنگوں کا استعمال سکھا دیا۔ اس کام کو بھی اب محض کابلی کاریگر کر رہے ہیں۔

ایرانی چمڑا جو خاص طور پر ہمدان میں رنگا جاتا ہے اور کمایا جاتا ہے اُس کے لئے میں نے ہمدان سے دو کاریگر بلائے کہ میرے یہاں کے کاریگروں کو وہ چمڑا بنانا سکھا دیں۔ لاہور سی چمڑا بنانے کے لئے بھی میں نے یہی طریقہ اختیار کیا اور اب میرے کابلی کاریگر اُسے ایسا عمدہ بنا لیتے ہیں۔ جیسے ہندوستانی کاریگر۔ روس کا چمڑا بنانا مجھے خود معلوم تھا چنانچہ میں نے اپنے

کارگیر و نگو خود سکھا دیا۔ مین اُن تمام لوگوں سے بہت خوش ہوں  
جنہوں نے اس قدر تکلیف اٹھا کر میرے آدمیوں کو چڑا بنانا سکھایا  
ہے اور خاص کر مین اس معاملہ میں ہمدان گے ایرانی و باغون کا  
زیادہ تر مشکور ہوں۔

## بوٹ بنانے اور کلون کے لئے

### چرمی تسمہ بنانے کا کارخانہ

اگرچہ میرے کاریگر چڑا رنگنا اور کمانا سیکھ گئے تھے مگر اُن مین  
کوئی ایسا نہ تھا جو بوٹ یا بلٹ وغیرہ بنا سکے۔ لہذا مین نے ایک  
شخص مسی احمد اذبک کو جو لٹائیے روس سے ہوا اس کام کے  
لئے مقرر کیا اور اُس سے کہا کہ کابی کاریگروں کو یہ چیز مین بنانا  
سکھاوے مگر اُس نمونہ کی جیسی کہ روس مین بنی ہیں۔ یہ شخص

حج کی غرض سے مکہ جا رہا تھا کابل میں ٹھہرنا کسی طرح منظور نہ کرتا  
 رہتا میں نے اُس سے بحث کی اور اُسے سمجھایا اور احادیث  
 سے ثابت کیا کہ بنی آدم کی خدمت کرنا مکہ جانے سے بدرجہا بہتر  
 ہے۔ خواجہ عبداللہ انصاری جو ایک بڑے ولی گذرے ہیں  
 اُن کا قول بھی اُسے پڑھ کر سنایا وہ فرماتے ہیں کہ ”بہت عبادت  
 کرنا گویا کاہلی ہے اور کام سے جی چرانا ہے بہت روزے رکھنا  
 گویا جزورسی ہے اور کہنا بچانا ہے مگر ایک دوسرے کے  
 کام آنا بڑے بہادرون کا کام ہے اور اصل عبادت یہی ہے  
 المختصر اوس نے میری ملازمت قبول کی اور اپنا کام میرے  
 کاہر گیرون کو سکھادیا۔

میرا ایک چچا زاد بھائی جس کا نام سردار کریم خان تھا  
 ایک زمانہ میں اُس نے ہجرت کر کے ہندوستان میں رہنا اختیار  
 کیا تھا اور وہاں اوس نے اپنے ایام قیام میں بوٹ بنانا سیکھ لیا



تھا۔ مین نے بہت کچھ مباحثہ کے بعد اُسے بھی اس کام کے لئے آمادہ کیا اور اُس سے کہا کہ شاہی خاندان کے کسی رکن کو اپنے ہاتھ سے کام کرنا کوئی ننگ کی بات نہیں جیسا کہ جاہل افغانوں کا عقیدہ ہے بخلاف اسکے اگر کوئی شخص کام نہ کرے تو البتہ جائے شرم ہے۔ مین نے اُس سے کہا کہ ایک اور شخص جو قبیلہ ہزارا سے ہے اور لڑائی میں قید ہو کر میرے یہاں آیا ہے اور جو فن کفش دوزی سے واقف ہے اپنا شریک کر لو چنانچہ دونوں نے مل کر کابل میں ایک کارخانہ کیا۔ اور رفتہ رفتہ اور بہت سے موجدین نے اُن سے یہ کام اچھی طرح سیکھ لیا اب اُن کلون کی رعایت سے جو مین نے بوٹ سازی اور چرم دوزی کے لئے خریدے ہیں۔ ہزار ہا بوٹ روزانہ کابل اور دوسرے شہروں کے کارخانوں میں تیار ہوتے ہیں جو میری فوج کے سپاہیوں کو دئے جاتے ہیں اور بازار میں فروخت ہوتے ہیں

پس جس قدر روپیہ - بوٹ - بٹ ساز اور دوسری چیزوں کے  
 خریدنے کے لئے باہر بھیجا جاتا تھا اب ملک ہی میں رہتا ہر  
 جو ایک بین نفع ہے - میں ایک اور حکم جاری کرنے والا ہوں  
 کہ کوئی بوٹ یا دوسرا سامان چرمی باہر سے میرے ملک میں  
 آنے نہ پائے اور جن لوگوں کو ان چیزوں کی ضرورت ہو وہ  
 یہیں کی بنی ہوئی چیز خریدیں - میں فقط یہ دیکھتا ہوں کہ اچھی طرح  
 سب لوگوں کو یہ کام بنانا آجائے تاکہ تمام ملک کی ضرورت اچھی  
 طرح پوری ہو سکے میں نے حکم دیا ہے کہ کسی قسم کا خام چرم بغیر  
 میری گورنمنٹ - کے افسروں کی خاص اجازت کے افغانستان سے  
 باہر نہ جانے پائے - یہ عجیب بات اس ہے کہ خود میرے ملک کا چمڑا  
 دو سے ملکوں میں رنگنے اور کمانے کے لئے بھیجا جائے اور  
 پھر وہی چمڑا جو گنی قیمت پر میرے لوگوں کے ہاتھ فروخت ہو -

## صابون اور موم بتی بنانیکا کارخانہ

میں نے اول یہ کام مختلف اضلاع میں جاری کیا مگر یہ چیزیں ہاتھ سے بنائی جاتی تھیں۔ چونکہ افغانستان کے باشندے سب کے سب گوشت خوار ہیں لہذا ان چیزوں کے لئے چربی کی کمی نہ تھی علاوہ اس کے میرے ملک کے سرد مقامات میں جانوروں کی چربی استدر جلد نہیں پگھلتی جیسے کہ گرم ملکوں میں یہی وجہ ہے کہ سرد ممالک کی بہترین اور گائیں بہت موٹی طہازی ہوتی ہیں اور گرم ممالک کی دہلی تیلی۔ صابون اور موم بتی بنانیکا کارخانہ جاری ہونے کے قبل ایک بڑی مقدار چربی کی پھینک دی جاتی تھی اور وہ یوں ہی بیکار ضائع ہوتی تھی۔ جب تک یہ دونوں چیزیں ہاتھ سے بنائی گئیں۔ وہ مٹھن پھری گئی ہوتی تھیں ان میں کوئی اور چیز نہ ملائی جاتی تھی جن سے

عمدہ خوشنما صورت پکڑتین۔ اب مین نے صابون اور موم بتی بنانے کا  
 پورا سامان منگالیا ہے اور یہ کارخانہ کھلنے سے میری گورنمنٹ  
 کی محاصل کو بہت ترقی ہوئی ہے گو ابھی اس کارخانہ کو ایسی دمت  
 اور ترقی نہیں ہوئی ہے جیسی کہ مین چاہتا ہوں۔ میرا ارادہ ہے کہ  
 افغانستان کے تمام مشہور اضلاع میں یہ کارخانہ جاری کر دوں تاکہ  
 لوگ کراہیہ وغیرہ کے نقصان سے بچیں۔ مین نے اسی لئے  
 ملک کے مختلف مقامات میں گولے ڈھالنے کے کارخانے قائم  
 کئے ہیں تاکہ نقل و حرکت کا صرف نہ پڑے۔ ہاتھ سے صابون  
 اور موم بتی بنانے کے کارخانے قریب قریب ان کل اضلاع میں  
 جاری ہیں جہاں ابھی کلیں نہیں منگائی گئیں۔ مقام غورہ ہے کہ چورپوہ  
 غیر ملک کا سامان خریدنے میں صرف ہوتا تھا وہ اب اپنے ہی  
 ملک میں رہتا ہے۔

## کارخانہ خیاطی

اگلے زمانہ میں افغانستان کے کل لوگ بادشاہ سے لیکر فقیر  
 تک اور کل اہل سیف اور اہل قلم افسر اور اُمرا بڑے بڑے ڈسٹریکٹ  
 پانچاچھے اور کرتے جن کی آستینیں کئی گز کی ڈھیلی ہوتی تھیں پتھر  
 تھے۔ صرف ایک پانچاچھے کے لئے پندرہ گز کپڑا اور کار ہوتا تھا  
 اس میں اول تو صرف بہت ہوتا تھا دوسرے نہایت بد نما اور  
 خلاف حکم خدا تعالیٰ تھا۔ اس لئے کہ خدا قرآن میں فرماتا ہے  
 (لَا تَلْبَسُوا لِبَاسَ الْمُتَكِبِرِينَ)

علاوہ اس کے اس نامعقول وضع سے لوگ کاہل ہوتے  
 تھے اچھی طرح نقل و حرکت نہ کر سکتے تھے کئی گز کپڑے کی دم  
 اُن کے پیچھے تلکتی رہتی تھی میں نے اس رواج کو اٹھانیکے  
 لئے ہندوستانی درزی جو اول ہندوستان میں فوج کی انگریزی

در دیاں بنانے کی نوکری کر چکے تھے نوکر رکھے۔ اُن کے بعد  
 مین نے اپنے یہاں کے صد ہار زمی بغرض تعلیم اُن کے  
 سپرد کئے جنہوں نے میرے سپاہیوں کے اور اہل قلم کیلئے  
 در دیاں تیار کیں ان در دیوں کی قیمت ہر ملازم کی ماہوار سے  
 وضع کی گئی۔

اس کے بعد مین نے حکم دیا کہ آئندہ جو کوئی یہ لہجے پائجامی  
 پہنکر اپنے کام پر آئے گا اُس سے چھ مہینے کی تنخواہ ضبط کر لی جائیگی۔  
 مجھے ان ہندوستانی درزیوں کی تراش کچھ زیادہ پسند نہ آئی چنانچہ  
 مین نے ایک انگریز درزی سمسٹر والٹر نوکر رکھا جس نے میرے  
 کارخانہ خیاطی کو بہت درست کر دیا۔ اُس نے اور میری منشی نے ملکر  
 ایک کتاب لکھی جس میں انگلستان کی مختلف در دیوں کی وضع اور  
 صورت۔ اُن کی تراش اور سینے کا طریقہ درج کیا۔ اس کتاب میں  
 ناپنے کے ضروری قواعد بھی لکھے جن سے یہ معلوم ہو سکے

کہ مختلف قد و قامت کے سپاہیوں کی وردی کے لئے کس قدر  
 کپڑا اور کار ہوتا ہے۔ اب درزیوں کو کپڑا چرائیکا کوئی موقع نہیں  
 ہے کیونکہ میرے یہاں کے محاسب اُن تو اور کی رو سے حساب  
 کر کے یہ بتا سکتے ہیں کہ مختلف قد و قامت کے لوگوں کیلئے  
 کس قدر کپڑا اور کار ہوگا۔ میری گورنمنٹ کے کل افسر اہل قلم و اہل  
 سیف بہ آسانی پہچانے جاسکتے ہیں۔ اس لئے کہ بلحاظ مدارج  
 ہر ایک کا یونی فارم جدا ہے۔ مثلاً کل اہل قلم جن میں امر اگورنر  
 افسر مختلف صیغوں کے بالادست۔ حکام۔ معتمدین اور اہل دربار  
 شامل ہیں انکی وردیاں اُن فوجی افسروں کی سی ہیں جو بلحاظ ماہو  
 اور درجہ اُن کے ہم پلہ ہیں۔ اسی طرح اہل قلم بھی کمانڈر انچیف جنرل  
 میگیڈر کرنل۔ کپتان اور لفٹنٹ وغیرہ کی وردیاں پہن سکتے ہیں  
 میرے دربار میں بلحاظ مراتب و مشاہرہ اُن کی جگہیں معین ہیں۔  
 اس بارے میں ایک کتاب بھی لکھی گئی ہے جس میں مختلف اہل قلم

واہل سیف کے درجے اور اُن کے یونی فارم وغیرہ کا ذکر ہے۔  
 یہ کتاب میرے بیٹے حبیب اللہ خان کے پاس رہتی  
 ہے جس کا یہ فرض ہے کہ ہر ایک شخص جو اس کے دربار یا  
 میرے دربار میں حاضر ہو یہ خیال رکھے کہ اپنا پورا یونی فارم پہنکر  
 آیا اور اپنی مقررہ جگہ پر بیٹھا یا نہین۔ مثلاً کوئی اہل قلم جسکی تنخواہ سالانہ  
 بارہ ہزار روپیہ سکے کابل یا اس سے زیادہ ہو وہ کمانڈر انچیف کا درجہ  
 رکھتا ہے آٹھ ہزار روپیہ سالانہ پانیوالے جنرل اور ڈپٹی کمانڈر  
 انچیف کے ہم پلہ ہیں اور پانچ ہزار روپیہ سالانہ پانے والے بریگیڈیئر  
 کے ہم مرتبہ ہیں اور علی ہذا چار ہزار روپیہ پانے والے کرنل کے  
 ہم مرتبہ ہیں۔

شاید بعض لوگ جو اور دن کی عیب جوئی اور اپنی عیب پوشی  
 میں بڑے سرگرم ہیں یہ اعتراض کریں گے کہ میں روپیہ کا بڑا لالچی  
 ہوں۔ اس قسم کے اعتراضات میں بارہا سن چکا ہوں۔ لوگ کہتے



ہیں کہ میں واجبی وغیرہ واجبی دونوں طریقوں سے ایک ایک پیسہ پیدا کرنے کے ذرائع نکالتا ہوں۔ ایسے اعتراضات کی نسبت میں صرف یہ کہہ چکا کہ اس بیہودہ گوئی کا کچھ جواب نہیں ہے۔ میرے ملک کا امن اور حفاظت زیادہ تر فوج اور سامان جنگ پر منحصر ہے اور یہ دونوں چیزیں ہمیشہ عمدہ حالت میں رہنا چاہیے۔ مگر یہ امر بغیر روپیہ کے ممکن نہیں۔ گو بہ نسبت اور سابق امیر و ن کے میں اپنا ہر ملک سے زیادہ مالگذاری وصول کرتا ہوں مگر اُس کے ساتھ ہی میں بہ نسبت امیرانِ سلف کے اپنے سپاہیوں کو اچھی ماہوار بھی دیتا ہوں۔ جو لوگ ایسے اعتراضات کرتے ہیں انکو چاہیے کہ نہ خواجہ احرار ہراتی کا جو پڑے ولی اور پیشوا گذرے ہیں۔ بیچہ قول ملاحظہ فرمائیں (خدا کا عاشق روپیہ کا عاشق نہیں ہو سکتا لیکن جو خدا کی راہ میں روپیہ کا عاشق بنے وہ عین خدا کا عاشق ہے)۔

## مطبع اور تعلیم

جب مین تخت پر بیٹھا ہوں اُس سے قبل کل ممالک محروسہ افغانستان  
 مین کہیں مطبع کا نام و نشان تک نہ تھا اور تعلیم کی یہ حالت تھی کہ  
 مجھے تین نشیون کے لئے جو اپنی زبان مین لکھ پڑھ سکتے ہوں  
 سارے ملک مین اشتہار دینا پڑا۔ مگر بجائے تین کے صرف  
 تین نشی دستیاب ہوئے خدا کا شکر ہے کہ اب میرے ملک  
 مین ہزار آدمی لکھ پڑھ سکتے ہیں اور کابل کے مطبع مین مختلف  
 مسانین کی صد ہا کتابیں۔ نقشہ جات۔ کاغذ ممہور و پرامیسری نوٹ  
 وغیرہ چھپتے ہیں۔ روز شائع ہوتے ہیں۔ کل اضلاع اور فوج کی  
 ہر رجمنٹ مین تعلیم کے لئے مدارس کھولے گئے ہیں اور انشاء اللہ  
 عنقریب کابل مین مختلف علوم فنون کی تعلیم کے لئے یورپین  
 طریقہ پر ایک کالج بھی قائم کیا جائیگا۔ مین نے اہل کابل کو حکم

ویسے کہ چند لوگ مل کر ایک نیم سرکاری اخبار بھی جاری کر رہے  
 جس شخص نے کابل میں مطبع کھولا اور بہت تعریف و توصیف  
 کا مستحق ہے وہ ناشی عبدالرزاق دہلوی تھا جس کا انتقال ہو گیا  
 اُس نے بعارضۃ بنجار قضا کی۔ مگر مطبع کا کام اب کابلی لوگ چلا رہے  
 ہیں۔ میں نے اُس کی خدمات کے صلہ میں اُس کی بیوہ اور  
 لڑکیوں پر اُسکی سالم ماہوار بجالا رکھی۔

## مختلف فنون صنعت و حرفت کے کارخانے

اگر میں اُن کل کارخانوں کا تفصیلی حال بیان کروں جو میں نے  
 جاری کئے تو ایک بڑی کتاب ہو جائے۔ صرف اسی قدر میں  
 ہے جو اوپر بیان کر چکا ہوں۔ اُس کے سلسلہ میں یہ سبیل تذکرہ

اس باب میں حسب ذیل کارخانوں کا ذکر کرتا ہوں جو افغانستان میں جاری ہوئے ہیں۔ کارخانہ کلاہ سازی دیوبند میں اور مشرقی دونوں (وضع کی) کارخانہ دوربین سازی اور توپ خانہ کے لئے فاصلہ دریافت کرنے کا آلہ۔ ہیلیو گرافی اور اس فن کے متعلق کل چیزوں کے مھیا کرنے کا کارخانہ۔ (اس سے پہلے افغانستان میں کوئی ہیلیو گرافی کے نام سے بھی واقف نہ تھا) بارود اور گولی بنانیکا کارخانہ۔ تارکشی اور سنہرالیس بنانیکی کلین۔ ایرانی اور ہندوستانی قالین بنانیکی کلین۔ پڑوہ اور کرسیاں بنانیکا کارخانہ۔ گپڑیاں بننے اور بنانے کی کلین۔ ڈیرے بنانے کا کارخانہ۔ ٹھانی اور ایکٹر و پلٹنگ بلع کرنے کا کارخانہ۔ کل قسم کا سامان جنگ علاوہ اس کے جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مثلاً تلوار پرکشن کیپ۔ فیوز۔ ریوالور۔ تفنگچہ۔ اور بہاے وغیرہ بنانے کا کارخانہ۔ مینا کاری اور کاغذ بنانے کا کارخانہ۔ ایسٹ

بنانے کی کلین۔ جلد بندی کا کارخانہ۔ بسکٹ اور کیک بنانے کا کارخانہ۔ قندی لین اور شیشہ آلات بنانے کا کارخانہ۔ مورے اور خیاطی کے کام کی کلین۔ چاندی۔ تانبا۔ پیتل۔ فولاد اور لوہا گلانے کی بھٹیاں۔ چونا اور خشت پزی کی بھٹیاں۔ مختلف فنون تعمیرات و نجاری کے کارخانے۔ سنگتراشی۔ دلی کی عمارتوں کے وضع پر پتھروں میں نقش و نگار بنانے کا کارخانہ۔ آئیل ملز (تیل نکالنے کی کلین) فوجی بیٹھکے لئے بگل۔ بیگ پائپ اور دوسرے باجے بنانے کی کلین۔

میں نے یہ بھی انتظام کیا ہے کہ جتنے اہل حرفہ جنگ میں یا یوجہ از کابِ جرائم قید ہو کر آئیں وہ سب اپنے اپنے پیشہ کے

۱۵۔ کابل میں کل ملٹری بیٹھک اہل ہمسی وضع اور قطع کے برین جیسے انگریزی فوج کی ہرجنٹ برین استعمال ہوتے ہیں اور بیٹھ و فوجی قواعد کی کتابیں بھی انگریزی سے فارسی میں ترجمہ ہوتی ہیں۔ ہر فوج کو فوج یا دوسری حکمہ کی ملازمت حاصل کرنے کے لئے امتحان پاس کرنا ہوتا ہے۔

محافظ سے کام سیکھنے کے لئے مسٹر یون کے حوالہ کر دے جائیں۔  
 جب وہ کام میں بخوبی ہوشیار ہو جائیں تب قید سے رہائی دیجائے  
 اور نوکر رکھ لئے جائیں۔ اُن کو اسی قدر ماہوار دیجائے جو اور  
 کاریگر دن کو ملتی ہے۔ اس تدبیر سے مین نے بہت کاریگر جمع  
 کر لئے ہیں۔ ورنہ مین اپنی رعایا کو بہ جبر کارخانوں کی نوکری کے  
 لئے مجبور نہ کر سکتا تھا۔ قیدی اس سے بڑھ کے اور کیا چاہتے  
 تھے کہ رہائی پائیں۔ انہوں نے بہت جلد کام سیکھ لیا اور رہائی  
 پائی۔ علاوہ رہائی کے اپنی محنت اور کام کی مزدوری بھی ملی مجھے  
 یہ فائدہ ہوا کہ ایسے اچھے خوشدل مزدور ہاتھ آئے۔



## باب سوم سرکاری محکمے

میں نہیں چاہتا کہ زیادہ طول دیکر ناظرین کو زحمت دوں مگر خیال یہ ہے کہ کوئی بات اُس ترقی کے متعلق جو میرے عہد میں ہوئی ہے، فرد گذشتہ کرونگا تو کتاب ناقص رہیگی۔ اصل یہ ہے کہ عموماً تمام لوگوں کو افغانستان کے حالات سے واقفیت بہت ہی کم ہے جو کچھ میں بیان کرونگا وہ سب کے نزدیک بالکل نیا حال ہو گا جو انہوں نے کبھی نہ سنا تھا۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ بعض افاقیوں نے جو وقتاً فوقتاً کابل میں آئے ہیں بالکل غلط حالات اور لچر واقعات بیان کر کے اپنے تئیں دنیا کی نظر میں

افغانستان کے اندرونی و بیرونی حالات کا بڑا ماہر و محقق بنانا چاہا ہے۔ حالانکہ مجھے اکثر اُن کے لکھے ہوئے مضامین پڑ کر ہنسی آتی ہے اس لئے کہ جانتا ہوں وہ لوگ افغانستان کی سرحد سے پانٹوٹھیل سے زیادہ آگے نہیں بڑھے۔ ایسی حالت میں ضرور ہے کہ میں کچھ اصلی واقعات بیان کروں اگرچہ تفصیل نہیں تو مجھلا ہی سہی۔ گوین بہت عظیم الفرست ہوں مگر اس کام میں ضرور تہوڑا وقت صرف کر دینگا۔

میری تخت نشینی سے پہلے یہاں کی گورنمنٹ ایک طرفہ معجون تھی۔ کوئی یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ ملک میں کوئی سرکاری دفتر یا محکمہ بھی ہے ایک شخص مستوفی ہوتا تھا جسے خواہ وزیر اعظم کہیے یا صدر محاسب یا بخشی یا کسی اور نام سے پکارے۔ اس شخص کے پاس دنل منشیوں کا ایک مختصر سا علمہ تھا اور وہ اپنی خواجگاہ میں بیٹھ کر سارا ملک کا انتظام کر لیا کرتا تھا۔ سرکاری دفاتر کا کوئی نام بھی نہ جانتا



تھا۔ مین اکثر لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ وہی قدیم طریقہ بہت اچھا تھا جب نہ دفاتر تھے نہ کوئی محکمہ۔ ہر چیز اس قدر آسان اور مختصر تھی کہ ایک شخص سارے ملک کا انتظام کر سکتا تھا۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ لوگ انتظام مملکت سے محض ناواقف ہیں اور اُن کی یاد وہ گوی قابل اعتنا نہیں۔

یہ بات تو یقینی ہے کہ جو گورنمنٹ اس طرح چل سکے کہ چند منشی اُس کے انتظام اور نظم و نسق کو انجام دے سکیں۔ وہ ایک بنیے کی دوکان سے بھی مختصر ہوگی اس لئے کہ دوکان کا حساب و کتاب رکھنے کے لئے بھی بہت سے آدمی درکار ہوتے ہیں ایک اور امر قابل لحاظ یہ ہے کہ جب ایک شخص کو اتنا اختیار دیا جائے اور کچھ اس کی روک ٹوک نہ ہو تو اسے لوگوں کے اتلاف حقوق و تغلب و تصرف کا اچھی طرح موقع ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگلے زمانوں میں حکمرانوں کی بے پرواہی۔ کاہلی۔ غفلت و جہالت

کی بدولت بہت سی مشرقی سلطنتیں تباہ و برباد ہو گئیں۔ بمصدق  
 ”اَلَا نَسَانُ مَرْكَبٌ مِّنَ الْخَطَاۃِ وَ النِّسْيَانِ“ غلطی تو ہم سب سے  
 ہوتی ہے اور ہم سب میں عیب و ہنر دونوں موجود ہیں مگر تحریک  
 کوئی بادشاہ یا افسر محکمہ اپنے تئیں ہر ایک بات سے جو ملک میں  
 واقع ہو باخبر رکھتا ہے اور اگر زیادہ نہیں تو مثل دو سر عہدہ داروں  
 کے جفاکشی سے کام کرتا ہے تو البتہ اُس کی نسبت یہ توقع ہو سکتی  
 ہے کہ کچھ کر دکھائیگا لیکن زیادہ تر تو ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے کہ  
 ہندوستان کے بعض والیان ملک ہیں کہ مہینوں اپنے محل سے  
 برآمد نہیں ہوتے جب یہ حالت ٹھہری تو کس طرح ممکن ہے کہ وہ  
 اپنی رعایا کی فریاد سنیں یا اُن کی داد کو پہنچیں۔ سعدی فرماتے ہیں ۵

تو کے بشتومی نالہ داد خواہ	یکسو ان بہت کلمہ خواجہ
----------------------------	------------------------

افسوس کی بات ہے کہ افغانستان میں بھی انتظام ملک کے لئے جیسا  
 چاہیئے محکمے قائم نہیں ہوئے ہیں۔ مجھے زیادہ تر اپنے یہاں

کے عہدہ داروں کی وجہ سے وقتیں پیش آتی ہیں اس لئے کہ  
 وہ اپنا کام نہیں سمجھتے۔ ایک محکمہ کے معاملات دوسرے میں  
 شامل کر دیتے ہیں یا اپنے اختیارات اُن چیزوں تک بڑھانے کی  
 کوشش کرتے ہیں جن کو اُن کے دفتر سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر  
 مجھے اُمید ہے کہ جب طرح افغانستان نے اتنے تھوڑے عرصہ میں  
 ایسی جلد ترقی کی ہے اُس کے دفاتر اور محکمے بھی عنقریب درست  
 ہو جائیں گے۔

میں نے ملک کے کُل دفاتر اور محکمے دو قسموں میں تقسیم کیے ہیں

ملٹری یا نظامی۔ سول یا ملکی

یون دیکھا جائے تو ہر شخص پاہی ہے اور ہر شخص پشت شیر زنی

فرض ہے۔ ہر باایمان مسلمان کو اپنے مذہب کے لئے لڑنا

واجب ہے۔



## ملیٹری یا نظامی

مختلف صیغہ جات متعلق فوج کا ذکر کرنے سے پہلے مین یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سامان جنگ وغیرہ بنانے کے کل کارخانے جو دوسرے باب میں ذکر ہو چکے ہیں اسی ملیٹری محکمہ کی نگرانی میں ہیں۔ کل کارگیروں اور اذن کے پیشدستوں کی تنخواہ معتد فوج کے دفتر سے ملتی ہے۔ اکثر غیر ملکی ملازم و کارگیر۔ ہندوستانی و انگریز وغیرہ اپنی تنخواہ اسی دفتر سے پاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ فوجی دفاتر سے ادبہ ماہ نقد تنخواہ تقسیم ہوتی ہے جو شاہی خزانہ سے دی جاتی ہے۔ بخلاف اس کے اہل قلم کی ماہوار عموماً ملک کے محاصل سے دلائی جاتی ہے۔ اُس کا طریقہ یہ ہے کہ ملازمین اہل قلم کے نام خزانہ شاہی سے حکمنامے جاری ہوتے ہیں اور اُن پر دفتر مالگداری کے کسی افسر بالا کے دستخط ہوتی ہے۔ اور

میری مہر بھی ثبت ہوتی ہے۔ اس طریقہ سے جو تنخواہیں ادا ہوتی ہیں وہ سالانہ یا بعض اوقات ششماہی ہوتے ہیں اور پیشگی دیجاتی ہیں۔ یہ حکم نامے برات کھلاتے ہیں اور ان کا روپیہ اہل قلم کو بذات خود ان لوگوں سے وصول کرنا ہوتا ہے جو سرکار کے مالگذار ہوں۔ ٹیکس ہو یا کروڑ گیری یا لگان۔ اس کتاب میں فوج کی تعداد لکھنا بے محل ہوگا۔ اس لئے یہ نقطہ مختلف محکموں کا ذکر کرتا ہوں جو فوج سے متعلق ہیں۔

## میری فوج کے محکمے

(۱) توپخانہ

(۲) رسالہ

(۳) پلیٹن۔ پولیس۔ ملیشیا (جو خاصہ دار کہلاتے ہیں) سوار خوانین۔ (یعنی رسالہ فوج بقاعدہ جو بعض امرا یا سرداروں کے پاس

یہ لحاظ اُن کے منصب یا جاگیر کے ہے) اور والٹیر (مجاہدین) اس زمرہ میں ہر شخص آگیا جو ستر برس سے کم اور سولہ سے اوپر ہے۔ اس کا انتظام یون ہے کہ لوگ بحساب فی آٹھ نفر ایک آدمی بھیجتے ہیں اور جب تک وہ فوجی تعلیم اور قواعد وغیرہ سیکھنے میں مشغول رہتا ہے اُس کے کل ضروری مصارف کو وہی ادا کرتے ہیں۔ بعد ازاں جب وہ تعلیم پا کر اپنے گھر واپس جاتا ہے اور کاشتکاری یا کسی اور پیشہ میں مصروف ہوتا ہے اُس کی جگہ اُسی طرح پر دوسرا شخص آجاتا ہے۔ یہ طریقہ ۱۸۹۶ء میں خود لوگون کی درخواست پر جاری کیا گیا ہے۔ جبری نہیں ہے۔ میں خود حیر یہ ملازمت کے بہت خلاف ہوں اور کبھی یہ نہیں چاہتا کہ لوگون سے اُن کے خلاف مرضی کوئی کام دیا جائے یا فوج میں بھرتی کئے جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ افغان بڑے بہادر ہیں اور ہر شخص پورا سپاہی ہے مگر بغیر قواعد جانے اور بے فوجی تعلیم پائے انکی

بہاوری اقوام یورپ کے باقاعدہ فوجوں کے مقابلہ میں کیا سر بہ  
 ہو سکتی تھی۔ میں بہت خوش ہوں کہ میرے ملک میں یہ طریقہ جاری  
 ہوا۔ اور اب میری سلطنت و رعیت کے پاس ایک عمدہ باقاعدہ  
 فوج تیار ہے اور لشکر کشی کے لئے بقدر کافی روپیہ بھی موجود ہے  
 مجھے خدا سے اُمید ہے کہ اگر کوئی قوی سے قوی سلطنت میرے  
 ملک پر حملہ کر کے لینا چاہے گی تو میری فوج بخوبی اُس کا مقابلہ کریگی  
 اور اپنا ملک بچا لے گی۔ یہ ثابت ہو جائیگا کہ افغانستان کے گذشتہ  
 حالات ایک خواب و خیال ہیں۔ مجھے اس موقع پر ایک واقعہ یاد  
 آیا جو میری جلاوطنی کے زمانہ میں روس میں مجھ پر گذرا تھا۔ میں اُس  
 مختصر یہ سبیل تذکرہ یہاں بیان کرتا ہوں۔

روسی ایک بڑی بہاری توپ لائے تھے جس سے قلعہ  
 توڑنے کی مشق کرتے تھے۔ میں بھی اُس کا تماشا دیکھنے گیا۔ ایک  
 روسی افسر نے میرے پاس آکر کہا کہ یہ توپ اس لئے آئی ہے

کہ ہرات پر حملہ کر کے قلعہ ہرات چھین لین۔ مین نے جواب دیا  
 کہ اگر خدا نے افغانستان کی حکومت میری قسمت میں لکھی ہے تو تم  
 دیکھنا کہ جہاں یہ توپ بیکار ثابت ہوگی وہ مقام ہرات ہی ہوگا۔  
 لیکن اگر مین بادشاہ ہنوا تو مین نہیں کہہ سکتا کہ کیا گزرے گی۔  
 روسی افسر نے حقارت سے یہ کہا کہ آپ تو ہمارے گورنمنٹ کے وظیفہ  
 خواہ ہیں آپ کیوں ایسا فرماتے ہیں۔ مین نے جواب دیا کہ مین نے  
 تمہاری گورنمنٹ کے ہاتھ اپنا ملک۔ اپنی قوم۔ اپنا مذہب اور اپنی  
 حیثیت و حب الوطنی بیکر یہ وظیفہ نہیں قبول کیا ہے۔ مین اُن بڑوں کو  
 مین نہیں ہوں جو افغانستان کی تباہی اور بربادی کا حال سنیں اور  
 چپ رہیں۔ اگر تم سچی بات سنا نہیں چاہتے تو بہتر ہوتا کہ تم مجھ سے  
 اس توپ کا ذکر ہی نہ کرتے۔ قوم افغان جو کہ فطرۃً سپاہی ہیں اور  
 بچپن سے لڑائی کے عادی۔ اگلے زمانہ مین اس طرح جنگ کیا کرتے  
 تھے کہ ہر ایک سردار۔ زمیندار۔ سید۔ ملا کے پاس سپاہیوں کا ایک



جرگہ ہوتا تھا جو ایک جہنڈا اور ایک دُہل اور ایک شہنا اپنے ساتھ  
 رکھتا تھا۔ جو وقت دُہل پر ضرب پڑی اور شہنا بجی ہزاروں آدمی  
 جمع ہو جاتے تھے اور جنگ کے لئے روانہ ہوتے تھے۔ یہ  
 دُہل اور شہنا میدانِ کارزار میں گویا اُن کے بندوق تھے۔ اور  
 جب بجائے جاتے تھے ہر مسلمان پر یہ فرض ہوتا تھا کہ کسی  
 نہ کسی جہنڈے کے نیچے جا کر کھڑا ہو جائے۔ اُن کی قواعد صرف  
 صدائے اللہ اکبر ”یا پیہار یار“ تھی۔ اُن کے ہتیار پستل یا تائب  
 کی توپیں نالی سے بھرنے کی بندوقین۔ قدیم وضع کے تھنگے  
 ایرانی و گجراتی تلواریں اور کابلی تینے تھے۔ ہر شخص غازی تھا۔  
 اب بھی یہ حالت ہے کہ ہر افغان جب رات کے وقت سونیکو  
 لیٹا ہے تو خدا سے یہ دعا مانگتا ہے کہ یا اللہ مجھے میدانِ جنگ  
 میں سپاہی کی موت نصیب ہو۔ میں اپنے بستر پر نہ مروں۔ یا اللہ  
 میں تیری راہ میں شہید ہوں۔ ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو کوئی

شہید ہوگا وہ بلا مواخذہ قیامت کے دن جنت میں داخل ہوگا۔ جو  
 لوگ غازی ہیں وہ خدا کے نزدیک معصوم خیال کئے جاتے  
 ہیں۔ یہ قدیم طریقہ جنگ اس صدی کے شروع تک جاری رہا  
 میرے دادا کے وقت سے پہلے فوج کی کوئی ترتیب نہ تھی  
 ایک ابنوہ کثیر ہوتا تھا جس میں سوار پیدل سب ملے ہوتے تھے  
 نہ کوئی باقاعدہ توپخانہ تھا۔ نہ رجمنٹ۔ نہ پلٹن۔ میرے والد نے اسکی  
 بنا ڈالی اور فوج کو مختلف حصوں۔ پردن۔ توپخانوں۔ رسالوں۔  
 رجمنٹوں میں ترتیب دیا اور یہ سب میرے دادا کے حسب ہدایت  
 عمل میں آیا انہیں اس کام میں ایک یورپین فوجی افسر مسمی مسٹر  
 کیسبل جن کا ذکر اول ہو چکا ہے اور دو سکھ ہندوستانی فوجی افسروں  
 سے مدد ملی جو انگریزی اور مغلیہ فوجوں میں نوکر تھے اور غدر  
 کے زمانہ میں اپنا ملک چھوڑ کر میرے والد کی فوج میں آئے۔  
 اس سے فوج کو باقاعدہ بننے میں بڑی مدد ملی۔ امیر شیرعلی خان

نے بھی تخت پر بیٹھنے کے بعد یہ طریقہ جاری رکھا بلکہ کچھ اور اصلاح  
 کی جو انہیں بعض انگریزی کتابوں کا پشتو میں ترجمہ کرانے سے  
 معلوم ہوئی۔ یہ کتابیں انگریزی فوج کے استعمال میں تھیں۔ مگر بعض  
 امور میں ان کی فوج ناقص تھی مثلاً سپاہیوں کو ماہ بجاہ تنخواہ نہ ملتی  
 تھی۔ ان کو اختیارات دئے گئے تھے کہ رعایا سے بے جبر روپیہ  
 وصول کر لیں اور ان کے ظلم و تشدد کی کچھ داد فریاد نہ تھی فوج  
 کے افسر کابل و عیاش تھے اور ہر قسم کے عیوب مثل قمار بازی۔  
 چاند و بازی۔ مدک بازی میں مبتلا تھے۔ علاوہ اسکے اور بری بری  
 عاداتیں رکھتے تھے۔ جن کا ذکر اس کتاب میں نہیں ہو سکتا اسلئے  
 کہ ناظرین کو متفر ہوگا۔ ان سب پر طرہ یہ تھا کہ جبر یہ ملازمت کا طریقہ  
 جاری تھا جس سے ملک میں عام بددلی پھیلی ہوئی تھی۔ اس جبر  
 ملازمت اور افسروں کی بد اعمالی کی وجہ سے اس کی فوج اتنی بھی  
 نہ تھی کہ انگریزی فوج کے مقابلہ میں اتنا ٹھہر سکے جتنا کوئی معمولی





الحمد لله که اب میری فوج با قاعده یورپین فوجون کی  
طرح آداسته ہے اور میرے سپاہیوں کو برابر ہر دوسرے مہیتہ  
تخوہ تقسیم ہو جاتی ہے۔ ہر سال کے رجمنٹ اور توپخانہ کی ٹیٹن  
مین سپرس و مائیز و انجینرز۔ بینڈ سیخے۔ دوا خانہ لاجین  
حکیم و جراح ہی ہین (امام جماعت و محاسب و کمسریٹ و غیرہ مقرر ہین  
میری فوج میں نئی سے نئی وضع کی نارڈن فیلڈ۔ لکچر کس  
اور کرپ۔ بریج لوڈنگ (کوٹھی دار) توپین مہیا ہین اور انگریزی  
وضع کا کوہی توپخانہ۔ خچر کا توپخانہ۔ میگنم۔ گارڈنز اور گنڈلنگ  
توپین بھی ہین۔ سپاہیوں کے پاس بند و قین بھی اسی وضع کی ہین  
جو انگریزی فوج میں استعمال کی جاتی ہین۔ لی مشقورڈ۔ ریپیٹر۔ مارٹنی  
ہنری۔ آسنائڈز اسکے علاوہ ماسرو وضع کی بریج لوڈنگ قرابین  
بھی ہین جو اسٹریا کی فوج میں استعمال ہوتی ہین اور بعض نئی

وضع کی روسی توپین بھی ہیں۔ انگلستان کے نو ایسجاد پر کشن۔ اور  
 ٹائم فیوز ہر بھی کابل کے کارخانوں میں مثل انگلستان کے کلون  
 سے بنائے جاتے ہیں۔ اس وقت اگر ضرورت پڑے تو میر  
 یہاں تین لاکھ سپاہیوں کے لئے تمام ہتھیار اور سامان جنگ  
 مع مثل (گولہ) و کار توں تیار ہیں۔ سامان رسد۔ روپیہ بار برداری  
 کے جانور غرضکہ سب چیزیں جو فوری نقل و حرکت کے لئے  
 درکار ہوں ہتھیار ہیں۔ میں اب اس کوشش میں ہوں کہ ایسے  
 دس لاکھ سپاہی تیار ہو جائیں۔ جن کے پاس کل نہی وضع کے  
 ہتھیار ہوں۔ اور اتنا سامان جنگ۔ سامان رسد۔ اور روپیہ فراہم  
 ہو جائے کہ دو برس کے لئے کافی ہو سکے تاکہ اگر اتفاق سے  
 جنگ چھڑے تو دو برس تک اطمینان سے لڑ سکوں۔ اگرچہ  
 افغانستان میں دو ہفتہ کے اعلان جنگ پر اتنے آدمی بھرنچٹا  
 کچھ دشوار نہیں ہے مگر جو لوگ حالات جنگ سے واقف ہیں وہ

سمجھ سکتے ہیں کہ اتنے آدمیوں کے لئے بار برداری کا سامان۔  
 کہا نا۔ تنخواہ۔ اور جمیع مایحتاج مہیا کرنا آسان بات نہیں ہے۔ البتہ  
 ایک بڑی چیز میرے حسب دلخواہ ہے وہ یہ کہ ملک ہتیاروں سے  
 بھر اہوا ہے۔ ہر مردوزن کے پاس ایک بندوق اور ایک تلوار تو ضرور ہی  
 ہے بلکہ بعض قبائل افغان میں یہ دستور ہے کہ دلہن کے جہیز  
 میں محض سامان جنگ دیا جاتا ہے۔ بار برداری کے لئے بھی  
 عمدہ سامان مہیا ہے۔ مثلاً ماتھی۔ اونٹ۔ گھوڑے۔ ٹٹو۔ خچر  
 گدے۔ بکثرت ہیں۔ اور ان کے لئے ملک میں افراط سے  
 چارہ موجود ہے۔ ہاں جس چیز کی کمی ہے وہ روپیہ ہے اور اسکی  
 جمع کرنے میں شب و روز مشغول ہوں۔ مگر خوش نصیبی کی بات  
 یہ ہے کہ ہم کسی کے زیر بار نہیں ہیں۔ دو قوین یعنی انگلستان  
 و افغانستان جن کے اغراض متحد ہیں گویا اس طور پر ایک  
 دوسرے کی اعانت کے لئے تیار ہیں۔



کہ انگلستان کو افغانی سپاہیوں کی ضرورت ہے۔ جو اُس کیلئے  
پشت و پناہ ہوں اور اُس کے پاس سامان جنگ اور روپیہ پیشکش  
افغانستان کے پاس سپاہی موجود ہیں مگر اُسے روپیہ اور سامان  
جنگ کی ضرورت ہے جو انگلستان کے پاس بکثرت ہے۔

اس بات کا تو یقین ہے کہ کوئی سلطنت دس لاکھ سپاہی  
افغانستان میں نہیں لاسکتی اور نہ انہیں ایک عرصہ دراز تک  
لڑا سکتی ہے۔ افغانوں کو یہ نعمت حاصل ہے کہ وہ مضبوط آدمی  
ہیں اور اپنے ملک میں گھوڑے کی چال سے جلد جلد سفر  
کر سکتے ہیں اور اپنے ڈیرے۔ تو سدان۔ بندوق اور تیس روٹیاں  
جو مہینہ بھر کے لئے کافی ہوں اپنے کاندھے پر لے جاسکتے ہیں  
مکر یہ ہے کہ کسی سلطنت کو قلب افغانستان میں اتنی فوج لانے  
کے لئے جتنی مدت چاہیئے اُس سے پہلے افغانستان اُسکو  
مقابلہ کے لئے تیار ہو جائیگا۔ میں نے یہ استفادہ کیا ہے کہ ہر توپ

کے لئے کم سے کم پانسوشل کے گولے اور ہر ہندوق کے لئے  
 پانچہزار کارتوس ہتیار ہیں۔ جسقدر ہندوقین مین نے انگلستان اور بری  
 سے خرید کر منگائی ہیں اور جو برٹش گورنمنٹ نے مجھے عنایت کی  
 ہیں۔ اُن سب کے لئے فی ہندوق پانچہزار کارتوس موجود ہیں۔ علاوہ  
 اُس سامان جنگ کے جو میری تخت نشینی کے وقت سے اب تک  
 برٹش گورنمنٹ نے مجھے دیا اور بہت سے سلاح و سامان جنگ  
 خود میرے کارخانوں میں تیار ہوئے ہیں اور اُن کی کثرت روز بروز  
 ہوتی جاتی ہے۔ مثلاً ہر سال ہاجکس و نارڈن فلٹ و صنع کی بریج لوڈنگ  
 توپیں ۳۶۰ تیار ہوتی ہیں جن کا ساز و سامان گاڑیان گولے وغیرہ  
 سب لیس ہوتے ہیں۔ اب افغانستان کو باقاعدہ تعلیم یافتہ افسروں  
 کی بہت ضرورت ہے تاکہ یہ سب سامان جنگ کام میں لاسکیں  
 جو ان جون وقت گزرتا ہے۔ مین اس نقص کو رفع کرتا جاتا ہوں۔  
 اولاً مین نے مصنوعی جنگ کا طریقہ جاری کیا ہے اور کل قسم

کے قواعد و فنون جنگ سیکھنے کے لئے فوجی امتحانات مقرر کئے  
 ہیں تاکہ توپوں کی زد کا فاصلہ دریافت کرنے کا اصول اور دوسری  
 مفید باتیں جو فوجی مشق سے متعلق ہوں سکھائی جائیں۔ میرے  
 سپاہی کل قسم کی توپوں کے پرزے علیحدہ علیحدہ کر کے پھر جاسکتے  
 ہیں۔ اور یہ کام افسر و سپاہی دونوں بغیر شرکت کا ریگر کر سکتے ہیں۔  
 انہیں بارود کا پیمانہ اور پرکشن و ٹائم فیوزز وغیرہ کا استعمال بھی سکھایا  
 گیا ہے۔ سیپرس و مائیزز کو علاوہ فن انجینئری کے سڑک بنانا۔ پل  
 باندھنا۔ خندق کھودنا۔ سنگر بنانا اور توپچیوں اور پیدلوں کا کام بھی  
 آتا ہے۔ چونکہ افسروں کی عملی تعلیم کے لئے عملی تعلیم بھی ضروری  
 چیز ہے لہذا انکو ہر کام کے لئے تحصیل علم میں بھی کوشش کرنی  
 پڑتی ہے تاکہ اپنے فرائض کو انجام دے سکیں۔ ان کی لیاقت کی تشخیص  
 کے لئے امتحانات مقرر ہیں۔ جامی فرماتے ہیں۔ ۵

دو صد روپیہ میدان باز صد ہزار

فردنی شکر نیاید بکار

مجھے بارہا یہ مشورہ دیا گیا۔ (جیسا کہ میں نے اور جگہ بیان کیا ہے) کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ فوج لیجانے کے لئے بہترین تدبیر یہ ہے کہ ملک میں ریل بنائی جائے مگر میں اپنے بیٹوں اور جانشینوں کو پھر وہی نصیحت کروں گا کہ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ فی زمانہ تاجرانہ اصول پر اکثر اقوام عمل کرتی ہیں وہ یہ ہے ”جسکی تیخ اُسکی دیگ“ چونکہ بھی افغانستان کے پاس اتنا کافی سامان جنگ موجود نہیں ہے کہ کسی بڑے حملہ آور سلطنت کا خاطر خواہ مقابلہ کر سکے ایسی حالت میں تمام ملک میں ریل بنانا حماقت ہے۔ میرا محکمہ مخبری ایسا ہے کہ مجھے اپنے ہمسایوں کی فوج کی نقل و حرکت سے برابر خبر رہتی ہے اور میں جس قدر فوج جب چاہوں سرحد پر پہنچا دوں قبل اس کے کہ غنیم اُسکی نصف تعداد بھی وہاں لاسکے۔

میں بیان کر چکا ہوں کہ برطانیہ اعظم اور افغانستان کو اغراض ایک ہیں اور یہ بات بالکل سچ ہے مگر چونکہ زمانہ کے

اتفاقات ہر قوم کے خیالات کو بدلتے رہتے ہیں لہذا میرے  
 جانشینوں کو چاہیے کہ کبھی غافل نہ ہوں اور برطانیہ اعظم کی مدد پر  
 پورا بھروسہ نہ کریں ممکن ہے کہ وہ سلطنت ان روایط کو جو اس وقت  
 افغانستان کے ساتھ ہیں بدل دے یا کسی وقت افغانستان کو  
 بددینا اپنی مصلحت کے خلاف سمجھے۔ میرے جانشینوں کو چاہیے  
 کہ ہمیشہ اُس سچی حکمت کی پیروی کریں جو ہمارے مذہب نے ہم کو  
 سکھائی ہے یعنی ”ہر دشواری کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہو اور  
 خدا پر بھروسہ کرو“ برطانیہ اعظم نے میرے ملک کی حفاظت اور بقا  
 دولت کی ثبوت جو عہد و پیمان کئے ہیں۔ اُس کا اُن سے پھرنا دشوار  
 ہے اس لئے کہ انگلستان کا فائدہ اسی میں ہے کہ افغانستان  
 قوی اور خود مختار رہے تاکہ روس اور ہندوستان کے درمیان  
 سدِ سکنہ کی طرح حائل رہے۔

## محکمہ سول یا ملکی

علاوہ اُن صیفون کے جو اس باب کے پہلے حصہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ کل صیفے سول محکمہ کی نگرانی میں ہیں۔ اس چھوٹی سی کتاب میں اتنی گنجائش نہیں کہ سب کے نام یا تفصیلی حالات بیان ہو سکیں تاہم چند ضروری صیفون کا ذکر کرتا ہوں۔

### خزانہ

میرے ملک کا جملہ محاصل خزانہ میں داخل ہوتا ہے اور کل اخراجات خزانہ سے ادا کئے جاتے ہیں۔ خزانہ دو حصوں میں منقسم ہے خزانہ عامرہ و خزانہ خاص۔ خزانہ خاص میرا خانگی خزانہ ہے۔ جس میں میری جاگیر با تجارت وغیرہ کی خانگی آمدنی جمع ہوتی ہے میں بجز کھانے یا کپڑے وغیرہ کے خرچ کے خزانہ عامرہ سے

کوئی رقم اپنے ذاتی اخراجات کے لئے نہیں لیتا ہوں۔ ان دونوں خزانوں کی دو اور تقسیم ہوئی ہیں۔ یعنی خزانہ، نقد و خزانہ اجناس۔ یہ دونوں خزانے قلعہ کابل کے اندرونی احاطہ میں جو قلعہ ارک کہلاتا ہے واقع ہیں۔ اس قلعہ کے بیرونی احاطہ میں مختلف سرکاری دفاتر اور دربار عام کا مکان بنا ہوا ہے۔ قلعہ کے گرد اگر دباغ اتنا بڑا ہے کہ سارا شہر کابل سما جائے۔ میری تخت نشینی سے پہلے نہ اس قلعہ کا وجود تھا نہ باغ کا۔ اس خزانہ کی نشانی قریب قریب افغانستان کے ہر ایک ضلع اور قصبہ میں واقع ہیں اور تمامی سال پر بعد وضع اخراجات جو کچھ خزانہ میں بچتا ہے وہ صدر خزانہ میں بھیجا جاتا ہے۔ اگر کسی ضلع کے اخراجات اُس کی آمدنی سے زیادہ ہوتے ہیں تو کمی صدر خزانہ سے پوری کی جاتی ہے۔

اپنی گورنمنٹ کے مداخل و مخارج سے ہمیشہ واقف رہنے کو

لئے مین نے یہ انتظام کیا ہے کہ ہر شب کو صدر خزانہ سے میرے پاس ایک گوشوارہ آتا ہے جس میں یہ درج ہوتا ہے۔ کہ اس دن خزانہ میں کس قدر رقم داخل ہوئی اور کس قدر صرف ہوئی اور گوشوارہ بناتے وقت خزانہ میں کس قدر رقم باقی تھی۔ چنانچہ ہر شب کو مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ خزانہ میں کس قدر روپیہ موجود ہے۔ اس ذریعہ سے مین سنیں گزشتہ کے اخراجات کا مقابلہ بھی کر سکتا ہوں۔

صدر خزانہ اور اُس کی شاخین پریسیڈنٹ (خزانہ دار) و کونسلر خزانہ کی نگرانی میں ہیں۔ ان عہدہ داروں کا یہ فرض ہے کہ صدر محاسب کے روبرو اپنا حساب پیش کیا کریں۔ جس قدر روپیہ خزانے سے دیا جاتا ہے اس کی رسید لی جاتی ہے۔ جب تک احکامات پر میری یا میرے بڑے بیٹے حبیب اللہ خان کی مہر اور ان افسران محکمہ کی تصدیق نہ ہو جو محکوم کے اخراجات کے لئے



روپیہ چارہتے ہیں کوئی رقم خزانہ سے نہیں دیکھا سکتی۔

میرے ملک کے خاص ذرائع آمدنی حسب ذیل ہیں۔

(۱) مالکداری آراضی و درختہائے میوہ دار۔

(۲) محاصل درآمد و برآمد کروڑ گیری۔

(۳) پوسٹ آفس (جہاں پرایمیری نوٹون کے لئے مختلف

قسم کے اسٹامپ، نقشبات، قہد و بلہائے اکسیجین وغیرہ

فروخت ہوتے ہیں)۔

(۴) محاصل تجارت و حرفت (۵) محاصل آراضی سرکار

(۶) سرکاری دکانوں و سرائوں وغیرہ کا کرایہ

(۷) رقم جرمانہ جو مختلف جرایم کی سزائیں مجرمین سے وصول ہوتی

ہے۔

(۸) محاصل جائیداد ضبط شدہ (۹) محاصل معدنیات۔

(۱۰) سالانہ رقم اداوسی (۱۸ لاکھ) جو گورنمنٹ ہند سے ملتی ہے

یہ رقم عموماً یورپ سے سامان جنگ اور کلکین منگانے میں صرف ہوتی ہے۔

تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ مختلف محکموں سے لوگوں کے نام اس مضمون کے احکامات جاری ہوتے ہیں کہ اتنا سرکاری روپیہ جو واجب الادا ہے فلان تاریخ تک خزانہ میں داخل ہو جائے یا اُس عہدہ دار کو حوالہ کیا جائے جو خزانہ کی طرف سے مقرر ہوا ہو اور جو کچھ روپیہ اُسے دیا جائے اس کی رسید لے لی جائے۔ لوگوں کو یہ تاکید ہے کہ اپنی رسیدیں اُس دفتر محکمہ کے درجہ پیش کریں جسکے دفتر سے ادائے مال کی بابت احکامات صادر ہوئے ہوں۔ ان رسیدوں کی نقل کتابچوں میں درج ہوتی ہے اور اصل رسیدیں واپس کر دی جاتی ہیں تاکہ لوگوں کے پاس ادائے مال کی سند رہے۔

مختلف اضلاع میں جو فوج تعینات ہے اُس کے لئے

سرکاری جانوران بار برداری کے لئے یا محکمہ کسریٹ کیلئے غلہ اور گھاس کا اثبار یا محلات شاہی کے اخراجات کے لئے یا اور دوسری ضرورتوں کے لئے رعایا کو اختیار ہے کہ نقد کے بدلے غلہ گھاس ہینرم سوختنی دیا کرے اور ان چیزوں کی رسید لے لیا کرے۔ ان چیزوں کی قیمت اُن کے ٹیکس میں بحساب نرخ بازار وضع کر لی جاتی ہے۔

افغانستان میں حساب و کتاب رکھنے کا قدیم طریقہ یہ تھا کہ چھوٹے چھوٹے پرچوں پر جو آٹھ اپنے اپنے اور چھہ انچہ چوڑے ہوتے تھے حساب لکھا جاتا تھا۔ ہر ایک پرچہ ایک فرد کھلاتا تھا نہ کوئی کتابچہ تھانہ بھی۔ ان پرچوں کے نصف حصہ میں دفتر کا نام تاریخ سنہ اور کچھ غیر ضروری عبارت لکھی جاتی تھی اور باقی نصف میں دو چار لفظ اور ہوتے تھے۔ پس فرد پوری ہو جاتی تھی جو کچھ ایک کتاب کے دو درقون میں سما سکتا ہے۔ اُس کیلئے

ایسے سوپرچے درکار ہوتے تھے اور جو وقت کسی رقم کے حوالہ کی ضرورت ہوتی تھی تو اُس وقت ہزاروں پرچوں کی ورق گردانی کرنا ہوتی تھی جس سے بہت وقت ضائع ہوتا تھا۔ سب سے بڑا نقص یہ تھا کہ اگر کوئی افسر یا محاسب سرکاری رقم تغلب کرنا چاہتا تھا تو بے آسانی اُس پرچہ کو غائب کر دیتا۔ پہاڑ ڈالتا یا اُن کی جگہ دوسرے لکھ کر رکھ دیتا تھا۔

میں نے اس کام کے لئے کتابیں بنوائی ہیں جنکے پہلے صفحہ پر ہر صفحہ یا ورق کے نمبر درج ہوتے ہیں اور کتاب کی جلد میں میری مٹھی کجباتی ہے تاکہ بغیر مٹھی ٹٹے کوئی ورق کتاب سے نکل نہ سکے۔ ابتداءً بعض لوگوں نے مجھے دھوکا دیا اور کتابوں سے ورق پہاڑ لئے جسکی سزا میں اُن کی انگلیاں کاٹی گئیں۔ اب ہر شخص کتاب لیتے وقت پہلے صفحہ پر اپنے ہاتھ سے یہ لکھتا ہے کہ اگر وہ کتاب پہاڑے تو اُس کے ہاتھ قطع کئے جائیں

مندرجہ ذیل عہدہ دار کل سرکاری مداخل و مخارج کا حساب لکھتی  
ہیں اور ان کو ترتیب دیتے ہیں یہ عہدہ دار حسب ذیل دفاتر سے  
تعلق رکھتے ہیں۔

خزانہ - دفتر گورنر - دفاتر امور مذہبی - میونسپلٹی - و بورڈ آف ٹریڈ -  
کو توالی یا عدالتہائے فوجداری قافلہ باشی یا صدر افسر دفتر کاروان  
چوہتر یا کرو گیری - دفاتر مالگذاری سمت شمالی - جنوبی - مشرقی و  
مغربی - دفاتر پوسٹ، آفس - کل قسم کے کاغذ مہور فروخت کرنے  
کے دفاتر و دفاتر روزانہ اخراجات سرکاری - دفاتر تحویلات سرکاری  
ریکارڈ آفس یا دفتر شاہی جہان کل سرکاری کاغذات رہتے ہیں  
دفتر راہداری - دفتر روزنامچہ جہان کل احکامات کے نقول رہتے  
ہیں جو روپیہ دینے یا لینے کے لئے خزانہ پر جاری ہوں - دفتر  
حساب فہمی یا دفتر صدر محاسب جہان کل حسابات کا آخری تصفیہ  
ہوتا ہے - یہ دفتر دو کونسلوں کی نگرانی میں ہے - ایک کونسل

محاسبوں کی اور دوسری مثالوں کی جن پر فرض یہ ہے کہ تصحیح حسابات کی تصدیق کریں۔ ان محکموں کی جو شاخیں اضلاع میں ہیں ان کا پیل اول صدر دفتر کا بل میں ہوتا ہے جہاں میرا بڑا بیٹا حبیب! شہر اسپر تجویز لکھتا ہے بعد ازاں وہ تجاویز میرے پاس آتے ہیں۔ میرے اور ان دفاتر کے درمیان ایک اور دفتر بھی ہے جو میرے کورٹ سکرٹری کا دفتر کہلاتا ہے اور جس پر ایک چیف سکرٹری کی صدارت ہے۔

علاوہ ان دفاتر کے معتد فوج کا دفتر ہے۔ کمبریٹ آفس ہے۔ ناظر کا دفتر ہے (جو مطبع شاہی کا داروغہ ہے) درک شاپ کے دفاتر ہیں اور دفاتر امور عامہ وغیرہ ہیں۔

## عدالت ہائے دیوانی و فوجداری

کل محکمے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے عدالتی اختیارات بھی رکھتے

ہین اور اُن کے دائرہ حکومت بھی جدا جدا ہین۔ جن کا مرافعہ اُسی  
 سلسلہ میں کیا جاتا ہے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں اب اُسکے  
 اعادہ کی ضرورت نہیں مگر یہ ضرور کہو گنا کہ یہ عدالتیں اب ویسی نہیں  
 ہین جیسی میری تخت نشینی سے پہلے تھیں۔ بعض مقدمات میں  
 فیصلہ شرع محمدی کے مطابق ہوتا ہے مگر اُس میں بھی میری منظوری  
 لیجاتی ہے لیکن اور معاملات کے لئے ملک کے رواج اور  
 حالت کے لحاظ سے قانون میں ترمیم ہوئی ہے مثلاً پہلے  
 انسان کا خون بہاتین سزا روپیہ تھا۔ میں نے یہ قانون منسوخ کر کے  
 دوسرا نافذ کیا جسکی رو سے قاتل مقتول کے اعتراف و احتساب کے  
 بالکل اختیار میں ہوتا ہے اگر وہ اُس کو معاف کرنا چاہیں تو حجب بھی  
 سرکار کو اختیار شاہی باقی رہتا ہے کہ معاف کرے یا نہ کرے۔ اگر  
 سرکار اور مقتول کے دوست اور عزیز بھی اس کو معاف کر دیں تب  
 بھی اُسے اپنی جان بچانے کے لئے سات ہزار روپیہ جرمانہ دینا

ہوتا ہے۔ اگر وہ خود جرمانہ نہ دے سکتا ہو تو اس کے عزیزوں اور  
 دوستوں کو اجازت ہے کہ اس قدر روپیہ دیکر اس کی جان بچائیں۔  
 افغانستان کے قدیم رواج کے موافق ایک زوجہ اپنے شوہر کی  
 ملک خیال کیجاتی تھی بلکہ شوہر کے بہائیوں عزیزوں اور سارے  
 خاندان کی ملک ہو جاتی تھی۔ اگر اس کا شوہر مر گیا تو شوہر کے عزیز  
 قریب کو اس کے ساتھ بیوہ شادی کر نیکا اختیار حاصل تھا۔ یہ گویا ملک  
 کا قانون تھا۔ اگر کوئی بیوہ عورت بد قسمتی سے کسی خاندان کے  
 پالے پڑ گئی تو وہ ان سے پھر اس کی رہائی غیر ممکن تھی اس لئے کہ  
 بعد انتقال شوہر اس کو مان باپ کے گھر بھیجنے میں خاندان کی ہر غزلی  
 سمجھتے تھے۔ اس پر طرہ یہ تھا کہ اسے شرع محمدی کی پیروی کہتے  
 تھے حالانکہ یہ شرع شریف کے بالکل برعکس تھا۔ میں نے جو  
 قانون بنایا ہے یہ ہے کہ جو وقت شوہر مر جائے اس کی زوجہ  
 بالکل آزاد ہے اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی اسے کسی کے



ساتھ شادی کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ علاوہ اس کے میرے  
 قانون کے رو سے کوئی لڑکی جس کا عقد اُس کے والدین نے  
 آیام طفولیت میں کر دیا ہو سن بلوغ کو پہنچنے پر اُسے اختیار ہے  
 کہ اُس عقد کو منظور کرے یا نہ کرے۔ اور منظور کرنے کے بعد  
 بھی اگر شوہر ہیر جمی سے پیش آئے یا اُس کے اخراجات کا کفیل  
 نہ ہو تو وہ اُس پر نان و نفقہ کا دعویٰ کر سکتی ہے یا طلاق لے سکتی  
 ہے۔ اس کے علاوہ بعض بڑے بڑے خاندانوں میں یہ دستور  
 تھا کہ دامادوں سے اُن کی مرضی کے خلاف بڑھی بڑھی رقیبن  
 لکھواتے تھے جنکی ادائیگی ایک داماد تو کیا اُس کے سارے  
 خاندان کے امکان سے باہر تھی۔ مثلاً کوئی شخص جبکی ماہانہ آمدنی  
 دس روپیہ ہوتی تھی اُس سے یہ لکھوایا جاتا تھا کہ وہ اپنی بی بی کو  
 پانچ لاکھ روپیہ مہر دیگا اُس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ عدم ادائیگی کی صورت میں  
 اُس بیچارے کو غلامی کرنا ہوتی تھی۔ میں نے اس رواج کو بھی

منسوخ کیا اور یہ قرار دیا کہ خاندان شاہی کے شہزادوں کو ہزار روپیہ سے تین ہزار تک اور عوام کو تین مائے سو سے نو سو تک مہر دینا چاہیے۔ البتہ اگر کوئی شخص مستطیع ہو اور اس سے زیادہ دینا چاہے تو اسے اختیار ہے وہ دے سکتا ہے۔

قدیم کے مضحک طریقہ عدل و انصاف میں جو تغیرات عمل میں آئے ہیں اگر میں سب کی تفصیل بیان کروں تو اُسی کے لئے ایک کتاب ہو جائے۔ میں نے یہ طریقہ جاری کیا ہے کہ کل شادیوں و راجہ بستر ہوا کرین تاکہ آئندہ اُس کے ثبوت میں کوئی جھگڑا نہ ہو۔ اگر راجہ بستر کوئی ناجائز شادی یا جبریہ عقد درج رجسٹر کرے تو اسکو سخت سزا دی جائے۔

## صیغہ تعمیرات عامہ

میں نے اپنے زمانہ میں اس صیغہ کی طرف جتنی توجہ کی ہے پہلے

کبھی افغانستان میں نہیں ہوئی اس لئے کہ سارے ملک میں  
 ایک مکان بھی ایسا نہ تھا جو سنگی ہو یا پختہ کل مکانات مٹی کے  
 رہتے۔ سو اچند مقامات کے جہاں کچھ آثار قدیمہ نظر آتے تھے  
 قدیم شہر بلخ اور غزنی کی ٹوٹی ہوئی عمارتیں تھیں یا کابل میں قصر  
 بالاحصار اور چند مقبرے یا پانچ چھ مسجدیں اطراف و جوانب میں  
 پھیلی ہوئی تھیں۔ میں خوش ہوں کہ میرے وقت میں پختہ عمارتیں ملک کے  
 خاص خاص ضلعوں میں تعمیر ہوئیں اور سارے ملک میں وسیع سڑکیں بنیں اور  
 بن رہی ہیں جن میں خاص خاص سڑکیں یہ ہیں کابل سے بلخ تک ایک سڑک ہے  
 جو حدود دوسرے میں جاملی ہے۔ کابل سے ہرات تک اور ہرات سے قندھار  
 تک اور پھر قندھار سے غزنی ہوتی ہوئی کابل تک۔ دوسری سڑک  
 آئی ہے۔ یہ کابل سے حضرمات اور جلال آباد سے آسمار و  
 کافرستان تک ایک سڑک ہے۔ کابل سے مینگرون ہوتی  
 ہوئی پشاور کو ایک سڑک گئی ہے۔ یہ سڑک دشل برس میں تیار

ہوئی اور ہزار ہا آدمی اس کی تعمیر میں لگائے گئے۔ اس سڑک سے  
 بڑا فائدہ یہ ہے کہ مسافروں کو جلال آباد اور کابل کے درمیان  
 دشوار گزار کوہستانی راستے اور گھاٹیان طے کرنا نہیں پڑتی ہیں۔  
 ان کل سڑکوں اور پلوں کا سالانہ معائنہ کیا جاتا ہے اور مرمت ہوتی  
 رہتی ہے۔ اور سڑکوں کے دونوں جانب درخت لگائے  
 گئے ہیں جن اضلاع اور قریہ جات میں سے ہو کر یہ سڑکین گزری  
 ہیں وہاں کے باشندے ان سب سڑکوں اور درختوں کی حفاظت  
 کے ذمہ دار ہیں۔

اسی طرح ہر ایک گائون اور ضلع کے لوگ ان مسافروں اور  
 سپاہیوں کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں جن کے حدود میں سے وہ  
 گزریں۔ مثلاً اگر کسی گاؤں یا ضلع کے نواح میں کوئی مسافر مار ڈالا  
 جائے یا اُلٹ جائے تو وہاں کے لوگوں کو مجرم کا پتہ لگانا پڑتا ہے  
 نہیں تو اسے تکاب جرم کا خود ذمہ دار ہونا پڑتا ہے۔ اس انتظام سے

یہ فائدہ ہے کہ سارے ملک میں کہیں کوئی بد سماش و بداطوار آدمی  
 رہے نہین پاتا کیونکہ وہ جہاں جاتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے  
 افعال کے جوابدہ نہین ہو سکتے تم کو چاہیے کہ کسی اور طرف کا  
 راستہ لو۔ یہی وجہ ہے کہ میرے تمام ملک میں کل سڑکیں مسافروں کے  
 لئے اب بالکل محفوظ ہیں گو ان کی حفاظت کے لئے کوئی خاص  
 لوگ گورنمنٹ کے طرف سے تعینات نہین ہیں۔ میں فی الحقیقت  
 اپنے یہاں کی خفیہ پولیس اور دو سے مختلف انتظامات کی بہت  
 تعریف کرتا ہوں جن کی وجہ سے یہ دائمی خدشہ جو مسافروں اور  
 سپاہیوں کے لئے بہت دور ہوا۔

میں نے بعض خاص اضلاع کے گرد مستحکم قلعہ اور شہر بنائے ہیں  
 بھی تعمیر کرائی ہیں مثلاً قلعہ وہ دادی جو بلج کے قریب ہے اور جہاں  
 سے اس سڑک کی پوری مد نظر ہوتی ہے جو روس سے بلج کو  
 آتی ہے۔ یہ قلعہ بہت بڑا اور نہایت مستحکم ہے اور ایسا قلعہ

افغانستان میں کبھی نہیں تعمیر ہوا۔

میں نے اینڈنٹوں کے لئے پڑاوسے اور چونا پکانے کیلئے  
 بھٹیان قائم کی ہیں۔ کل عہدہ دار جنہوں نے صیغہ تعمیرات کو ترقی  
 دی بہت ہی تعریف کے قابل ہیں۔ ان میں سے میں چند عہدہ داروں  
 کے نام لکھتا ہوں۔ عبدالرحمن خان اور سیر۔ عبدالرحیم خان  
 اور سیر عبدالسبحان خان سرور۔ میر مراد مستند صیغہ تعمیرات۔ منشی نظیر  
 منشی محمد بخش جو اول گورنمنٹ پنجاب کے صدر نقشہ نویس تھے۔ بعد  
 ازاں میرے لازم ہوئے اور میری حب ہدایت بہت سے کابلی  
 نقشہ نویسوں کو نقشہ نویسی کا کام سکھا دیا۔

## صیغہ طبابت

اس صیغہ کی دو شاخیں ہیں۔ ایک قدیم جو یونانی کہلاتی ہے اور  
 دوسری ڈاکٹری جو یورپین طریقہ کے مطابق ہے۔ ہر ضلع میں پول

اور میٹری دونوں محکمہ کے لوگ ان دونوں قسم کے معالجین سے  
استعلاج کرتے ہیں۔ انگریزی دواؤں کے دواخانے جو اول  
اول افغانستان میں قائم ہوئے ہندوستانی ہسپتال سسٹم  
سے ڈاکٹر دایم خان و ڈاکٹر عبدالرحیم خان نے قائم کئے ان دونوں  
صاحبوں نے انگریزی ڈاکٹروں کے نیچے کام کیا تھا اور میری تخت  
نشینی کے بعد ہی وہ میرے ملازم ہوئے۔ بس یہی دواخانے  
ان ڈاکٹروں نے کھولے اُس کے بعد کئی سال تک کوئی دواخانہ  
قائم نہیں ہوا۔ چھادنیوں میں فوجی مریضوں کے لئے مہرکار کے  
طرف سے کہا نہ دوا وغیرہ مقرر ہے۔

پہلا شفاخانہ میرے شاہی ڈاکٹر مس ہلٹن ام۔ بی۔ نے  
۱۹۴۳ء میں قائم کیا ان میں صاحب کو چند مددگار اور ایک تعلیم یافتہ  
انگریزی نرس مسماۃ سیز ڈبلی سے بہت مدد ملی جنکو یہ میم صاحب  
انگلستان سے اپنے ساتھ لائی تھیں۔ علاوہ اس شفاخانہ کے جو ہاگ

انگریزی طرز پر چلتا تھا مس ہلٹن نے ٹیکا لگانا اور گوسالہ سے ٹیکا  
لگائے کے لئے لفت لگانا ہی شروع کیا۔ یہ چیز اطفال کیلئے  
گویا ایک برکت ثابت ہوئی۔ اس لئے کہ بہت سے بچے مرض چچک  
میں ضائع ہوتے تھے اور جو بچے جاتے تھے اُن کی صورتیں اس  
مہلک مرض کی وجہ سے بہت خراب ہو جاتی تھیں چند ایسی حکیم  
بھی مس ہلٹن کے سپرد کئے گئے تاکہ ٹیکا لگانا اور گوسالہ سے لفت  
نکالنا سیکھیں اور میرے حسب الحکم اس مضمون میں ایک رسالہ بھی لکھا  
گیا جسکی کا بیان میرے تمام ملک میں لوگوں کو تقسیم کی گئیں۔ میرے  
ممالک کے دور و دراز مقامات سے حکیم بائے گئے کہ مس ہلٹن کے  
بشاگردوں سے یہ کام سیکھیں۔ میرا ایک تجارتی ایجنٹ سٹریٹ  
کابل میں آکر سخت بیمار ہو گیا۔ مس ہلٹن نے اُس کا بہت اچھی طرح  
سے علاج کیا اور اُس لئے شفا پائی۔ اُس نے اپنی صحت یابی  
کے شکریہ میں ایک ہنگامی شفا خانہ کابل میں بالکل اپنے خرچ سے



کھولا۔

ان شفا خانوں سے جو فائدہ ہوا ہے اس سے مجھے قومی مفید ہے کہ تمام ملک میں ایسے شفا خانے پھیلین گے اور مریضوں کا علاج باقاعدہ اور تعلیم یافتہ ڈاکٹروں کے ہاتھ سے ہوگا۔ ایک اور خدمت کے متعلق مس ہلٹن کا پہر ذکر کیا جاتا ہے وہ یہ کہ ۱۹۵۵ء میں وہ میرے بیٹے نصر اللہ کے ساتھ اس کی ڈاکٹر ہو کر انگلستان گئیں اس وقت انہیں ملکہ مظفر وکٹوریا کی شرف ملازمت کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔

نوٹ۔ افغانی بھی مثل ہندوؤں کے دیسی حکیموں سے زیادہ یورپین ڈاکٹروں کا علاج پسند کرتے ہیں کچھ تو اسوجہ سے کہ دیسی دوائیں بے مزہ ہوتی ہیں اور کچھ اسلئے کہ دیسی علاج کیلئے بہت عرصہ درکار ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے مریضوں کو گوشت یا اور کوئی نفیل چیز کھانے کی ہدایت کیجاتی ہے اور کچھ یہ سبب ہے کہ افغان لوگ جدت پسند ہیں اور کسی نئی چیز کا علم حاصل کر نیلے بیٹے خواہشمند ہیں۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ لوگ مس ہلٹن کے پاس جا کر دوا مانگتے تھے اور جب وہ نہ پوچھتی تھیں کہ کیا شکایت ہے تو یہ جواب دیتے تھے کہ بالفعل کوئی شکایت نہیں مگر نشاید آئندہ پیدا ہو۔ یہ کیکر وہ دوا پی لیتے تھے اور چلے دیتے تھے۔

## معدنیات

افغانستان میں کانین اس کثرت سے ہیں کہ اُسے دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند ملک ہونا چاہیے تھا مگر بقول شخصے "جو جو ہری ہوا اسکو نزدیک الماس اور کاج و دونوں سادی ہیں۔" اُن عمدہ کانون سے نہ افغانستان کے کسی حکمران نے فائدہ اٹھایا نہ رعایا نے کچھ پایا۔ میرے زمانہ میں بہت سی کانین کہولی گئی ہیں۔ جن میں یا قوت لاجورد بد اخشی۔ سونا۔ چاندی۔ سیسہ۔ لوہا۔ تانبا۔ کونکہ۔ حجر الفتیلہ۔ پتھر نمک کی کانین ہیں میں ان کانون کے لئے مختلف اقسام کی کلین جمیع کر رہا ہوں۔ ایک انگریز معدنی انجینئر مسٹر ڈلٹن نے جلال آباد کی معدن یا قوت اور گھوڑ بند کے معدن سیسہ کے کام میں بہت مدد دی۔ میں اپنے بیٹوں اور جانشینوں پر یہ تاکید کرتا ہوں کہ کبھی کسی غیر ملکی کو ان معدنیات کا اجارہ نہ دیں اور نہ ان معدنیات

کا کام کسی غیر ملک کی کمپنی کو حوالہ کریں۔ وہ میری نصیحت کے خلاف  
 کریں گے تو بہت سی پیچیدگیوں میں پھسینگے اور غیر اقوام کو اس ملک  
 کے معاملات میں مداخلت کا ایک بہانہ ملیگا کیونکہ غیر اقوام کی طرح  
 روز بروز بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ میں اس کے متعلق کوئی مفصلی حال  
 لکھنا مناسب سمجھتا ہوں مگر بہت سی مثالیں دنیا میں ایسی ملینگی جہاں ایک  
 قومی سلطنت محض اپنی رعایا کے حفظ و حقوق کو پروردہ بنا کر ایک  
 کمزور ملک سے لڑی ہے جس نے اس کی رعایا کے ساتھ تعلقات  
 پیدا کئے تھے اور ملک کی بربادی کا باعث ہوئی۔ میرے لئے کون  
 اور جان نشینوں کے لئے یہ اشارہ کافی ہے۔ وہ کبھی غیر اقوام کو  
 مغالطہ میں نہ آئیں اُن کو چاہیے کہ اپنے ملک میں غیر ملکوں  
 کو کسی قسم کا اجارہ نہ دیں اور اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ کوئی  
 یورپین ملک میں بسنے نہ پائے جس وقت کوئی یورپین ملازم  
 یا کاریگر یا مظلوم اپنا کام ختم کر چکے اور دیسی لوگوں کو کام بخوبی آجائے

اور وہ اُس کی تعلیم کے محتاج نہ رہیں تب اس کو ہدایت ہو کہ پہر  
اپنے ملک کو واپس جائے۔

## محکمہ سیرٹ اور اسٹڈ کے گھوڑے

اگرچہ یہ ممکن ہے کہ جس وقت ضرورت ہو لڈ وٹو۔ اونٹ وغیرہ بکثرت  
کرایہ پر لے سکتے ہیں مگر نظر تقدیم بالمفظ و بنیال جز رسی میں سواری اور بار بردار  
کے لئے چوبیس ہزار سرکاری گھوڑے ہمیشہ تیار رکھتا ہوں اسکے  
علاوہ بہت سے ہاتھی۔ خچر اور اونٹ بھی ہیں۔ ہاتھی خاص کر نہاری  
توپوں کے اور سر مل کے انجنوں کے واسطے اور بڑی بڑی کلون  
کے کھینچنے کے لئے ہیں جسے اونٹ یا دوسرے جانور نہیں  
لیجا سکتے۔ بغرض افزائش نسل میرے اسٹڈ میں دو ہزار گھوڑیاں  
اور اتنی سائڈ بھی ہیں جن میں سے بعض انگریزی اسٹڈ کے ہیں  
بعض پرنس آف ویلز کے اصطل کے بعض عربی کہیت کے اور

بعض دیلر ترکمانی۔ ہندوستانی اور دو سر مقامات کے۔  
 ان گھوڑوں کے علاج وغیرہ کے لئے متعدد دمنسری سرجن مقرر  
 ہیں پہلے کچھ دیسی سلوتری بھی تھے مگر انہیں یورپین طریقہ کا  
 علاج نہ آتا تھا۔ اسوجہ سے مین نے ایک انگریز مسٹر کلیٹس کو اس  
 کام کے لئے نوکر رکھا۔ اس شخص نے گھوڑوں کا علاج افزائش  
 نسل و آب کی نگہ رانی اچھی طرح کی اور افغانستان کے بیس  
 نوجوانوں کو اپنا فن سکھا دیا۔ یہ شخص چند انگریزی ہسپتال اپنے  
 ساتھ لایا تھا مین نے ان میں اور بہت سی اسٹریلین ہسپتال  
 خرید کر ملاوین تاکہ افغانستان میں پشیمینہ کی تجارت کو ترقی ہو جس سے  
 ملک کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ وصول ہوا کرتا ہے۔

## تعلیمات

مین نے اپنے خاندان و ملازمین و خدمتیاں و اساری و اہل فوج

و عہدہ داران ملک کے بچوں اور تمام رعایا کی تعلیم کے لئے بہت سے مدرسے جاری کئے ہیں۔ اس کے علاوہ خود لوگوں نے بھی اپنے ذاتی خرچ سے اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے ہر جگہ مدرسے کھولے ہیں۔ ہر عہدہ دار کو (اس کے فرائض کچھ بھی ہوں) امتحان دینا امر لازمی ہے یہاں تک کہ ملاؤں اور مذہبی پیشواؤں کو جو پہلے اپنے تئیں نبی سمجھتے تھے بغیر امتحان دئے کوئی جگہ نہیں مل سکتی۔ نہ واعظ کہنے کے مجاز ہوتے ہیں۔ جب انہیں مجلس ممتحنین سے کامیابی کی سند مل جاتی ہے تب خدمت کے قابل سمجھے جاتے ہیں۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ ہر پیشہ اور حرفہ کی تعلیم ہوتی ہے اب اُسکے تفصیلی اعادہ کی ضرورت نہیں۔ میرے بڑے بیٹے نے زبان انگریزی۔ علم تاریخ۔ علم جغرافیہ۔ علم ریاضی مصوری۔ علم پائیش اور علم ہیئت تحصیل کیا ہے۔

## تجارت و حرفت

علاوہ قدیم طرقِ تجارت کے جو میرے ملک میں جا بجا رائج تھے  
 میں نے اس صیغہ کی ترقی کی طرف بہت توجہ کی اور اب بھی میں  
 سخت کوشش کر رہا ہوں کہ جس طرح ہو سکے تجارت کی حالت  
 درست ہو۔ اس لئے کہ ملک کے دولتمند ہونے کا یہی ایک بڑا  
 ذریعہ ہے۔ قدیم زمانہ میں صد ہا قسم کا مال غیر ملکوں سے افغانستان  
 میں آتا تھا اور فروخت ہوتا تھا۔ اب وہی مال کابل میں بنتا ہے  
 اور وہی روپیہ دوبارہ سہ بارہ پہر اسی میں لگایا جاسکتا ہے۔ منجملہ اُن  
 چیزوں تکے جو باہر سے یہاں آتی تھیں ایک مقدار کثیر نمک کی تھی۔  
 میں نے حکم دیا ہے کہ ہرگز نمک باہر سے یہاں نہ آنے پائے  
 اور لوگوں کو تاکید ہے کہ ملک ہی کا کافی نمک خرید کر میں جو یہاں  
 کی کانوں سے نکلتا ہے۔ کثرت سے استراخانی پوشین۔ یا قوت

سونٹا لاجورو بد اخشی بہت قسم کے میوے۔ اون۔ گھوڑے۔ مکان  
 بنانے کی لکڑی۔ اینون۔ دوایکین میرے ملک سے باہر جاتی  
 ہیں اور ان کا روپیہ ملک میں آتا ہے۔

صبغہ زراعت میں بڑی ترقی ہوئی ہے۔ میری تخت نشینی سے  
 پہلے کہیں ترکاریوں کا نام تک نہ تھا۔ اب ہر قسم کے پہل اور  
 ترکاری ہوتی ہے۔ میں نے قندہار و گلخان کے اضلاع میں نیشکر  
 کی کاشت جاری کی ہے۔ کیلے اور سنگمڑے وغیرہ کے درخت  
 ہندوستان سے منگائے ہیں۔

پہلے جو کچھ تجارت افغانستان میں ہوتی تھی وہ بھی غیر ملکوں  
 کے ہاتھ میں تھی یعنی ہندی مسلمان اور ہندو اُسے کرتے تھے۔  
 اُس سے ملک اور زیادہ مفلس ہوتا جاتا تھا کیونکہ جو کچھ روپیہ  
 یہ لوگ تجارت میں پیدا کرتے تھے سب اپنے وطن کو بھیجتے تھے  
 اب میں نے اپنے لوگوں کو تجارت کی طرف مائل کیا ہے اور



انہیں اس کام کے لئے سرکاری خزانہ سے بلا سودی روپیہ قرض  
 دیتا ہوں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اس روپیہ سے کوئی نفع  
 نہیں ہوتا۔ میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ کسی کو مفت روپیہ دیدوں  
 میں جانتا ہوں کہ اس روپیہ سے مجھے دوچند نفع حاصل ہوتا ہے  
 اول تو کل مال پر ڈھائی روپیہ سیکڑہ جنگی کا حصول وصول ہوتا ہے  
 جو معمولی شرح سود سے زیادہ ہے۔ علاوہ اس کے وہی روپیہ  
 (جو میں نے دیا ہے) سال میں کئی دفع تجارتی مال کی صورت میں  
 آتا جاتا رہتا ہے اور ہر دفعہ اُس سے جنگی وصول ہوتی ہے۔ دوسرا  
 نفع یہ ہے کہ میری رعایا آسودگی سے بسر اوقات کرتی ہے اور اسطرح  
 مشغول رہتی ہے اسے بیدل ہونے یا بلوہ کرنے کا خیال نہیں آتا۔  
 بسبیل تذکرہ میں یہ کہتا چاہتا ہوں کہ مہات سلطنت میں اسقدر  
 مشغول ہونے پر بھی میں جزئیات کو فرو گذاشت نہیں کرتا تاہنیکہ  
 میں نے ایک انگریز مسٹر رچرڈ سے پیا نورست کرنا سیکھ لیا

بعد ازاں مین نے بعض لوگوں کو بھی سکھا دیا۔ مین نے ایک قسم کی سندھی مرغ اور مرغیان خریدین اور اول خود ان کے بچے کھالے بعد ازاں اور لوگوں میں بھی اس قسم کی مرغیوں کا پالنا جاری کرانیا۔

مین نے صد ہا قسم کے اسٹامپ و نقشہ جات تہہ متک پر امیسری نوٹ۔ عقد نامے اور راہداری کے پروانے جاری کئے ہیں جس سے ملک کی آمدنی بڑھی ہے میرے زمانہ سے پہلے افغانستان میں کوئی ان چیزوں کا نام بھی نہ جانتا تھا۔

مگر میرے ملک کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ وہ بیشمار کارخانہ جات صنعت و حرفت و معدنیات ہیں جو مین نے جاری کئے ہیں۔ فوجی معاملات کے بعد مین اپنی زندگی کا بڑا حصہ ان تجارتی معاملات میں صرف کرتا ہوں میرے اکثر عہدہ دار جو اپنے تئیں بڑا عقلمند سمجھتے ہیں مجھے ہمیشہ یہ رائے دیتے رہتے ہیں کہ ملک میں ریل اور تار جاری

کروں اسلئے کہ بغیر اس کے معدنیات اور دوسری پیداوار ملک  
 سے پورا فائدہ اٹھانا غیر ممکن ہے۔ لیکن مین پہر اپنے بیٹن  
 اور جانشینوں کو یہی نصیحت کرونگا کہ ان لوگوں کی رائے پر  
 ہرگز عمل نہ کریں اور اس مین شک ہنن مین جانتا ہوں کہ جو کچھ  
 وہ کہتے ہیں سچ ہے مگر اس کے ساتھ ہی وہ لوگ اس بات کا  
 خیال ہنن کرتے کہ اگر میرے ملک مین آمدورفت کے ذرائع  
 آسان ہو جائیں گے تو غیر سلطنتوں کے لوگوں کو میرے ملک  
 مین آنا اور ملک مین پھیلنا چندان دشوار نہ ہوگا۔ افغانستان کی سب  
 سے بڑی پہناہ اس کا نامکن التسخیر قدرتی موقع ہے۔ اللہ تعالیٰ  
 نے ہمارے لئے ہر پہاڑ کی چوٹی کو ایک قدرتی قلعہ بنایا ہے  
 اور غیر سلطنتیں خوب جانتی ہیں کہ افغان خلعتی سپاہی ہیں اور جب تک  
 انہیں پہاڑیوں کی آرٹ ملے اور میدان مین غنیمت کا مقابلہ کرتا نہ ہو وہ  
 ہمیشہ لڑ سکتے ہیں اور لڑائی جاری رکھ سکتے ہیں۔ اس مین شک

ہنہیں کہ ایک دن آئیگا جب ریل اور تار بہت مفید ہونگے اور ملک میں جاری کئے جائیں گے مگر وہ دن تب آئے گا۔ جب ہمارے پاس ایک بڑی فوج ہو جو ہمارے ہمسایوں کا مقابلہ کر سکے لیکن جب تک ہم اتنے قوی نہ ہولیں کہ کسی کے پرواہ نہ کریں۔ اُس وقت تک ہمو چاہیے کہ اپنے پہاڑی ملک کی قوت کو اپنی باتوں سے کمزور نہ کریں۔ ہمو چاہیے کہ دیسی غلطی نہ کریں۔ جو ایک شخص نے کی تھی جسکے پاس ایک مرغی سوئیکا انڈا دیتی تھی مگر اُس نے اس لالچ سے کہ کل انڈے ایکدم ملجائیں اُسے مار ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسے کچھ نہ ملا اور روز کا انڈا بھی ہاتھ سے گیا۔

## پوسٹ آفس

میری تخت نشینی سے پہلے برائے نام اس محکمہ کا وجود نہ تھا۔ ڈاک کے لئے کابل سے پشاور تک صرف ایک سڑک تھی اور خطوط کو

آنے جانے میں جو عرصہ لگتا تھا وہ بہت زیادہ تھا علاوہ اسکے  
خطوط کی حفاظت کا یقین نہ تھا۔ اب پوسٹ آفس کے لئے بہت  
معتول انتظام کیا گیا ہے۔ میسے ریل کے ہر قصبہ میں پوسٹ آفس  
ہے۔ خطوط اربعہ روز جلد پہنچتے ہیں کہ ہندوستان سے کابل تک خطوط  
کے آنے میں صرف چونتیس گھنٹے صرف ہوتے ہیں اور متعدد ہر کارہ  
میں ہیں جو گرد و نواح کے شہروں میں۔ روس ایران۔ چین۔ اور  
ہندوستان کو ڈاک لیجاتے ہیں۔ خطوط کی رجسٹری ہوتی ہے  
رسید لیجاتی ہے اور اطلاع دیجاتی ہے پارسل بھیجے جاتے ہیں۔  
منے آرڈر وغیرہ بھی جاری ہوتے ہیں غرض کہ یہ کل چیزیں بالکل مکمل  
ہیں اور ہندوستان کے پوسٹ آفس کے طریقہ پر جاری ہیں۔  
اس سے جو کچھ آمدنی ہوتی ہے وہ اسی محکمہ کے اخراجات میں صرف  
لیجاتی ہے۔

# بانتھام

## میری روزانہ زندگی کے بعض تفصیلی حالات

بچپن سے اب تک میرا طرز معاشرت ایشیا کے تمام شہنشاہوں اور حکمرانوں کے طرز معاشرت سے بالکل برعکس رہا ہے۔ وہ لوگ عموماً عیش و کراہی میں مبتلا ہیں۔ بلکہ امر کا یہ خیال ہے کہ اگر کوئی بادشاہ پیدل چلے یا اپنے ہاتھ سے کچھ کام کرے تو اس کی شان جاتی ہے۔ میرے نزدیک اس سے بڑھ کر

کوئی گناہ نہیں کہ ہم اپنے دماغ اور اپنے ہاتھ پیروں کو بیکار رکھیں اور کچھ کام نہ کریں۔ یہ گویا کھزانہ نعمت ہے۔ ناظرین کتاب میرے حالات پڑھ کر خود فیصلہ کر لیں کہ میں ساری عمر پورا سپاہی رہا یا نہیں اور میں نے غالباً ایک معمولی مزدور یا کاریگر سے بھی زیادہ جفاکشی کے ساتھ کام کیا یا نہیں۔ میرا طرز معاشرت اور لباس ہمیشہ سادہ اور سپاہیانہ رہا۔ میں نے ہمیشہ شب و روز کسی نہ کسی کام میں اپنے تئیں مشغول رکھا اور چند گھنٹے سے زیادہ نہیں سویا۔ چونکہ عادت بھی انسان کی دوسری فطرت ہو جاتی ہے۔ اب یہ امر میری فطرت میں داخل ہو گیا ہے اگر میں بہت شدید بیمار بھی ہوتا ہوں یہاں تک کہ اپنے پلنگ سے حرکت نہ کر سکوں تب بھی میں جب معمول کام میں مصروف رہتا ہوں اور سرکاری کاغذات کو پڑھتا ہوں اونپر حکم لکھتا ہوں رعایا کے استغاثوں کو سنتا ہوں اون کا فیصلہ کرتا ہوں

جن لوگوں نے مجھے ایسی حالت میں کام کرتے ہوئے دیکھا  
 وہ جانتے ہیں کہ میں کیسا جفاکش ہوں۔ ادھون نے مجھے  
 بارہا یہ کہتے سنا ہے کہ اگر میرے ہاتھ پیر جواب دیدین گے  
 تب بھی میں کام کرنا نہ چھوڑوں گا۔ اور جو لوگ میرے قریب  
 ہونگے ادھنیں زبانِ حکم دوں گا کہ کیا کرنا چاہیے۔ مجھے کام کرنے  
 سے تکلیف نہیں ہوتی بلکہ مجھے کام سے عشق ہے اور میں  
 کبھی تھکتا نہیں کیونکہ محنت سے مانوس ہوں۔ دنیا میں ہر شخص کوئی  
 نہ کوئی ہو اس رکھتا ہے۔ مجھے کام کی ہوس ہے۔ جو کچھ میں محنت  
 کرتا ہوں وہ محض اس لئے ہے کہ اپنے ملک کا انتظام پورا کر دوں  
 ایک شاعر کہتا ہے ۵

نگہ نیاز کسے تاند ہر شخصت یار	کام بہت نتواند کہ ہند عاشق زار
-------------------------------	--------------------------------

یہ کام کا شوق خدا کی دین سے میری ساری آرزو اور ولی  
 تمنا یہ ہے کہ اوس مخلوق کی حفاظت کروں جو خدا نے اس



اس ناچیز بندہ کے سپرد کی ہے۔ خدا قرآن میں فرماتا ہے۔  
 واذا اردنا ان نهلك قرية امرنا متريفيها ففسقوا فيها  
 فحق عليها القول فدمرناها تدميرا۔ ترجمہ حبیب خدا کوئی  
 کام کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے کوئی ضروری سامان بھی مہیا  
 کر دیتا ہے۔

چونکہ خدا کو منظور رہتا کہ افغانستان اندرونی جھگڑوں سے اور  
 بیرونی حملوں سے محفوظ رہے اس لئے اس ناچیز بندہ کو اوپر  
 مسلط کیا اور میرے خیالات کو قوم کی بہبودی کی طرف مایل  
 کیا اور میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس قوم کو ترقی دینے میں  
 مشغول رہوں اور ان کی بہبودی اور نبی برحق محمد کے دین  
 حق کے لئے اپنی جان تک فدا کروں۔

میں جس قدر زیادہ اور قوموں اور دوسرے مذاہب کو جلد ترقی  
 کرتے ہوئے دیکھتا ہوں میری نیند حرام ہو جاتی ہے اور مجھے

چین نہیں پڑتا۔ تمام دن میں یہ سوختا رہتا ہوں کہ کس طرح  
 ان تیز رفتار اقوام کا مقابلہ کر سکوں گا رات کو عالم رویا میں خواب  
 بھی یہی دیکھتا ہوں۔ ایک مثل مشہور ہے کہ بی کو خواب میں  
 صرف چوہے ہی نظر آتے ہیں اسی طرح مجھے بھی خواب میں بجنر  
 اس کے اور کچھ نہیں دکھائی دیتا کہ میرے ملک کی حالت کیسی  
 خطرناک ہے۔ کس طرح اس کی حفاظت کروں میں دیکھتا ہوں  
 کہ یہ بیچارہ گوسفند (افغانستان) ایک ٹکڑے جیسے ایک طرف  
 سے ایک شیر اور دوسرے جانب سے ایک خوفناک ریچھ تاک  
 لگائے ہے اور موقع کا منتظر ہے کہ اسے ہضم کر جائے۔ میرے  
 اہل دربار کو معلوم ہے کہ مسئلہ حدود افغانستان چھڑنے کے  
 چند سال قبل میں نے ایک خواب دیکھا تھا جو طبع ہو کر تمام ملک  
 میں شائع کیا گیا۔ اس خواب کا خلاصہ مضمون یہ تھا کہ میں اپنی وفات  
 سے پہلے افغانستان کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط دیوار

بنا جاؤنگا۔ بتجھیں نے اس خواب کی تعبیر یہ بیان کی کہ افغانستان  
 کے حدود میں اس طرح قائم کر جاؤں گا کہ ہمیشہ کے لئے  
 ہمسایوں کی پیش قدمی رک جائیگی۔ جو سال بہ سال آہستہ آہستہ بڑھتے  
 چلے آتے ہیں۔

مثلاً اس خواب کے میرے اور بہرے کے خواب جو میں اپنے  
 اہل دربار سے بیان کر چکا ہوں صحیح ہوئے۔ ادھون نے دیکھ لیا  
 کہ افغانستان کی حدود قائم ہو گئے اور میں اب تک زندہ ہوں  
 گو اس بات سے اون لوگوں کو بہت ہی سہجے جو میری موت کے  
 خواہاں ہیں اور ہر ہفتہ میں میرے مرنے کی جھونٹی خبر اور پایا کرتے  
 ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص اتنی دفع مرا ہوگا جتنی مرتبہ کہ میں  
 اونکے خیال میں مر چکا ہوں۔

یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر زیادہ میں محنت کرتا ہوں تھکنے  
 کے بدلے اتنا ہی کام کر نیکا اشتیاق بڑھتا ہے۔ سچ ہے جو چیز

انسان کہانیز کا عادی ہوتا ہے اسی سے یہ کھ بڑھتی ہے۔

جو لوگ میری روزمرہ زندگی کا کچھ تفصیلی حال سُننا چاہتے  
ہیں اور بھین میں یہ سنانا چاہتا ہوں کہ میرے سونے یا کھانے کا  
کوئی وقت معین نہیں ہے۔ بار بار ایسا ہوتا ہے کہ کھانا میرے  
سامنے میز پر پھردن رکھا رہتا ہے اور میں اپنی فکر میں ایسا  
غرق ہوتا ہوں کہ بالکل اسے بھول جاتا ہوں میں جب ترقی کے  
ذریعوں کو اور امور سلطنت کے تدبیروں کو سوچتا ہوں تو اپنے  
خیالات میں ایسا محو ہوتا ہوں کہ مجھے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ میری  
حضور میں کون لوگ موجود ہیں۔

اکثر راتوں کو میں پڑھا کرتا ہوں اور خطوں کے جواب لکھتا  
ہوں اور جب تک رات گزر کر صبح نہ ہو لے سر نہیں اٹھاتا۔ میرا  
حال بعینہ اوس عاشق کا سا ہے جو مشرق میں مجنون کے نام  
سے مشہور ہے۔ وہ ایک عورت لیلی کے عشق میں ایسا غرق ہوتا

کہ ایک دن لیل کا کتا دیکھ کر اوسکے پیچھے پیچھے ہو لیا اور اوسے  
 نہ مسجد معلوم ہوئی اور نہ وہ لوگ جو وہاں نماز پڑھ رہے تھے جب  
 امام مسجد نے اوس سے اس بے ادبی کیوجہ پوچھی تو اوسنے  
 یہ جواب دیا کہ میں اس کتے کے عشق میں ایسا غرق تھا کہ مجھ پر  
 مسجد یا نمازی مطلق نظر نہ آئے۔ جتنی اوسے کتے سے محبت  
 تھی اتنی اونہیں اپنے خدا سے نہ تھی اس لئے کہ اون کی  
 خیالات اوس شخص کی طرف اور اوس کتے کی طرف مشغول تھے  
 پھر ایسی نمازون کی کیا عظمت ہو سکتی ہے۔

میرے ڈاکٹر اور طبیب مجھ سے کہتے ہیں کہ میری ساری  
 بیماریوں کا سبب یہی بے قراری ہے کہ بہت محنت کرتا ہوں اور  
 اوقات معینہ پر کہا ناہنہیں لکھتا۔ میں اونہیں یہ جواب دیتا ہوں  
 کہ عشق اور منطلق کبھی متفق نہین ہو سکتے۔ چونکہ میں اپنی قوم کی  
 فلاح و بہبودی کا عاشق ہوں مجھے بجز اپنی قوم کے صنف اور

تکلیف کے اپنی تکلیف نہیں محسوس ہوتی اور میں اون کی تکلیف  
اٹھا نہیں سکتا پس جو لوگ عشق کے مزے سے نا آشنا ہیں  
وہ عاشقوں کی تکلیف کیا جانیں۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ۵

ہست مہر عشاق را در کار خود لذت بزرگ	اگر دپائے گو سفندان تو تیا و چشم گرگ
-------------------------------------	--------------------------------------

چنانچہ افغانستان کی بہبودی میں جون جون میں ترقی کے  
آثار دیکھتا ہوں اوتنا ہی اور زیادہ سرگرم ہوتا ہوں جس طرح کوئی  
عاشق اپنے معشوق کے پاؤں کے نشان پا کر آگے چلنے  
کو اور زیادہ آباد ہوتا ہے۔ میری یہ دعا ہے کہ خدا یا میری مدد کر  
تاکہ میں اپنے فرض کو جس کے لئے تو نے مجھے منتخب کیا ہے  
پورا کر سکوں۔ اکثر میں اپنے لوگوں کی بیہودگیوں سے مایوس  
ہو جاتا ہوں جو ہمیشہ لڑتے جھگڑتے ہیں اور ایک دوسرے  
کے خلاف سازش کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور مجھ سے

ایک دوسرے کی جھوٹی شکایتیں کیا کرتے ہیں۔ مجھے ان چیزوں کی تحقیقات کرنی پڑتی ہے جس میں میرا بہت قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے۔ میں جتنا رتی کے قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کرتا ہوں اور تناوہ مجھے اور پیچھے کھینچتے ہیں۔ بعض اوقات میں اون کی حرکتوں سے عاجز آجاتا ہوں۔ اور یہ خیال کرتا ہوں کہ اون کی حالت بدلنی ناممکن ہے۔ اون کی سازشیں لا علاج ہیں اور یہ محال ہے کہ وہ کبھی اس درجہ پر پہنچ سکیں جو بلحاظ قوت و خصائل انسانی انہیں اپنے ہمسایوں کا ہم پلہ بنا بعض وقت میں یہ سوچتا ہوں کہ میرے لئے بہتر ہوگا اگر میں اس دائمی تشویش اور افکار کی زندگی سے کنارہ کش ہو جاؤں اور کہیں گوشہ عافیت میں اپنی زندگی بسر کروں اور ان لوگوں کو یونہی ان کے حال پر چھوڑ دوں تاکہ وہ اپس میں لڑا کر تباہ و برباد ہو جائیں۔ مگر یہ نہایت نامردی کی بات ہے اور

اون فرایض کے ادا کرنے سے گویا صبر بھی انکار ہو گا جس کے لئے خداوند عالم نے مجھے خلق کر کے معین کیا ہے میری رائے میں ایک سچے عاشق کو کبھی اون دشواریوں سے ہوا و سے پیش آئیں موانہ نہیں پہرنا چاہیئے بلکہ اپنے معشوق کے ناز اور جور کو مزہ لیکر اٹھانا چاہیئے۔ عاشق کی تکلیفیں عشق کی لذتیں ہیں۔ کوئی رئیس قوم تشویشوں سے اور دشواریوں سے ہمت نہیں ہارتا بلکہ یہ چیزیں اوس کے لئے مہمیز کا کام دیتی ہیں۔ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں میرے کام کے لئے کوئی وقت معین نہیں ہے۔ میں صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک مثل ایک مزدور کے کام کرتا رہتا ہوں۔ جب ہو کھ لگتی ہے کہانا کہا لیتا ہوں۔ بلکہ مجھے یاد ہے کہ کئی کئی دن بغیر کھائے گزر جاتے ہیں۔ کہانا ہی بالکل بھول جاتا ہوں۔ اور دفعتاً کام سے سر اٹھا کر حاضرین دربار سے پوچھتا ہوں کہ



آج میں نے کہا نا کھا یا یا نہیں۔ اس طرح جب تھک جاتا ہوں سو رہتا ہوں اور اسی جگہ سو جاتا ہوں جو میرے کام کرنے کی کرسی ہے۔ مجھے نہ کسی خوابگاہ کی ضرورت ہے اور نہ کسی تخلیہ یا ملاقات کیلئے کسی خاص کمرے کی۔ یوں میرے قصر میں ایک کمرے سے متعدد دہن مگر مجھے اتنی فرصت نہیں کہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جاؤں۔ البتہ میں کبھی کبھی شام کو اپنے حرم سرا میں جانا پسند کرتا ہوں کہ مجھے دیکھ کے سب خوش ہوتے ہیں۔ مگر میں عدیم الفرصت ایسا ہوں کہ گاہے گاہے وہاں جانا ہو سکتا ہے۔

میں اور پر بیان کر چکا ہوں کہ میرے کمانے یا دوسرے ضروریات زندگی کے لئے کوئی وقت معین نہیں ہے۔ عموماً میں علی الصباح پانچ یا چھ بجے سوتا ہوں اور دو بجے سہ پہر کو اٹھ کر بیٹھتا ہوں جب تک میں سونے کے لئے پلنگ پر لیٹا رہتا ہوں میری

نیند ہر گھنٹے میں اُچاٹ ہوتی رہے اور میں اپنے ملک کی حالت  
 اور تدابیر اصلاح و ترقی کو سوچتا رہتا ہوں اور اسکے بعد پھر سو جاتا ہوں۔  
 سہ پہر کو دوا درتین کے درمیان بیدار ہوتا ہوں۔ اس وقت اول  
 ڈاکٹر اور طبیب باریاب ہوتے ہیں۔ وہ مجھے دیکھتے ہیں اگر  
 کسی دوا کی ضرورت ہوتی رہے تو دوا دیتے ہیں۔ بعد ازاں خیاط  
 آتا ہے اور اپنے ساتھ یورپین وضع کے چند سادے کپڑے  
 لاتا ہے۔ میں اُن میں سے اس دن کے لئے ایک جوڑا پسند  
 کر لیتا ہوں۔ تب مہنہ ہاتھ دھو کر میں لباس پہنتا ہوں اس وقت  
 چار خانہ والا چار اور کچھ مختصر کھانے کی چیزیں لیکر حاضر ہوتا ہے  
 مگر اس عرصہ میں یعنی طبیبوں کی باریابی کے وقت سے چار خورمی  
 تک عرض بیگی مہتین۔ ناظر (مہر بردار) اور دو ایک اور عہدہ دار  
 میری صورت تنکے رہتے ہیں اور اپنے دل میں گویا یہ کہتے  
 ہیں کہ کسی طرح جلد ختم کیجئے تاکہ ہم اپنا کام پیش کریں۔ میں اون لوگوں کو

اس بات کا الزام نہیں دیتا کیونکہ معتمدین کو دوسروں کے کل کاغذات اور کل خطوط پیش کر کے جواب لینا ہوتا ہے۔ اور ناظر کو کل سرکاری احکامات پر جو گورنمنٹ کے روزانہ اخراجات کی بابت ہوں مہر کرنا پڑتا ہے اور محکمہ مخبری کی کل رپوٹیں جو میرے سونے کے وقت سے اس وقت تک آئی ہوں پیش کرنا ہوتی ہیں۔ عرض بیگی کا یہ کام ہے کہ صدی آدمیوں کو پیش کرتا ہے جن کے مقدمات یا مرافعہ میرے سامنے پیش ہیں یا جو بعض خدمتوں اور کاموں پر مقرر ہونے والے ہیں۔ جو ابھی میں چار سے فارغ ہوتا ہوں سب عہدہ دار اور میرے لڑکے۔ اور خانگی ملازم اپنے مختلف کاموں کے متعلق میرا حکم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔ مثل پیش خدمت ہاشی جن کی تعداد سیکڑوں تک ہے اور محکمہ مخبری کے لوگ ہاتھوں میں خطائے ہوئے آموچہ ہوتے ہیں۔ یہ خطوط کسی نہ کسی ستم رسیدہ کی عرضی ہوتی ہیں۔

جو مجھ سے داد چاہتا ہے۔ اسطرح اتنے لوگوں کا ہجوم مجھے  
 گھیرے رہتا ہے جو اپنے کام کی طرف مجھے متوجہ کرنا چاہتے  
 ہیں اور مجھے اور زیادہ کام دیکر اپنی سرگرمی دکھاتے ہیں۔ جنہاں  
 کام کرتا ہوں اوس کا دسواں حصہ بھی کیسکو نہیں کرنا ہوتا۔ مین بائچ  
 یا چھ بجے صبح تک برابر کام کرتا رہتا ہوں اور پھر اوسی طرح سو رہتا  
 ہوں صرف چند منٹ کہانے مین صرف کرتا ہوں۔ اوس وقت  
 بھی میرے اہل دربار مجھ سے کچھ نہ کچھ پوچھتے رہتے ہیں۔ اور  
 حقیقت امر یہ ہے کہ مجھ کو کبھی وقت چین نصیب نہیں۔  
 ۱۹۹۱ء سے جب مین نے اپنے بیٹے حبیب اللہ خان  
 کو اپنے بدلے دربار عام کرنے کا اختیار دیا ہے جو کام کہ مین  
 خود کرتا ہوں اور ہر روز دیکھتا ہوں۔ وہ حب ذیل ہے۔

(۱) امور متعلق فارن آفس (۲) محکمہ مخبری

(۳) امور متعلق پولیٹیکل (۴) خزانہ

(۵) مجرمین جو بغاوت میں یا اور جرایم میں ماخوذ ہوں۔

(۶) گورنروں کی عدالت ہائے ماتحت اور حبیب اللہ کی صدر عدالت کے مرافقہ۔

(۷) کل قسم کا سامان جنگ تیار کرنے اور کارخانوں کے لئے ضروری چیزیں خریدنے کے متعلق احکام۔

(۸) نئی عدالتوں کی تعمیر اور ملکی قانون میں ترمیم و اصلاح۔

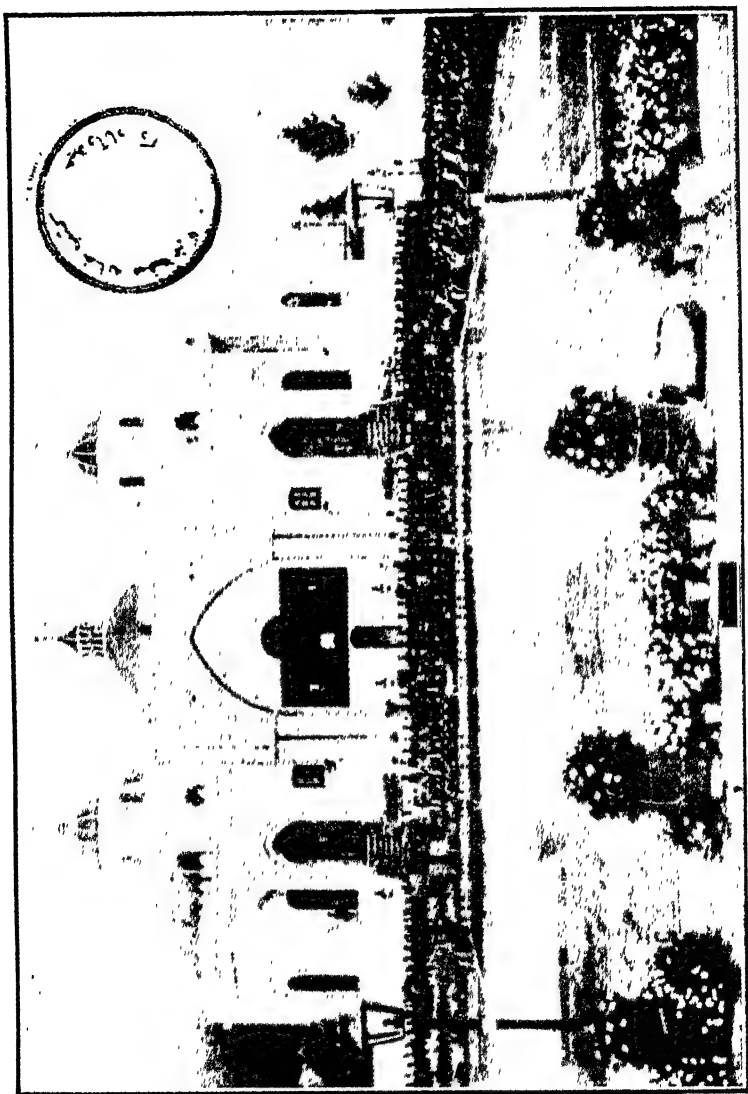
(۹) اپنے بیٹے اور عہدہ داروں کو ہدایتیں کرنا۔

(۱۰) اپنے خانگی معاملات اور کل غیر ملک کے شاہزادوں اور سرداروں کے معاملات جو میرے یہاں پناہ گزین ہیں۔

(۱۱) حمالوں اور عہدہ داروں اور پیش خدمتوں کے معاملات۔

اہل دربار جو لوگ ہمیشہ میرے پاس بیداری کے وقت سے سونے تک حاضر رہتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

مستدین۔ عرض یگی۔ ناظر۔ سرکردہ محکمہ مخبری۔ داروغہ مطبعت شاہی





جو عراض میرے ملاحظہ میں لاتا ہے۔ اس خدمت سے بڑھ کر  
 کوئی معزز اور معتبر خدمت نہیں۔ جو شخص اب اس کام پر معین  
 ہے اور کا نام صفر خان ہے۔ برٹش ایجنٹ کے خطوط بھی  
 اسی کے ذریعہ سے آتے ہیں۔ ایک حکیم ایک ڈاکٹر ایک  
 سرجن ایک دوا ساز۔ باڈمی گارڈ کے دو تین افسر جو علاوہ افسری  
 کے جب تک میرے دربار میں حاضر رہتے ہیں۔ جلا د کا کام  
 بھی کرتے ہیں۔ چند مکاندار چند پیش خدمت باشتی (جو خاصہ  
 کہلاتے ہیں) میوہ خانہ والا۔ چائے خانہ والا (جو امیر اور اہل دربار  
 کو چائے تقسیم کرتا ہے) آپ خاصہ والا۔ سقا۔ خانہ اور سائیس۔  
 خزانچی حیب خاص۔ داروغہ سلاح خانہ وغیرہ۔ قلیان بردار چند  
 فراسش۔ چند خیاط و خدمت گار۔ ایک کتب خانہ کا مہتمم۔ چند  
 دربان اور منجم۔ عرض کی۔ چو بدار۔ میرا خور۔ علاوہ ان لوگوں  
 کے حسب ذیل لوگ دربار کے قریب رہتے ہیں اور جب



ضرورت ہو بلائے جاتے ہیں شطرنج اور بگلیں کیلئے والے۔  
 چند مصاحب ایک داستان گو اور ایک کتاب خوان بعض  
 عہدہ دار جو دن کو اپنی رپوٹیں پیش کرتے ہیں۔ میں انہیں  
 شام کو بھی جب وہ اپنے کام سے فارغ ہو لیتے ہیں بلا ہجرت  
 ہوں تاکہ میری صحبت میں شریک ہوں۔ شب کو چند اور امرا  
 اور سردار جو کابل میں رہتے ہیں۔ مجھ سے ملنے آتے ہیں۔ اگر  
 میں کام سے فارغ ہوتا ہوں تو وہ لوگ جو میرا دل بھلانے یا  
 مجھ سے ملنے کے لئے بلائے گئے ہیں ٹھہرے رہتے ہیں  
 اور باقی سب چلے جاتے ہیں۔

کئی ایک گویئے ہندوستانی ایرانی افغانی بھی نوکر ہیں  
 شب کو حاضر ہوتے ہیں اور اگر میں کام سے فارغ ہوا تو اندر  
 بلائے جاتے ہیں اور گاتے بجاتے ہیں۔ گو میں کبھی کام  
 سے بالکل فارغ نہیں ہوتا تاہم میرے اہل دربار کا لحاظ رکھنا

ہیں اور اثنائے کار میں اگر وقفہ ہوا تو میں بھی کچھ سُن لیتا ہوں۔ ان لوگوں کی نوکری محض شب کی ہے۔ تیسرے درجے کے کچھ اور خانگی ملازم ہیں جو ہمیشہ میرے کمرے کے قریب حاضر رہتے ہیں۔ یا اگر میں سفر میں ہوتا ہوں تو میرے خیمہ کے قریب اور خیموں میں وہ بھی موجود رہتی ہیں تاکہ جس وقت اون کی ضرورت ہو فی الفور حاضر ہو سکیں۔ یہ لوگ حسب ذیل ہیں۔

گاڑیوں کے کوچمین۔ حامل۔ باغبان۔ حجام اور اصلاح ساز خاکروب داروغہ گدام۔ نقشہ نویس۔ پیالیش کنندہ یا جریب کش۔ سپیشل دمانسرس۔ طبیب معہ عملہ طبابت۔ انجنیر معہ عملہ ہلکار (پیدل و سوار دونوں قسم کے) علاوہ صیغہ پوسٹ آفس اور میرے ذاتی مصاحبین بھی ہمراہ ہوتے ہیں۔ ملا پیش امام پیش خدمتوں کے مدرسے بیٹڈ۔ ڈپل بردار۔ چیتر بردار۔

نوٹ: یہ وہی لفظ ہے جسکو گاؤں کے فوجی لوگ سفر میں کہتے ہیں۔ مترجم

نشانبردار وغیرہ۔

جب مین گھوڑے پر سوار ہو کر کسی طرف جاتا ہوں تو بیچہ  
 سب لوگ میرے ہمراہ چلتے ہیں اور باڈی گاڑ کا رسالہ اور پلٹن  
 اور توپ خانہ۔ بھی ساتھ ہوتا ہے۔ میرے درباریوں کے اوپیش  
 خدمت باشی وغیرہ کے گھوڑے طلائی و فخری سازون سے آراستہ  
 ہو سکتے ہیں۔ یہ سب جلوس جب روانہ ہوتا ہے تو بہت ہی خوشنما  
 نظر آتا ہے اس جلوس کی ترتیب اسطرح ہوتی ہے کہ مجھے ایک  
 مکان سے دوسرے مکان تک ہی کیون نہ جانا ہو۔) مین بیچ  
 مین ہوتا ہوں اور میرے گرد اہل دربار اور خاص خاص ملازمین اور  
 خدمتی وغیرہ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ہر طرف سے حلقہ کئے  
 رہتے ہیں اور باری باری سے باتیں کرتے جاتے ہیں۔  
 ہلکارے معہ گھوڑوں کے اور چہر اسی میرے گھوڑے کے  
 ساتھ پیدل چلتے ہیں یا بالکی مین ہوتے ہیں۔ یہ اندرونی حلقہ

کی ترتیب ہے۔ بیردنی حلقہ میں دو سکر درج کے ملازمین مثل  
 خیاط۔ فراش۔ تلیان بردار۔ دو اساز وغیرہ ہوتے ہیں۔ تیسرے  
 حلقہ میں میرے باڈی گارڈ کی پلٹن ہوتی ہے جو آگے اور پیچھے چلتی  
 ہے۔ چوتھے حلقہ میں باڈی گارڈ کا رسالہ ہوتا ہے جو میرے  
 سامنے اور عقب میں رہتا ہے۔ تو پچنانہ کی ترتیب سمت اور  
 وقت اور موقع کے لحاظ سے کی جاتی ہے

## گارڈ

میرے اور میرے لڑکوں اور بی بیوں کے باڈی گارڈز میں دو قسم  
 کے لوگ ہیں۔ اول شاہی خاندان کے جبکہ رسالہ رسالہ شاہی  
 قندھاری کہلاتا ہے جس میں قندھار کے درانی شہزادے ملازم  
 ہیں اسی طرح کی پلٹن بھی ہے۔ دوسرا باڈی گارڈ رسالہ شاہی  
 کابل ہے جس میں افغانستان کے امرا زادے شامل ہیں اور

اسی طرح کی ایک شاہی پلٹن بھی ہے۔ مین نے اس قندھاری  
 اور کاہلی باڈی گاڑو کے علاوہ ایک اور تیسرا باڈی گاڑو بنایا ہے۔  
 جسکے رسالہ اور پلٹن مین ترکمانی اُمرا زادے ملازم ہیں۔ باڈی گاڑو  
 کے رسالے اور پلٹن۔ اور توپ خانہ کے افسر افغانستان کے  
 خاص سردار ہیں۔ جنہر مجھے کمال بھروسہ ہے یا میرے بہائیوں  
 کے اور خاص رفقا کے فرزند ہیں جو میرے والد کے بڑے  
 وفادار نوکر رہتے یا میری ادیل عمر میں جنھوں نے میرا ساتھ دیا۔  
 میرے باڈی گاڑو کی کل سپاہیوں کو اور سب افسروں کو بہ نسبت  
 دوسری فوج کے سپاہیوں کے کسی قدر زیادہ ماہوار ملتی ہے  
 اس لئے کہ شاہی خاندان شاہی مکانات خزانہ اور میگنیزین اونکی  
 نگرانی میں ہے یہ سب فوج اور ایک چھوٹا سا توپ خانہ جبین  
 میگنیزم۔ گارڈز اور کوہی توپین ہیں اور دو ایک اور سبک  
 توپخانہ ہمیشہ تیار رہتے ہیں اور جس وقت مین کہیں جانا چاہوں

میرے ہمراہ چل سکتے ہیں۔ میں خود مثل ایک سپاہی کے جنگ  
 کے لئے ہمیشہ اس طرح تیار رہتا ہوں کہ اگر ضرورت پڑے تو  
 فی الفور چل کھڑا ہوں۔ میرے کوٹ اور پتلون کی جیبوں میں  
 ہمیشہ بھرے ہوئے ریوالور (پستول) اور دو ایک روٹیان  
 جو ایک دن کے لئے کافی ہوں رکھی رہتی ہیں۔ مجھے روٹیان  
 ہر روز بدلی جاتی ہیں۔ کئی بندوقین اور تلواریں ہمیشہ میرے  
 پلنگ یا کرسی کے قریب جہان میں بیٹھتا ہوں رکھی رہتی ہیں اور  
 میرے آفس کے سامنے میرے لئے اور تمام اہل دربار اور  
 پیش خدمتوں کے لئے زمین کسے ہوئے گھوڑے ہمیشہ تیار  
 رہتے ہیں۔ میں نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ میرے گھوڑوں  
 کے زمین میں جو ہفر کے لئے درکار ہوں اشرفیان سی دی جائیں  
 اور زیتون کے قبور میں طہیجہ رکھ دئے جائیں ایسے جنگ  
 جو ملک میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ بادشاہ کو خصوصاً ایسا بادشاہ

جو خود بھی سپاہی ہو ہمیشہ سپاہیوں کی طرح میدان جنگ کے لئے  
تیار رہنا چاہیے۔ گو اب پھر کے ملک میں بہ نسبت اور ملکوں کے  
بہت امن ہے تاہم کوئی ہنہین کہہ سکتا کہ کس وقت کیا اتفاق  
پیش آئے۔

جب میں سوتا ہوں میرے کل مصاحبین بھی سو جاتے ہیں  
مگر حسب ذیل اشخاص باری باری سے جاگتے رہتے ہیں۔ گارڈ  
معد افسر۔ چاء خانہ والا۔ آب خاصہ والا۔ دواساز۔ قلیان بردار۔  
خدمتگار درزی۔

میرے پیش خدمتون میں شاہزادہ امرزادہ اور غمخواروں  
کے لڑکے نوکر ہیں۔ ان کے علاوہ میرے یہاں غلام بھی  
ہیں۔ جو کافر۔ شتتانی۔ چترالی۔ بدخشی ہزاراد وغیرہ قبائل کے  
ہیں۔ دراصل یہ غلام بہ نسبت اور ملازمین کے خاص میری نگرانی  
اور تعلیم میں رہتے ہیں۔ اوسکے یونیفارم نہایت قیمتی مشل

شاہزادوں کے ہوتی ہیں۔ سوار کیے لئے اونہیں بہت عمدہ  
گھوڑے دئے جاتے ہیں۔ اور کام کے لئے نوکر پیش خدمت  
مقرر ہوتے ہیں۔ کہا نے کپڑے گھوڑے مکان اور نوکر و بکے علاوہ  
انہیں سرکار سے میوہ خوری کے لئے روپیہ ملتا ہے اور جب  
وہ جوان ہوتے ہیں تو حسب لیاقت اعلیٰ سے اعلیٰ خدمت  
دی جاتی ہے۔ مثلاً ایک چترالی غلام فرامز خان جو اب ہرات میں  
تغینا ہے میرا نہایت معتبر کمانڈران چیمے اور ایک چترالی  
غلام محمد صفر خان ناظر میسے دربار کا نہایت معتبر عہدہ دار ہے  
میری مہر اوسی کے پاس رہتی ہے اور کل سرکاری کاغذات  
اور میرے کہانے وغیرہ پر وہی مہر کرتا ہے۔ المختصر میری جان  
اور میرے ملک کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ پروانہ خان سابق ڈپٹی  
کمانڈران چیف اور جان محمد خان سابق افسر خزانہ جو میرے  
ملک میں اعلیٰ درجہ کے عہدہ دار تھے دونوں ابتدا میں میرے



غلام تھے۔

اگر سیچ پوچھو تو لفظ غلام محض برائے نام ہے اس لفظ کے اصلی معنی میرے عہد میں افغانستان میں یہ ہیں کہ ملک کے تمام عہدہ داروں سے یہ غلام زیادہ معتبر اور معزز خیال کئے جاتے ہیں۔ جب وہ بڑے ہوتے ہیں میں ان کی شادیاں اُمرا اور معزز خاندانوں کی لڑکیوں کے ساتھ کر دیتا ہوں اور انہیں بنگلہ فرنیچر اور کل مائیکلج معیشت جو شاہزادوں کے پاس بھی نہ ہوتا ہوں۔ ان کی بی بیوں کو علیحدہ علیحدہ چھج ملتا ہے اور سرکار سے پیش خدمت مقرر ہوتے ہیں۔ میں نے اس طرح چہرہ ظالمانہ طریقہ غلامی جو پہلے رائج تھا اپنی ملک سے اٹھا دیا ہے۔ اب صرف برائے نام لفظ غلامی باقی رہ گیا ہے ورنہ اگر دیکھا جائے تو افغانستان میں ایک غلام بھی نہیں۔ قانوناً غلام ہونے کی تجارت ممنوع کر دی گئی ہے اور مختلف خاندانوں میں جو قدیم زمانہ سے

لوٹھی غلام چلے آتے ہیں۔ اونکے ساتھ بھی اب برابر والوں کا سلوک کیا جاتا ہے۔ غلاموں کی اولاد خانہ زاد تو کہلاتی ہے مگر اونکے ساتھ وہی محبت اور شفقت کا برتاؤ کیا جاتا ہے جو خاندان کے اور بچوں کے ساتھ ہے۔ اگر کوئی غلام مار ڈالے جیسا کہ اگلے زمانہ میں دستور تھا تو اسے سزائے موت دی جاتی ہے۔ اگر کسی غلام کے ساتھ برا سلوک کیا جاوے اور ظلم ثابت ہو جائے تو میرے حکم سے وہ غلام ازادی پاتا ہے اس لئے کہ خدا نے تمام انسان ایک ماں باپ سے خلق کئے ہیں لہذا سب کے حقوق مساوی ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ایک ظالم ہو اور دوسرا اس کے ظلم کا شکار بنے۔

افغانستان میں یہ غلام مرد اور عورت دونوں عموماً اون قیدیوں کے بچے ہیں جو لڑائی میں گرفتار ہو کر آئے یا جنکے والدین لڑائی میں مارے گئے اور اونکا کوئی پرسان حال نہ رہا۔ اُمرا کے گھروں میں

اور دولت مند خاندانوں میں ان بچوں کے ساتھ وہی سلوک  
 ہوتا ہے جو خود اونسکے بچوں کے ساتھ ہوتا ہے اور مثل شاہی  
 پیش خدمتوں کے جب وہ بڑے ہوتے ہیں تو وہ ہم سے  
 شادی کر دیا جاتی ہے اور اپنے آقاؤں کی سفارش سے نسبت  
 غریبوں کے اور نہیں معقول خدمت مل جاتی ہے۔ اور تعلیم یافتہ  
 امیر زادوں کی صحبت سے ان کے عادات و اطوار مہذب ہو جاتے  
 ہیں اور اپنی لیاقت کے بموجب وہ اعلیٰ درجہ کی ترقی کر سکتے ہیں۔  
 ۱۸۹۶ء میں جب میں نے ملک کا فرستان فتح کیا۔ میں نے  
 دیا کہ کوئی قیدی غلام بنا کر نہ بیجا جائے اور کوئی شخص کسی کا فرورستہ  
 کے ساتھ اس کی مرضی کے خلاف شادی نہ کرے۔ میں نے  
 اس کی عوض میں ان لوگوں کو جنہوں نے کافروں کو گرفتار کیا تھا  
 اور انہیں ایک غنیمت سمجھتے تھے اور ان کی تصرف کا اختیار  
 رکھتے تھے وہ پیسے دیکر قیدیوں کو رہا کر دیا اور آزاد کیا۔

## اکل و شرب

میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہم بقائے حیات کے لئے کہاتے ہیں مگر بہت سے مشرقی حکمرانوں کا اُسکے خلاف عمل ہے اور ان کا یہ خیال ہے کہ وہ محض کہانے پینے کے لئے خلق ہوئے ہیں۔ میں نے شرابخواری کی سخت ممانعت کی ہے جو کوئی چے گا اسے سخت سزا دی جائے گی۔ میں خود شراب نہیں پیتا اور نہ کسی مسلمان اہل دربار پیش خدمت اور مصاحبین کو شراب پینے کی اجازت ہے۔ البتہ ہماری حالت میں اگر ڈاکٹر تجویز کرے تو مصالحتہ نہیں ہے۔ میرے کل خانگی ملازمین کو جبکا ذکر اوپر ہو چکا ہے شاہی باورچی خانہ سے پکا پکایا کھانا ملتا ہے۔ میری بی بیان اور پوتے اور کل اونکے ملازمین شاہی باورچی خانہ سے کھانا منگاتے ہیں۔ ہفتہ میں ایک دفعہ میرا بیٹا حبیب اللہ خان دربار عام کرتا ہے جس میں کل

عہدہ دار اہل قلم و اہل سیف حاضر ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ  
 سلام خانہ میں کمانا کہاتے ہیں۔ (سلام خانہ ایک وسیع عمارت ہے  
 جسکے ایک بڑے دالان میں پندرہ سو آدمی بیٹھے سکتے ہیں)۔  
 ۱۹۱۱ء تک میں خود اسی طرح دربار کیا کرتا تھا۔

کہا نے کے اخراجات شاہی باورچی خانہ کو خزانہ عام سے  
 وئے جاتے ہیں اور افغانستان کی کل اضلاع میں یہ طریقہ رائج  
 ہے۔ کل اضلاع کے گورنر جو میرے امین ہیں۔ تمام سول و فوجی  
 عہدہ داروں کو اور اون سرداروں کو جو سرکاری و شیعہ تیار ہیں۔  
 دعوت دیتے ہیں۔ یہ مہمانداری کا طریقہ ہمیشہ سے افغانستان  
 میں چلا آیا ہے اور گو اس میں خرچ زیادہ ہوتا ہے مگر اسے ہمیشہ  
 قائم رکھنا چاہیے۔

جو کہا نے میرے لئے یا میرے عہدہ داروں اور خاندان  
 کے لوگوں کے لئے پکیتے ہیں۔ دو حسب ذیل ہیں۔ پلاؤ۔

کتاب بالوان مختلف اُوبکی۔ وتر کمانی کھانے۔ ہندی کھانے  
اور کل اقسام کے یورپین کھانے ان میں سے جس کو جو چین  
مرغوب ہو مٹگا لیتا ہے۔ مختلف قوموں کے لوگ میرے ملازم  
ہیں۔ اس لئے یہ انتظام کیا گیا ہے۔ کھانے کے اوقات  
یہ ہیں کہ اول علا الصبح حاضری ہوتی ہے۔ جس میں چار میوہ  
بسکٹ۔ کیک۔ گندم بریان۔ اور مکہ ہوتا ہے۔ پھر سہ بجے کو دو  
اور تین کے درمیان (لنچ) ہوتا ہے اور پھر سہ شام چار۔ اور میوہ  
آتا ہے شب کو دس اور بارہ کے درمیان (ڈنر) کھانا ہوتا ہے  
گوین خود دن میں صرف ایک دفع کھاتا ہوں اور کسی وقت  
ناشتہ بھی کر لیتا ہوں مگر میرے اہل دربار اور ملازمین اور میرے  
لڑکے اور ان کی بی بی بیان اور نوکر چاکر سب دو دفع کھانا کھاتے  
ہیں۔ ساؤریشچ میں ناشتہ کرتے ہیں۔  
جن عہدہ داروں اور نوکروں کو میرے سامنے یا میری

بی بیوں کے اور لڑکوں اور لڑکیوں کے سامنے میز پر بیٹھنے کی اور ساتھ کھانے کی اجازت ہے وہ بیٹھتے ہیں اور کھاتے ہیں۔ باقی اور لوگ اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے دوسرے کمرہ میں بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ بعض کیلئے کھانا میوہ چار اونکے گھروں پر بھی جاتی ہے۔ اور وہ اپنے گھروں میں کھاتے ہیں۔ جو کچھ کھانا بچ رہتا ہے وہ فراشوں میں اور خدمتکاروں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

کھانا کھانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک بڑا سا میز چسپل مہان بیٹھ سکین لگایا جاتا ہے اور اوپر دسترخوان بچھا کر قابین چن دیجاتی ہیں۔ بعد ازاں پیش خدمت ہاتھ دھلانے کیلئے گرم پانی لاتے ہیں اور سب لوگ ہاتھ دھو کر میز کے گرد بیٹھتے ہیں اور وقت میز کے نوکر وہاں حاضر رہتے ہیں۔ جب کھانا ختم ہوتا ہے تو پیش خدمت ہاتھ دھلانے کے لئے پھر گرم پانی

لائے ہیں۔ جب سب مہمان ہاتھ دھو چکے ہیں۔ تو میوے لائے  
جاتے ہیں۔ مہمانوں کو ہاتھ دھونے کے لئے کمرہ سے باہر نکلیں  
زحمت نہیں ہوتی۔

جن کمرہ دارین میں بیٹھتا ہوں وہاں اور میرے خواہ گاہ کے  
کمرے میں اور میری بی بیوں کے لڑکوں کے اور لڑکیوں کے کمرہ میں طرح طرح کے  
خوشنما پھول درخت۔ تصویریں پیاپون اور ہر طرح طرح کے باجے  
رکھے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ عمدہ عمدہ چینی گلدان اور ہر طرح کی  
آرائش کا سامان۔ ایرانی اور ہراتی قالین۔ بیل ہزار داستان  
اور مرغان خوشالمان کے پتھر کے رکھے ہوتے ہیں۔ سب  
خوبصورت اور قیمتی فرنیچر ہے۔ غرض کہ ہر ایک چیز جو میرے ہم  
جلسوں کی خوشی کا باعث ہو سکتی ہے میرے ایوانات میں  
موجود ہے۔ اگر کھانے کے وقت کوئی ٹکلی یا پوربہین موجود ہوتا  
ہے تو اسے مدعو کرتے ہیں۔ اگر وہ مسلمان ہے تو ہمارے



ساتھ کھانا کھاتا ہے ورنہ کسی دوسرے کمرہ میں یا علیحدہ میز پر  
 کھانا دیا جاتا ہے۔ میں نے اکثر یورپین کو یہ کہتے ہوئے سنا  
 ہے کہ میرے بھان کا کھانا بہ نسبت یورپین کھانوں کے  
 بہت مزے دار ہوتا ہے۔ اون کے دل کا حال خدا جانے اگر  
 یہ بات محض میرے خوش کرنے کے لئے مہین کہتے ہیں تو میں  
 بہت محفوظ ہوں۔ عجب مہین کہ وہ سچ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ  
 سینے بارادیکھا ہے کہ وہ یورپین کھانوں کے مقابلہ میں میرے  
 یہاں کا افغانی کھانا زیادہ کھاتے ہیں۔ اگر انھیں پسند  
 نہ ہوتا تو محض میرے خوش کرنے کے لئے اتنا زیادہ نہ کھاتے۔  
 میری بی بیوں اور لڑکیوں اور لڑکوں بہوؤں اور پوتوں اور  
 اون کے ملازمین کو علاوہ کھانے کے کپڑے گھوڑے اور مکانات  
 کے اون کے درجہ اور ہنر ور کے موافق سرکار سے ماہانہ نقد ہوا  
 ملتی ہے۔ میرے دونوں بڑے لڑکے حبیب اللہ و نصر اللہ

ہر ایک بنس ہزار روپیہ ماہانہ پاتے ہیں اور ادون کی بی بیون اور  
 نوکروں کی علیحدہ تنخواہیں ہیں۔ میری بی بیات (جن میں دو میر  
 حکیم خان اور میر جہاندار شاہ کی لڑکیاں ہیں۔ اور آخر الذکر حبیب  
 اور نصر اللہ کی والدہ ہے) محمد عمر جان کی۔ امین اللہ جان کی  
 والدہ۔ غلام علی کی والدہ۔ حفیظ اللہ و اسد اللہ مرحوم کی والدہ  
 اور میری لڑکی فاطمہ جان کی والدہ ان سب کے لئے علیحدہ  
 علیحدہ تنخواہیں تین ہزار سے لیکر آٹھ ہزار روپیہ تک مقرر ہیں۔  
 ان کے لباس مکانات کہانے وغیرہ کا خرچ تنخواہ سے نہیں  
 وضع ہوتا ہے۔ ان کے لباس بکثرت اور مختلف وضع کے  
 ہوتے ہیں بعض یورپین اور بعض مشرقی وضع کے۔ میرے  
 چھوٹے لڑکوں اور پوتوں کو بھی علاوہ کہانے اور کپڑے وغیرہ  
 کے ماہانہ مقرر ہے۔ بڑی بڑی عیدوں میں جیسے شبِ برات  
 اور نوروز سے میری بی بیون کو اور بچوں کو لباس اور نقد اور زیورات

تختے میں دے جاتے ہیں۔ جیسا کہ کرسمس میں تختے دینے کا  
 رواج یورپین میں ہے۔

ان عید و نمین میں اہل دربار و عمدہ دار اور نوکردن کے کل  
 بچوں کو بھی تختے دیتا ہوں۔ میرے لڑکے جو تمام دن محنت سے  
 کام کرتے ہیں ہریشہ رات اپنی حرم سرا میں اپنی بی بیوں اور بچوں  
 کے ساتھ گزارتے ہیں۔ ابتدائ میں اپنی حرم سرا میں ہفتہ میں  
 دو دفعہ جایا کرتا تھا۔ مگر جب کام بڑھا اور فرصت گھٹی میرا جانا  
 سہینے میں دو ایک دفع ہوا کیا لیکن اب میں ایسا مشغول ہوں کہ  
 سال میں دو تین دفع اپنی بی بیوں اور بچوں سے ملنے جاتا ہوں  
 شب و روز میں اونہیں کمرون میں رہتا ہوں جہاں کام کرتا ہوں۔  
 البتہ میری بی بیان سال میں دو بار دفع دو چار گھنٹہ کیلئے  
 مجھ سے مل جاتی ہیں۔

خدا نے مجھے اس لئے پیدا کیا ہے کہ اس کے مخلوق کی

حفاظت کروں جو میرے سپرد ہوئی ہے نہ اس لئے کہ اپنا وقت  
عیش و عشرت میں گزاروں۔ میری سب سے بڑی خوشی یہی  
ہے کہ اوس کی راہ میں ہمیشہ مصروف بکار رہوں۔

میرے دونوں لڑکے حبیب اللہ خان اور نصر اللہ بہروز  
دو دفعہ یا کم از کم ایک دفعہ مجھ سے ملنے آتے ہیں اور اپنے  
روزانہ کام کے متعلق مجھ سے مسئلہ لیتے ہیں۔ میرے چھوٹے  
بیٹے اور پوتے چند منٹ کے لئے ہفتہ میں دو دفعہ میرے  
پاس آتے ہیں۔ چونکہ میں ہمیشہ مشغول رہتا ہوں وہ میرے  
پاس بیٹھتے ہیں یا تھوڑی دیر کھیلے رہتے ہیں۔ یا بعض وقت  
آپس میں کشتی لڑتے ہیں۔ یا کبھی میرے ساتھ کشتی لڑتے ہیں۔  
بعد ازاں وہ اپنے اپنے گھروں کو واپس بھیج دئے جاتے ہیں۔  
میرے لڑکوں اور پوتوں کی پرورش اس طرح ہوتی ہے  
کہ روز و لادت سے انکو دو دھ پلانے کے لئے انانین مقرر

کیجاتی ہیں۔ جو انہیں دن میں دو ایک دفعہ اون کی ماؤں کے پاس لیجاتی ہیں۔ اور کبھی کبھی اونکو میرے پاس بھی لاتی ہیں۔ ایک سال کے بعد اونکے لئے ملا۔ معلم۔ اتالیق۔ خدمتگار اور باڈی گارڈ مقرر ہوتے ہیں۔ اور اونکے رہنے کے لئے علیحدہ مکان اور باغ دئے جاتے ہیں۔ یہ مکان ہمیشہ میرے اور اون کی ماؤں کے مکان سے دور ہوا کرتے ہیں۔ تاکہ لڑکے ہمیشہ اپنے معلم اور اتالیق کی نگرانی میں رہیں۔ اتالیق ہمیشہ قدیم تجربہ کار پنشن یافتہ سرکاری ملازمین میں سے انتخاب کئے جاتے ہیں اور لڑکے بجائے اسکے کہ اپنی ماؤں کے چاہ پیار میں رہ کر بیوقوف اور خراب ہوں اچھی طرح تربیت پاتے ہیں اور جیب بڑے ہوتے ہیں تو نیک چلن تعلیم یافتہ مشرفیوں کے سے بچے ہوتے ہیں۔ میں خود ہمیشہ اون کی نگرانی کرتا ہوں اور انکی تعلیم و تربیت پر نہایت توجہ رکھتا ہوں اور اونکے عادات و

اطوار اور تعلیم کو ایک ممتحن کی نظر سے دیکھتا ہوں۔

جب وہ بالغ ہوتے ہیں اون کی شادی کر دی جاتی ہے  
تب وہ اپنے گھر کے آپ مالک بنتے ہیں اور دن میں کسی وقت  
جب کام سے فرصت ہوئی مجھے اور اپنی ماؤن کو دیکھ جاتے  
ہیں۔ اون کو یہ بھی تنبیہ ہے کہ اپنے بزرگ عزیزوں کے  
دھان جایا کریں اور اون کا خیال رکھیں کہ کسی چیز کی اونہیں ضرورت  
تو نہیں ہے اونکو ہدایت ہے کہ ہمیشہ پڑھنے کی عادت ہو اخوری  
اور ورزش کی عادت اور شکار کی عادت جاری رکھیں تاکہ کاہل  
نہ ہو جائیں یا بیمار نہ پڑیں۔

میری بی بیوں کو ہوا خوری کے لئے گھوڑے یا گاڑی پر  
جانے کی اجازت ہے اون کے مکانات اور باغ بہت عمدہ  
ہیں اور شہر کے باہر واقع ہیں۔ جب وہ اور میری بیویئیں گھوڑی  
یا گاڑی پر کہیں جاتی ہیں تو اونکے باڈی گارڈ کا اسکارٹ

ہمراہ ہوتا ہے۔

میری بی بیونکو بجز امور خانہ داری کے اور کوئی کام نہیں ہے  
مگر میرے لڑکے مثل میرے اپنے ملک کے خدمت کرتے  
ہیں۔ بالفعل جو کام میرے لڑکوں کے سپرد ہیں وہ حسب ذیل ہیں  
میرے بڑے لڑکے حبیب اللہ خان کو وہی کام کرنا ہوتا ہے  
جو مجھے یا کسی اور امیر افغانستان کو کرنا ہوتا تھا سوائے چند جدید  
دفاتر کے جیسے فارن آفس جو میں نے خاص اپنے متعلق رکھا  
ہے۔ حبیب اللہ کا روزانہ کام یہ ہے کہ وہ دس بجے صبح سے  
دربار کرتا ہے اور چار یا پانچ بجے تک دربار برخواست ہوتا ہے  
روز شنبہ اور پنجشنبہ کو مستعدین دربار تمام عرضیان اور خطوط جو بذریعہ  
پوسٹ یا سوار ہرات۔ قندار۔ بلخ۔ غزنی جلال آباد۔ ہندوستان  
یا میرے ملک کے اور مقامات سے آئے ہوں اوس کے ملاحظہ  
میں پیش کرتے ہیں۔ مختلف محکوموں کے روزانہ اخراجات کے

متعلق خزانہ پر احکامات جاری ہوتے ہیں۔ فوجی گورنرون اور  
 سول افسرون اور کارخانوں اور میگزین اور تعمیرات عامہ و دفتر  
 مالگزاری وغیرہ کی رپوٹیں تیار ہوتی ہیں اور عہدہ داران متعلقہ  
 کے حوالہ کیجاتی ہیں۔ وہ لوگ کاغذات اور جوابات خطوط وغیرہ  
 پر اوس کی مہر اور دستخط لیتے ہیں اور بذریعہ پوسٹ اون کو روانہ  
 کرتے ہیں۔ اسکے بعد اور جو کچھ کام پیش ہوتا ہے او سے انجام  
 دیتا ہے تا اینکه اوس کے آرام کا وقت آجاتا ہے البتہ سواری  
 اور ہواخوری کے لئے وہ کچھ وقت بچاتا ہے قبل سونے کے  
 چند منٹ کے لئے وہ میرے دربار میں بھی حاضر ہوتا ہے اور اگر  
 ضرورت ہوئے تو صبح کو بھی میرے پاس آتا ہے۔ شہنشاہ کو  
 وہ فوجی دربار کرتا ہے اور کل فوجی افسر اوس کے ساتھ کھانا کھاتے  
 ہیں۔ وہ فوج کے لئے نئے جوان بھرتی کرتا ہے۔ کل فوجی امور  
 کا انتظام کرتا ہے اور فوجی جرایم یا فوجی مناقسات وغیرہ کا فیصلہ



کرتا ہے چہار شنبہ کو اہل قلم کا دربار ہوتا ہے جہاں سول عہدہ دار  
 جو کابل میں موجود ہوں حاضر ہوتے ہیں اور سول مقدمات کا فیصلہ  
 کرتا ہے جو اسکے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ ہفتہ کو ملازمین کی  
 تحقیقات کرتا ہے جو قابل سزا ہوتے ہیں وہ قید کئے جاتے ہیں  
 اور جو بے گناہ ثابت ہوتے ہیں۔ اونہیں بری کرتا ہے یہ مقدمات  
 فوجداری جو کو توالی اور دوسرے ذریعوں سے پیش ہوتے  
 ہیں ان کی تحقیقات کرتا ہے اور مرافعہ وغیرہ سنتا ہے۔ التوار  
 کو وہ کل کارخانوں۔ صنعت و حرفت کے مدرسوں اور ہر قسم کے  
 میگزینوں کا معائنہ کرتا ہے جو کابل میں موجود ہیں اور کاریگر و ملکی  
 درخواستوں کو سنتا ہے اور انہیں اسکے حسب لیاقت  
 ترقی و وظیفہ و رخصت وغیرہ دیتا ہے۔ جمعہ اوس کے لئے  
 یوم الراحة ہے اور سرفردہ میرے پاس رہتا ہے یا شکار کو جاتا  
 ہے وہ برابر نماز جمعہ میں بھی شریک ہوتا ہے اور اپنی والدہ اؤن

اور عزیزوں کی ملاقات کو جاتا ہے۔

میرے ملک کی کل عدالتوں میں طریقہ تحقیقات مقدمات بہت آسان ہے۔ ہر شخص مجھ سے اور میرے گورنمنٹ کے بڑے عہدہ داروں سے مل سکتا ہے اور بلا واسطہ سفارش اپنا مقدمہ بیان کر سکتا ہے۔ مقدمہ کی شہادت اور ثبوت کے بموجب بین اور میرا لڑکا فوراً فیصلہ کر دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص بلک میں اپنا مقدمہ بیان کرنا نہیں چاہتا تو اسے اختیار ہے ساری کیفیت لکھ کر پیش کرے اس طریقہ سے لوگوں کی طولانی عرضیاں پڑھنے میں وقت بہت ضائع ہوتا تھا اس لئے کہ لوگ زبان بولنے میں بڑے کاہل ہیں۔ مگر جب لکھنے پر آتے ہیں تو فضول ورق کے ورق سیاہ کر ڈالتے ہیں۔ اس لئے میں نے یہ حکم جاری کیا ہے کہ عدالتی عہدہ داروں کے سوا ہر شخص جو تحریری استغاثہ پیش کرنا چاہے تین روپیہ کا اسٹامپ خریدے اور اس پر عرضی لکھے

اس سے وہ فضول تکلیف جو طولانی عرایض کے پڑھنے میں  
 ہوتی تھی رفع ہو گئی۔ معتمدین عدالت ان عرصیوں اور خطوں کے  
 خلاصہ پیش کرتے ہیں جو مشغیت میرے ارادے کے روبرو  
 استغاثہ پیش کرنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ ایک  
 چوبی کٹہرہ کے پیچھے کھڑے رہتے ہیں اور باری باری ایک  
 ایک شخص بڑھ کر استغاثہ پیش کرتا ہے۔ اس کام کے لئے عزیمتی  
 معین ہیں جو اوہنیں باری باری پیش کرتے ہیں۔ اگر کوئی ضعیف  
 عورت یا ضعیف مرد یا اور کوئی شخص جو بوجہ ضعف کے یا اور کسی وجہ  
 سے اپنا معاملہ اچھی طرح سے نہ بیان کر سکے تو عرض یگی مدعیوں کے  
 سامنے باواز بلند کل حال اس سے عرض کرتے ہیں جس پر وہ  
 تحقیقات کر کے آخری فیصلہ کرتا ہے۔ میری عدالتوں میں امیر  
 و غریب کے لئے کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا ہے۔ اگر ایک فقیر  
 اور ایک شاہزادہ دونوں ایک دوسرے کے شاکی ہوں





تو دونوں برابر خیال کئے جاتے ہیں۔ اور دوران تحقیقات  
 میں میرے یا میرے بیٹے کے سامنے دونوں برابر کھڑے  
 ہوتے ہیں۔ اب افغانستان میں وہ قدیم زمانہ کا لغو طریقہ باقی نہیں  
 رہا۔ جب با اختیار لوگ اپنے دوستوں کی سفارش سے  
 غریب اور کمزور کے مقابلہ میں خاص رعایتیں حاصل کر لیتے تھے  
 بعض پیچیدہ اور طولانی مقدمات جن کے لئے بہت کچھ شہادتوں  
 کی اور شہوت کی ضرورت پڑتی ہے۔ میرا بیٹا حبیب اللہ خان  
 اول ابتدائی تحقیقات کے لئے عدالت امور مذہبی یا عدالت  
 فوجداری یا عدالت مالگذاری و تجارت میں جہان سے اس  
 مقدمہ کا تعلق ہو بھیجتا ہے۔ اسکے بعد وہ مقدمہ آخری فیصلہ  
 کے لئے مختصر ہو کر میرے سامنے پیش ہوتا ہے۔ حبیب اللہ  
 کا چھوٹا بھائی نصر اللہ صدر محاسب اور دفتر حساب فہمی کا افسر اعلیٰ  
 سے حسابی مقدمات میں جب فریقین کے حسابات محاسبین

کے فیصلہ کے مطابق اچھی طرح پرٹے ہو جاتے ہیں تو ثالثی کی طرف سے اوپر مہر ہوتی ہے بعد ازاں نصر اللہ کی منظوری حاصل کی جاتی ہے اور اس دست آویز پر نصر اللہ کی مہر اور دستخط ہوتے ہیں اور نزاع کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اگر کسی مقدمہ میں فریقین محاسبین کے فیصلہ کو جو حسابات کے متعلق ہوا جو منطوق نکرین۔ تو ثالثی نصر اللہ کے سامنے اس مقدمہ کی مکرر جانچ کر کے آخری فیصلہ کرتی ہے۔ جو مقدمات نصر اللہ کے اختیار سے باہر ہوتے ہیں وہ حبیب اللہ کے پاس یا میرے پاس پہنچدے جاتے ہیں۔ میرے دوسرے بیٹے ابھی اتنے بڑے نہیں ہیں کہ کسی خدمت پر مقرر کئے جائیں۔

۱۹۱۷ء سے حبیب اللہ کو کل امور مملکت جو اوپر بیان ہو چکے ہیں سپرد کئے گئے۔ جسے میرے لئے کوئی خاص دن کسی خاص کام کا معین نہیں رہا لیکن جو وقت سے میں بیدار ہوتا ہوں اور

جب تک سونے کو لیٹتا ہوں جو کچھ کام میرے سامنے پیش  
ہوتا ہے اسے نہایت شوق سے اوسی وقت کر دیتا ہوں۔

اہل دربار کے لئے ایک امام مقرر ہے جو دن میں پانچ دفع  
نماز پڑھاتا ہے اور تمام ملک میں محتسب مقرر ہیں جو لوگوں کو مسجد  
میں آنے اور نماز پڑھانے پر سنے کی ہدایت اور ماہ صیام میں روزہ  
رکھنے کی تاکید کرتے ہیں۔ اسپر بھی اگر لوگ اخراجات کرتے ہیں  
تو ادھنیں دے لگائے جاتے ہیں۔ اسلئے کہ جو قوم اپنی مذہب  
کی پابند نہ ہو اس کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں اور تباہ و برباد  
ہو جاتی ہے کیونکہ بد اطواری کی وجہ سے لوگ اس دنیا میں بھی  
خوش نہیں رہتے اور عقبیٰ میں بھی ذلیل ہوتے ہیں۔ میرے  
ملک میں دوسرے مذاہب کے جو لوگ ہیں ادھنیں میرے ہم  
مذہب لوگوں سے بھی زیادہ آزادی حاصل ہے اور ان کے  
سامنے کوئی متعصبانہ سلوک نہیں کیا جاتا۔ ادھنیں میری گورنمنٹ



مین اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ ملتے ہیں جو چینز انگلستان مین بالکل  
 خلاف قانون سمجھی گئی ہے یعنی وہاں جو لوگ اسٹیشنڈ  
 چیچ انگلستان کے پیرو نہیں ہیں۔ وہ بعض خدمتون سے محروم  
 کئے جاتے ہیں۔ میرے یہاں ایسا نہیں ہے مین ایک سنی  
 ہوں مگر میرے ملک مین بعض اعلیٰ سے اعلیٰ خدمتون پر شیعہ  
 اور ہندو ممتاز ہیں۔

ہر شخص اپنا استغاثہ میرے سامنے اسطرح پیش کر سکتا  
 ہے کہ وہ در دولت پر حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ مجھ سے  
 ملنا چاہتا ہے مین او سے فوراً انڈر بلا لیتا ہوں تاکہ جو کچھ کہنا ہے  
 مجھ سے کہے یا اپنی کل کیفیت لکھ کر ناظر یا اوس کے مددگار یا میرے  
 مستمدین مین سے کسی کو دیدے یا اگر چاہے تو ڈاک مین ڈال دے  
 مگر اس صورت مین او سے لفافہ پر یہ لکھنا چاہیئے کہ سوا امیر کے  
 اور کوئی او سے نہ کہو لے۔ ایسے کل خطوط مین اپنے ہاتھ

سے کہتا ہوں اور اگر ضرورت ہوئی تو جواب بھی اپنے ہاتھ ہی سے لکھتا ہوں۔ اور مستغیث کے پاس اُسی طرح چہرہ روانہ کر دیتا ہوں جس طرح اور کا خط میرے پاس آیا ہو۔ اگر وہ ان ذرائع سے بھی اپنی عرضی مجھ تک نہ پہنچا سکے تو میرے خانگی اور سرکاری مخبروں کے اور خفیہ پولیس کے ذریعہ سے مجھ تک پہنچائے اگر وہ لگ کسی مقدمہ کو مجھ تک پہنچانے میں دریغ کرتے ہیں تو اوہنیں سخت سزا دی جاتی ہے۔ فی الحقیقت افغانستان میں یہ بات مشہور ہے کہ ہر شخص میرے دستخط بنا سکتا ہے اور ہر گھر میں ایک خفیہ پولیس کوراہ ہے۔ حالانکہ اسمین بہت مبالغہ ہے۔ میرے کل شاہی مکانات نہایت پُر فضا ہوا دار مقامات پر بنائے گئے ہیں۔ اور اسکے گرد باغات ہیں۔ ان مکانات کی تعمیر اس وضع پر ہوئی ہے کہ موسم سرما و گرمادونوں کے لئے بجا رکھ ہو سکیں۔ یعنی موسم سرما کیلئے گرم کمرے موجود ہیں اور موسم

گرمائے کے لئے کیلے ہوئے برآمدے اور بڑی بڑی کھڑکیاں  
 ہیں۔ کمروں کی تقسیم اس طرح ہوئی ہے کہ اگر کوئی مکان مین بیٹھ کر  
 ان کھڑکیوں سے موسم بہار کا لطف اوستھانا چاہے۔ تو شگوفہ  
 ہائے درخت اور موسم خزان میں زرد زرد پتوں کی بہار یا گھلی  
 ہوئی برف کے چمکتے ہوئے ابشار صاف نظر آتی ہے اور شب  
 ماہ کا سماں بھی عجب دلنریب ہوتا ہے مین عموماً موسم گرما اور موسم  
 بہار اور خزان شہر کے باہر گذارتا ہوں اور آٹھ آٹھ دن تک  
 خمیوں میں رہتا ہوں جو ان پر فضا مقامات میں نصب کئے جاتے  
 ہیں یہاں سے گلہائے رنگارنگ و غروب آفتاب کا لطف  
 اور موسم خزان کی زرد زرد بہار دکھائی دیتی ہے۔ مین ہمیشہ  
 سے خوبصورت فضا۔ چہول۔ سبزہ۔ راگ۔ تصاویر اور ہر  
 قسم کی صنعت کردگار کا شیفہ ہوں۔

میرا روزانہ یونیفارم نہایت سادہ اور یورپین وضع کا ہوتا ہے

خاص خاص موقعوں پر مین فوجی یا ڈپلوٹیک یونیفارم پہنتا  
ہوں۔ شب کو یا اور فرصت کے وقت مین عربی یا ترکمانی یا سنگولی  
وضع کا لباس پہنتا ہوں جو چینی یا جاپانی اطلس کا ہوتا ہے۔ ایک  
چھوٹی ٹسی کلاہ بھی پہنتا ہوں جس پر مختصر سی حریر یا ملل کی پگڑی بندھی  
ہوتی ہے یہ ڈیہیلا لباس پہنے اور اتارنے میں بہت آسان  
ہوتا ہے اور خاصکر بیماری کی حالت میں بہت آرام دیتا ہے۔  
جہاں کہیں مین ہوا میں سفر ہو یا حضر ہمیشہ میرے خدمتیوں کا  
مدرسہ ساتھ رہتا ہے۔ اس مدرسہ میں اونکو مذہبی تعلیم دی جاتی  
ہے اور تاریخ جغرافیہ علم حساب السنہ جدیدہ سکھائے جاتے  
ہیں اور اسکے علاوہ بندوق کے نشانہ بازی کی مشق کرتے ہیں  
جس وقت اون کا ایک گروہ میرے پاس حاضر رہتا ہے، دوسرا  
گروہ تعلیم میں مصروف ہوتا ہے القصہ جب وہ تحصیل علم سے  
فراغ ہو کر پڑے ہوتے ہیں انہیں خدمتیں ملتی ہیں۔

اوارہ فوج میں ایک پلٹن ہے جس کا نام خانہ آبادی ہے  
 اس پلٹن میں فوجی فسرڈن اور امیرونکے چھوٹے چھوٹے بچے بھرتی  
 ہیں۔ اوہنیں قواعد سکھائی جاتی ہے اور فٹن جنگ کی  
 تعلیم دی جاتی ہے بعد ازاں مختلف رجمنٹوں اور پلٹنوں میں  
 مقرر کئے جاتے ہیں۔

میں اور میرے چند عہدہ دار سگرٹ پیٹے ہیں۔ اور بعض  
 حقہ کے عادی ہیں۔

میرا روزمرہ بہت ہی سادہ ہے۔ جب میں کام میں مصروف  
 رہتا ہوں تو اثنائے کار میں ذرا ٹھہر کر اپنے عہدہ داروں اور اہل  
 دربار سے باتیں بھی کر لیتا ہوں۔ شام کو شطرنج اور بیک گیمن  
 کھیلنے والے میرے سامنے کھیلا کرتے ہیں میں دن کا کھیل  
 دیکھتا ہوں اور کبھی خود بھی کھیلتا ہوں مگر ایسا اتفاق بہت کم ہوتا  
 ہے۔ قوال گوئیے۔ حاضرین مجلس کا دل بہلانے کے لئے

گالتے بجاتے رہتے ہیں اور کبھی مین بھی دو ایک منٹ کیلئے  
اون کا گانا سن لیتا ہوں۔ مجھے راگ کا بہت شوق ہے اور میرے  
قصر دین میں ہمیشہ عمدہ سی عمدہ پیانو۔ سٹار۔ وائیولن (سازنگی) بیگ  
پائپ وغیرہ رکھے رہتے ہیں۔ مجھے خود راگ مین و خل ہے اور  
وائیولن و رباب بجا سکتا ہوں۔ میرے عمدہ دارمیرے پاس حاضر  
رہنے کی آرزو کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ سارے سامان عیش جو  
میں نے فراہم کئے ہیں اوس کا لطیف اوستھا تے ہیں۔ جو لوگوں  
ایمانداری اور وفاداری سے میرا کام کرتے ہیں اون کے ساتھ  
میں دوستانہ طرز رکھتا ہوں۔ اون سے مزاج بھی کرتا ہوں اور بعض  
وقت وہ بھی ہنسی دلی کرتے ہیں غرض کہ ہمیشہ چھل پھل رہتی ہے  
مگر جو لوگ مکار و بیوفا ہیں انکے ساتھ مین بہت سختی سے پیش آتا  
ہوں۔ بقول سعدی شیرازی ۵

نکوئی بادیان کردن چنانست	اکہ بد کردن بجائے میکردان
--------------------------	---------------------------

مین پلنگ پر لیٹتے ہی سو نہیں جاتا۔ اسوقت میرا کتاب خوان  
 جو خاص اس کام کے لئے مقرر ہے۔ پلنگ کے پاس بیٹھ کر کوئی کتاب پڑھتا  
 ہے مثلاً مختلف ملکوں اور لوگوں کی تواریخ یا بڑے بڑے بادشاہوں  
 اور ریفارمرز کی سوانح عمری یا علم جغرافیہ و سیاست مدن کی کوئی  
 کتاب مین سنتا ہوں یہاں تک کہ نیند آجاتی ہے اسوقت ایک  
 داستان گو آتا ہے اور وہ صبح تک داستان بیان کرتا رہتا ہے  
 اس سے مجھے بہت آرام ملتا ہے کچھ داستان گو کی بکواس  
 میرے تھکے ہوئے دماغ کو اور اعصاب کو تسکین دیتی ہے۔  
 مین نے خود بھی کئی کتابیں لکھی ہیں جو مطبع کابل مین چھپی ہیں۔ اسطرح  
 باوازد بلند کتاب خوانی سے مجھے کئی فائدہ ہیں اول تو یہ کہ مین نے  
 اپنی عمر مین ہزار ہا کلمہ مین پڑھ کر سن لین جس سے میری معلومات  
 مین بہت وسعت ہوئی۔ علاوہ اسکے جو کچھ قصہ کی صورت مین بیان  
 کیا جائے وہ اچھی طرح یاد رہتا ہے۔

اسمین شک نہیں کہ قصے اغواقات و توہمات سے بہرے  
 ہوتے ہیں۔ تاہم ان سے قدیم لوگوں کے خیالات اور عادات  
 کا بہت کچھ حال معلوم ہوتا ہے اور میں اس زمانہ کی ترقی کو اس سے  
 مقابلہ کرتا ہوں۔ دوسرا فائدہ اس داستان کا یہ ہے کہ میں شور و  
 غل میں سونے کا عادی ہو گیا ہوں اور مجھے میدان جنگ میں  
 بھی نیند آسکتی ہے۔

میں حسب ذیل زبانیں لکھ پڑھ سکتا ہوں اور بول سکتا ہوں۔  
 پشتو جو افغانستان کی قدیم زبان ہے۔ فارسی جو میرے دربار  
 اور عدالت کی زبان ہے۔ ترکی جو میری ترکمانی رعایا کی زبان ہے  
 علاوہ ان کے میں روسی۔ عربی اور ہندوستانی بھی جانتا ہوں  
 گو عربی اور ہندوستانی زبان میں مجھے پورا دخل نہیں مگر  
 تاہم میں انہیں سمجھ سکتا ہوں۔ میں ہمیشہ ہر چیز کے متعلق کچھ  
 نہ کچھ دریافت کرتا رہتا ہوں اور کوئی نئی بات معلوم کرنے کا موقع



ہاتھ سے نہیں دیتا۔ جب کہی کوئی غیر ملکی یا میرے ملک کا آدمی  
میرے پاس آتا ہے میں اس سے ہر قسم کا سوال کرتا ہوں خاص کر  
اُن امور کے متعلق جس میں اس سے پوری واقفیت ہو۔ اس طرح  
میں ہر شخص سے کچھ نہ کچھ سیکھتا ہوں۔

## اعیاد و تعطیلات

افغانستان میں پانچ عیدیں معین ہیں۔

(۱) عید الفطر (۲) عید الفحی (۳) شب برات (۴) نوروز  
جو ہر سال ۲۱ مارچ کو ہوتا ہے ان عیدوں میں میں اپنے عہدہ دار  
اور نوکروں کو خلعت و انعام دیتا ہوں اور اپنے عزیز و اقارب  
کو ہدایا بھیجتا ہوں۔ عیدین میں تجارتی میرے پاس تحفے گزانتے  
ہیں۔

نوروز کے دن میں کل سامان جنگ ہتھیار اور مختلف اسباب

تجارتی کو جو سال بھر میں کابل کے کارخانوں اور ورک شاپوں میں تیار ہوتا ہے (علاوہ اوس سامان کے جو گوداموں میں بھرا ہے) معائنہ کرتا ہوں اور کاریگروں کو ہر چیز کی عمدگی یا نقص کے موافق انعام دیتا ہوں یا اون پر جرمانہ کرتا ہوں اور سال آئندہ کے لئے ہدایت کرتا ہوں اور نقص بتا کر یہ حکم دیتا ہوں کہ آئندہ زیادہ خیال رکھا جائے۔ جو توپیں بندوقبین کارتوس وغیرہ میرے معائنہ سے گذرتے ہیں دانگرادون کا امتحان کیا جاتا ہے۔ بعد ازان وہ سرکاری سلاح خانوں میں اور سیگنزیون میں بھیج دئے جاتے ہیں۔ جو ناقص ہوتے ہیں وہ بغرض اصلاح پہرہ کشاپ کو واپس کئے جاتے ہیں۔

پانچواں جشن خطاب ضیاء الملت والدین کی یادگار میں ہے جو مری قوم نے مجھے عطا کیا۔ یہ خطاب ۲۵ مئی ۱۸۹۶ء میں عیدالضحیٰ کے دن مجھے دیا گیا تھا مگر چونکہ افغانستان کے کل

شہرون اور ضلعون کی منظوری ماہ اگست میں مجھ تک پہونچی جو شہری  
 مہینوں کے حساب سے چوبیسویں آذر کی تھی اس لئے یہ جشن  
 ہمیشہ ۲۴ آذر کو ہوتا ہے۔

میری گورنمنٹ کے آرڈرز (یعنی تمنے) وغیرہ جو مختلف  
 عہدہ داروں کو دئے گئے ہیں حسب ذیل ہیں۔

تمنائے شرافت۔ تمنائے عزت۔ تمنائے شجاعت۔ تمنائے  
 دیانت۔ تمنائے صداقت۔ تمنائے اخلاص۔ تمنائے خیر خواہی

اسلام۔ یہ آخری تمنہ بس ایک شخص کو عطا ہوا ہے وہ میر منشی  
 سلطان محمد خان ہے جن کو ۱۹۳۳ء میں اوس دن یہ تمنہ ملا ہے  
 جس روز میری گورنمنٹ اور رمارٹر ڈیور انڈ کے عہد نامہ پر دستخط  
 ہوئے۔ یہ سب تمنے طلائی ہیں مگر اون میں سے بعض جو اہر  
 سے مرصع ہیں اسکے علاوہ بہت سے فقری تمنے بھی ہیں جو  
 اہل فوج کو اون کے کارہائے نمایان کے صلہ میں دئے جاتے

ہیں۔ تنہے پر اس مقام کا نام جہان فتح حاصل ہوئی ہو کندہ ہوتا ہو۔  
 اگرچہ مجھے یقین نہیں کہ ہمارے مقدس بنی نے کبھی یہ حکم  
 دیا کہ بے بیان گھروں میں بند کر کے رکھی جائیں۔ اس مسئلہ پر ہمیشہ  
 بحث ہوتی رہی ہے۔ مگر زمانہ قدیم سے امر اور دولت مند لوگوں میں  
 یہ رواج چلا آتا ہے کہ اپنی بی بیوں کو حرم میں رکھتے ہیں یعنی مکان  
 میں اون کے رہنے کے لئے علیحدہ جگہ معین ہوتی ہے۔ وہ  
 بے بیان جو مکانات سے باہر نہیں نکلتی ہیں اونکے لئے کچھ  
 سلسلہ روابط و اخبار ہونا ضرور تھا۔ اسکے لئے یہ انتظام کیا گیا ہے  
 کہ میرے ہر حرم میں کئی پیش خدمت لڑکے اور چند عورتیں  
 مقرر ہیں۔ ان سب کے اوپر ایک لونجوان عورت سرکار ہوتی  
 ہے جو مردانہ لباس پہنتی ہے۔ یہ نوکر پیام و سلام و خطوط کیجا  
 ہیں۔ میں نے قدیم طریقہ خواجہ سراؤں کا جو اول حرم سراؤں  
 میں نوکر ہوتے تھے اونٹھا دیا ہے۔ ان لوگوں کے علاوہ

میری بی بیوں کے خانگی محکمے ہیں اور ان کے ذاتی ملازمین  
 مثل عرض بیگی۔ دربان۔ خزانچی۔ میر آخور اور واروغہ تو شک  
 خانہ وغیرہ ہیں میری بیبیاں اگر کہیں جانا چاہیں تو گاڑیوں میں  
 جاسکتی ہیں یا نقاب پہنکر گھوڑوں پر سوار ہو کر جاسکتی ہیں۔





# پانچم

## تعلقات انگلستان و افغانستان

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۝

آسایش دو گیتی تفسیرین و وحشت | بادوستان تلطف بادشمنان مدارا

اس باب کے عنوان سے تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ مین برطانیہ اعظم اور  
افغانستان کے تعلقات جو ابتدا سے چلے آئے ہیں اور دونوں  
ملکوں کی سرحدیں جو وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی ہیں سادہ کے متعلق جو دونوں

۱۰ اپنی شہنوں اور اپنے وعدہ پھر مستقل رہو۔

سلطنتوں میں مراسلت وغیرہ ہوتی ہے اوس کا ذکر کروں گا۔ اور  
ان دونوں کے آئندہ تعلقات کے متعلق کچھ اپنی رائے ظاہر کروں گا  
مگر ایسا نہیں ہے۔ ان دونوں امور کی نسبت میں نے علیحدہ دو باب  
لکھے ہیں۔ جن میں حدود افغانستان اور آئندہ تعلقات کے بابت بحث  
کی گئی ہے۔ اس باب میں فقط خاص خاص امور کا ذکر کرتا ہوں جو میرے  
ملک اور برطانیہ اعظم کے درمیان میرے عہد میں واقع ہوئی ہیں اور بہت  
اختصار کے ساتھ بیان کروں گا۔ اس لئے کہ جو کچھ میرے دل میں ہے وہ  
سب بالفضل اگر میں بیان ہی کر سکوں۔ تو اس کا ذکر کرنا خلاف مصلحت ہو گا۔  
ایک خاص امر جو میری ابتداء تخت نشینی سے آج تک انگریزوں  
اور افغانوں کے درمیان معرض بحث میں ہے اور جس کے  
متعلق مختلف رائیں ظاہر کی گئیں ہیں۔ میں اوس کی نسبت کچھ  
بحث نہ کروں گا۔ مجھے ان کے اختلاف سے کچھ تعلق نہیں۔ اس لئے  
میں یہ چیز او نہیں لوگوں پر چھڑتا ہوں۔ کہ وہ آپس میں خود اس

بات کا فیصلہ کر لیں۔ وہ امر زیر بحث یہ ہے۔ بہت سے انگریز  
 اور انگریزی اخبار یہ کہتے ہیں کہ ہم نے امیر عبدالرحمن خان کو کابل  
 کا تخت عطا کیا لہذا وہ ہمارے نوکر ہیں۔ افغان لوگ یہ جواب  
 دیتے ہیں۔ کیا انگریزوں نے امیر عبدالرحمن خان کو دعوت دی  
 کہ آپ روس سے آئیے اور کابل کا تخت قبول کیجئے۔ ہرگز نہیں  
 کیا برٹش گورنمنٹ نے ادھنہن روس کی نگرانی سے آزادی دلائی  
 یا روس سے درخواست کی کہ ادھنہن یہاں آنے دیجئے تاکہ تخت  
 کا دعویٰ کریں۔ ہرگز نہیں۔ کیا برٹش گورنمنٹ نے امیر عبدالرحمن  
 خان کو روس میں کھلا بھیجا تھا کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو تخت  
 کا دعویٰ کیجئے۔ ہم اس بات کے منتظر ہیں کہ کوئی دعویٰ پیدا ہو۔  
 نہیں۔ کیا انگریزوں نے ادھنہن تخت نشینی سے پہلے کوئی  
 مالی مدد دی یا روس سے کابل تک اونکے اخراجات سفر ادا کئے  
 یا اور کسی قسم کی مدد کی نہیں۔



افغانوں کا یہ بیان ہے کہ جس وقت امیر عبدالرحمن خان سرحد  
 افغانستان پر پہنچے میر سلطان مراد بیگ اور دوسرے میران  
 کتغان و ترکستان نے ادھنہین روکا۔ اور کابل میں آنیکو مانع ہوئے  
 اسلئے کہ جو انگریز کابل میں تھو اور انکا یہ خیال تھا کہ امیر عبدالرحمن خان  
 روس کی اجازت سے اوس کے فرستادہ آئے ہیں۔ اس سبب سے  
 وہ چاہتے تھے کہ وہ کابل میں نہ آنے پائیں اور خود بھی ملک پر  
 مسلط نہ ہو سکتے تھے اسلئے کہ وہ انکے لوگ بہادر سپاہی ہیں اور یہ ملک  
 بھی مابین انگلستان و روس نیوٹرل خیال کیا جاتا تھا۔ اسلئے ادھنوں نے  
 کابل کا تخت موسی جان اور دوسرے دعوی داروں کو دینا چاہا لیکن جب  
 دیکھا کہ عبدالرحمن خان یہ تائید آگئی اپنی ہی قوت بازو سے اون تمام دقتوں پر  
 غالب آئے جو انکی راہ میں حائل ہوئیں اور کل امیرون نے اونکی اطاعت قبول  
 کی اور سارا ترکستان فتح کر لیا۔ اور قندزین داخل ہو گئے جہاں ہزار ہا غازی اور  
 تمام فوج اون سے جا ملی۔ اور موسی جان نے تخت سے انکار کیا

کوئی اور دعویدار بھی تخت کے لئے پیدا نہ ہوا۔ سارے ملک  
 میں غازیوں کے اجتماع سے ولولہ پیدا ہو گیا۔ اور انگریزوں کی  
 مخالفت کا خیال روز بروز یہ سہلنے لگا۔ ایوب بہارت سے قندھار  
 کو روانہ ہوا کہ انگریزی فوج پر حملہ کرے۔ اس وقت انگریزوں کو بجز  
 اسکے اور کچھ بن نہ آئی کہ امیر عبدالرحمن خان کے ساتھ اتحاد پیدا  
 کریں تاکہ ملک سے صحیح و سلامت اپنے گھر پہنچیں۔ دراصل ہم  
 افغانیوں نے اپنے وکیل اور نائب بھیج کر عبدالرحمن خان کو روس  
 سے بلایا کہ آپ یہاں تشریف لائے۔ اور ہمارے بادشاہ  
 بنے۔ ادھون نے ہماری درخواست منظور کی اور روس سے روانہ  
 ہوئے۔ اگر کوئی شخص فراٹلیف گوارا کر کے اس مراسلت کو پہنچے  
 جو سر پل گرلین اور عبدالرحمن خان میں ہوئی ہے وہ خود اس بات کا  
 فیصلہ کر لے گا۔ اوسمین امیر نے صاف لفظوں میں یہ لکھا ہے کہ میں  
 بجز رعایا سے افغانستان اور کسی کے ہاتھ سے تخت قبول

نکر ونگا۔ چنانچہ ہم نے اوہنین بمقام چارکیر بادشاہ بنایا اوس کے  
 بعد وہ کابل میں داخل ہوئے۔ اور تب سرسپل گرلین بھی اوس سے  
 ملنے آئے۔ البتہ ہمارے اس اعلان کی سرسپل گرلین اور دوسرے  
 برٹش افسروں نے جو اس وقت کابل میں موجود تھے تصدیق کی اور  
 وہ سب بطریق دوستانہ امیر سے رخصت ہوئے۔ امیر نے اپنی  
 تین بہت ہی صادق القول ثابت کیا اسلئے کہ جو انگریزی فوج  
 اس وقت کابل میں تھی وہ مشہور سے بھی زیادہ نازک حالت میں  
 تھی کیونکہ اوہنین یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ قندھار میں انگریزی فوج پسپا  
 ہوئی۔ مگر امیر نے ایسا انتظام کر دیا کہ وہ سب بحفاظت تمام ملک  
 سے روانہ ہو گئے۔ انگریزی گورنمنٹ جو امیر کو ملتان روپیہ کی مدد  
 دیتی ہے۔ اگر اوس کی کوئی غرض نہ ہوتی تو کبھی کچھ نہ دیتی۔ امیر  
 یہ سب روپیہ بلکہ اس سے زیادہ انگلستان سے ہتیار اور اسباب  
 جنگ منگانے میں صرف کرتے ہیں۔ تاکہ سرحد ہندوستان

کی حفاظت کیلئے کام آئیں۔ امیر بعض مقامات کے دعوے سے  
 بھی دست بردار ہو گئے ہیں۔ اور بغیر اطلاع گورنمنٹ ہند کسی  
 غیر سلطنت سے مراسلت بھی نہیں کرتے۔ انہوں نے دہلی  
 ہند کی شرکت سے بھی علیحدگی اختیار کی ہے۔ اور جو کچھ  
 گورنمنٹ ہند کے ساتھ وعدہ کیا ہے اس پر قائم ہیں۔ اگر انکسٹن  
 ان کی دوستی کو قابل قدر نہ سمجھتا تو انہیں ماہانہ رقم ادا دی نہ دیتا۔  
 اس لئے کہ ہندوستان میں اور بہت سے والیان ملک  
 شاہزادے نواب اور راجہ موجود ہیں جن میں بعض مثلاً سرکار نظام  
 کا ملک امیر کے ملک سے بھی بڑا ہے۔ مگر کسی کے ساتھ اس  
 قسم کی مدد نہیں کی جاتی علاوہ بریں یہ ادا دی رقم امیر کے دادا کے  
 وقت سے چلی آئی ہے جو کل والیان افغانستان کو دی گئی اس سے  
 غرض یہ ہے کہ افغانستان کی حفاظت اور قوت کی بدولت  
 ہندوستان بھی غیر حملوں سے محفوظ رہے۔ میں عام لوگوں کی

ان باتوں میں کچھ دخل نہیں دیتا۔ یہ بحث میں او نہیں لوگوں پر  
 چھوڑتا ہوں۔ وہ خود آپس میں فیصلہ کر لیں۔ انگلستان اور  
 افغانستان کا فائدہ اسی میں ہے کہ دونوں میں اتحاد قائم  
 رہے۔ اسلئے کہ اس اتحاد سے ہر ایک کا ذاتی نفع ملحوظ ہے۔  
 میں اپنے اور ملکہ معظمہ کے میٹن اور جانشینوں کو یہ مشورہ دیتا ہوں  
 اور وصیت کرتا ہوں کہ ہمیشہ اس دوستی کو روز بروز اور مضبوط  
 کرتے جائیں۔ اس لئے کہ ہندوستان اور افغانستان کی  
 حفاظت توام ہے۔ دونوں کے اتفاق سے دونوں کی قوت  
 ہے اور اتفاق سے دونوں کا زوال۔ میں جب تک لوگوں کے  
 دلوں سے یہ بات دور نہ کر لوں کہ سرپل کرپن اور برٹش افسروں  
 نے جو کابل میں تھے میرے بادشاہ ہونے کے اعلان کو محض  
 تصدیق کیا اس بحث کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ فی الحقیقت انہوں نے  
 دولت برطانیہ اور قوم افغان کے ساتھ بڑا سلوک کیا جو ایسے بڑا

طور سے دونوں کی بحث کو ختم کیا۔

میری یہ رائے ہے کہ سرپیل گریفن نے اپنی گورنمنٹ کی  
خیر خواہی میں اس معاملہ کو بڑی دانائی سے سلجھایا اور اس اتحاد  
کی بنا ڈالی۔ میرا خیال ہے کہ اونکے ساتھ ان خدمات کا پورا امداد  
ہنہیں کیا گیا۔ وہ مستحق ہیں کہ لارڈ آف کابل کا خطاب پائیں جیسے  
راپرٹس کو لارڈ آف قندھار کا خطاب ملا ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ لَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ قَالَ دَا أَنْظُرُوا  
إِلَى مَا قَالَ۔ اس بحث سے کچھ غرض نہیں کہ بار سنت کدہر زیادہ  
ہے۔ خاص بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ دونوں قوموں کے اغراض  
ایک ہیں۔ میں نے اسی بات کا خیال کر کے اپنے عہد کے اول ہی  
روز سے یہ اتحاد بڑھانا شروع کیا۔ میں مارکوٹس آف رپن کا بہت

لے یہت دریافت کر دکھانے کیا یا کس نے کہا بلکہ اس کی قدر کو کہ کیا کیا اور کیا کہا۔  
یہ لفظی ترجمہ انگریزی عبارت کا ہے جو اصل کتاب میں درج ہے حضرت کے قول کی عبارت اگر اس  
ترجمہ سے مطابقت نہ کرے تو مترجم ذمہ دار نہیں۔ مترجم

مشکوٰۃ رہون جنھوں نے اپنے زمانہ میں مجھے بہت مدد دی اور اس  
دوستی کا ہر طرح پر یقین دلایا۔ اونکے وقت میں میرا پہلا سفیر جنرل  
امیر محمد خان مقرر ہوا۔ جو بچپن سے میرا نہایت معتبر ملازم رہ چکا تھا۔  
پہنچنے پر ایک نہایت ہوشیار اور تجربہ کار مدبر تھا۔ میرے دربار میں  
بھی گورنمنٹ ہند کی طرف سے ایک مسلمان سفیر مقرر ہوا۔ جس  
کا گویا گورنمنٹ ہند کے اخلاص کا اور زیادہ ثبوت ہوا۔ ۱۶ جون ۱۸۸۳ء

میں مارکوئس آف پرن نے مجھے لکھا کہ حفظ حدود اور درستی فوج  
کے لئے میری گورنمنٹ کو سالانہ رقم امدادی بارہ لاکھ روپیہ ملا کرینگے  
اس موقع پر ایسے نیک نیت اور کشادہ دل و ایسراؤ کی نسبت  
دو ایک لفظ لکھنا بیجا ہونگا۔ جسے کسی مذہب یا قوم کا کچھ تعصب نہ تھا۔  
اور جبکہ عقیدہ یہ تھا کہ خدا کے سامنے سب کو اپنے افعال کا جواب  
دینا ہوگا۔ اوس نے اس اصول کی ہمیشہ پابندی کی کہ خدا کی نظروں  
میں سب برابر ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اوس خدا کے جانشینوں

کے یہاں جو اس دنیا کے بادشاہ ہیں سب کے ساتھ مساوی سلوک نہ کیا جائے۔ اوس نے ملکہ معظمہ کی رعایائے ہند کو بھی وہی حقوق دینا چاہیے جو گورے چمڑے والوں کو حاصل تھے اس بات سے بعض گورے چمڑے والے ناخوش ہوئے۔ مگر اس سوئے تدبیر کی وسعت نے لوگوں کو مسح کر لیا۔ اور اون کے دلون میں نہایت محبت اور وفاداری پیدا ہوئی اوس کے سارے زمانہ ولیسراٹھٹی مین میرے اور مارکوس آف رپن کے درمیان نہایت دوستانہ اور مخلصانہ تعلقات رہے۔

ایک مشہور مثل ہے۔ کہ جس چیز کے پہیلانے میں سالہا سال درکار ہوتے ہیں۔ اوسکے سیٹھنے میں یہی برسوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ پس یہ ممکن نہ تھا کہ جو مخالفت عداوت نفرت براعتباری اور بدگمانی انگریزون اور افغانوں مین یکساں سے چلی آتی تھی اور جسکی وجہ سے دولوں قوموں مین جنگ و جدل اور کشت و خون



ہوا کیا۔ دفعتاً رفع ہو جاتی۔ دونوں قوموں کے لوگوں نے ایک  
 دوسرے کے خلاف متعدد کتابیں اور قصے لکھے جسے ہمیں۔  
 ایک دوسرے کو دغا باز بے اعتبار اور بد عہد کہا تھا۔ پس ان سب  
 باتوں کا خیال کر کے اگر یہ امر دشوار نہیں تو ایسا آسان بھی نہ تھا۔  
 کہ ان دونوں قوموں کے دلوں سے گزشتہ واقعات محو کئے  
 جائیں۔ ان کے خیالات کی اصلاح ہو۔ اور وہ ایک دوسرے  
 پر اعتبار کرنے کی طرف مائل کئے جائیں خصوصاً ایسے وقت  
 میں جب اخلاص مندی بھی بدگمانی کی نظر سے دیکھی جاتی ہو۔  
 اس اتحاد کے خلاف میں بہت سے امور تھے۔ یہ بہت دشوار  
 تھا کہ دوستانہ تعلقات ایسے قومی ہوں جیسا کہ ہونا چاہیے۔  
 گورنمنٹ ہند کو نہ اتنا اختیار تھا کہ مجھے کافی مدد دے سکے یا  
 وعدہ کر سکے اور نہ اسے کسی دوسری دوستی اور صداقت اور وفاداری  
 پر اتنا بھروسہ تھا کہ خود اسکی پرکھ سکے۔ میں بھی جیسا چاہیے

ویسا دوستی کا اظہار عام طور پر نہ کر سکتا تھا۔ کیونکہ لوگ جاہل اور  
 متعصب تھے۔ اگر مین انگریزوں کی طرف اپنا میلان ظاہر کرتا تو  
 لوگ مجھ کا فر کہتے۔ اور یہ مشہور کرتے کہ مین کا فردن سی ملکیا ہوں  
 اور میرے خلاف جہاد کا اعلان کرتے۔ مین جانتا تھا کہ جب تک  
 اپنے ملک سے ان تمام متعصبوں اور باغیوں کو نکال نہ لوں تب  
 تک نہ پورے طور پر اپنی دوستی کا اظہار کر سکتا ہوں۔ اور نہ اس پر  
 اچھی طرح عمل کر سکتا ہوں۔ مین امیر یعقوب کی طرح بیوقوف نہ تھا۔  
 جس نے اظہار دوستی کی غرض سے بغیر لوگوں کی منظوری  
 حاصل کئے۔ بغیر اسکے کہ اپنے تین اچھی طرح مضبوط بنائے۔  
 سر لوئی کینیری اور اون کے مشن کی حفاظت کا ذمہ لے لیا۔  
 اس ذمہ کا بار اٹھانا اس کے اختیار سے باہر تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کینیری  
 مارے گئے وہ خود تخت سے اتار دیا گیا۔ اور قید ہو کر ہندوستان  
 گیا۔ اور ہزار ہا آدمی قتل ہوئے گورنمنٹ ہند نے میرے ساتھ

ایک عہد نامہ کیا تھا۔ جسکی رو سے مین افغانستان کے اندرونی دشواریوں میں کچھ دخل نہ دے سکتا تھا۔ پس ایسی حالت میں اگر مین گورنمنٹ ہند کے ساتھ اظہار دوستی کرتا۔ اور رعایائے افغانستان مجھ سے ناخوش ہو کر مجھ پر جہاد کا اعلان دیتی تو مجھے گورنمنٹ ہند سے کوئی توقع نہ تھی کہ اندرونی اور خانگی دشواریوں میں میری مدد کرے گی۔ اس کے علاوہ مین اس دوستی کے لئے گورنمنٹ ہند سے ایسی خوشامد کی باتیں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جس سے میرا نام بھی خوشامدیوں اور بزدلوں کی فہرست میں داخل ہوتا۔ مین نے اپنے عہد میں وہ عزت و حمیت دکھادی جو میری قوم کی موروثی صفت ہے اور مین نے بڑے بڑے نازک وقتوں میں کبھی اسے ہاتھ سے نہیں دیا۔

مین جانتا ہوں کہ ایک کی دوسرے کی نادانقینیت نقیض کا باعث ہوتی ہے اور جون جون یہ نقیض کہتے جاتی جاتی ہے۔

اوس سے فسادات پیدا ہوتے ہیں۔ اور کہتے فسادات جنگ و  
جہل اور تباہی کا باعث ہیں۔ میں اسی لئے چاہتا ہوں اور میری  
یہ خواہش ہے کہ انگریز اور افغان میں ارتباط بڑھے  
جس سے باہمی تعلقات وسیع ہوں۔ اسلئے کہ دونوں قوموں  
میں جس قدر اعتبار بڑھ گیا اور تباہی دونوں کے لئے زیادہ مفید ہوگا۔  
میں نے اس بات کے لئے ہر چہد کوشش کی مگر گورنمنٹ ہند  
کی اون بدگمانیوں کا کوئی علاج نہیں۔ وہ اپنی جگہ پر یہ سوال پیش  
کرتی ہے۔ کیا افغانستان کی دوستی بکار آمد ہے۔ یا نہیں۔  
اگر ہے تو افغانستان پر اعتبار کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ قابل  
اعتبار ہیں تو اون کی دوستی سے جو فائدہ ہوگا وہ اوس ذمہ دار کی  
کا معاوضہ ہو سکتا ہے یا نہیں جو ہمیں اون کی حفاظت کے  
لئے کرنا ہوگی۔ اگر بالفرض ان تمام باتوں کا خاطر خواہ جواب  
دیجا جائے تب بھی ایک بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا

پارلیمنٹ بھی یہ اختیار دیگی کہ یہ عہدہ پیمانہ کئے جائیں۔ اگر پارلیمنٹ نے اس قسم کے عہدہ پیمانہ کا اختیار بھی دیا اور روس کا سامنا ہوا تو یہ امر ممکن ہے یا نہیں۔ اگر ممکن بھی فرض کیا جائے تو نفع و نقصان مساوی ہو گا یا نہیں۔ اور جب دوسرا گروہ اختیار ہو گا وہ اس انتظام کو جو پہلے گروہ نے کیا ہے جائز رکھیگا۔ یا نہیں۔ المختصر اونکی ساری حکمت اوس بیدل نوکر کی سی ہے جو اپنے آقا کی بیماری میں بیمار دار تھا۔ آقا نے نوکر سے کہا میں بیمار ہوں۔ جاؤ ڈاکٹر کو بلا لاؤ۔ نوکر نے جواب دیا ڈاکٹر شاید اس وقت مکان پر نہ ملے مالک نے کہا میں جانتا ہوں وہ گھر ہی پر ہے۔ نوکر نے جواب دیا اگر وہ گھر پر ہے تو شاید آئے یا نہ آئے۔ مالک نے کہا وہ ضرور آئیگا۔ نوکر نے جواب دیا شاید اوس کے پاس دوا نہ ہو۔ مالک نے کہا اوسکے پاس دوا ہے۔ نوکر نے عرض کیا کہ جناب آپ جانتے ہیں کہ موت یقینی چیز ہے اور ممکن ہے کہ اتنی جہت

کے بعد بھی دو کچھ فائدہ نہ کرے۔ پس جب قسمت میں مرنا  
ہی ہے تو کیا مصالحتہ اگر چند دن آگے مرے یا بعد۔

میں گورنمنٹ ہند کو الزام نہیں دیتا۔ کیونکہ اوہوں نے  
قوم افغان کی دوستی سے اب تک کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اسلئے  
کہ کسی نہ کسی پارٹی کی غلطی سے بجائے نفع اوٹھیں افغانوں  
کی دوستی میں ہمیشہ خسارہ رہا۔ جنگ و جدل ہوا کی اور بہت

سی جانیں تلف ہوتی رہیں خصوصاً امیر شیر علی خان و یعقوب خان  
کی بدسلوکی کے بعد اوٹھیں کسی امیر پر زیادہ بھروسہ نہیں  
ہو سکتا۔ علاوہ ان بدگمانیوں کے ایک دوسرے کے اتحاد  
میں اور بہت سے امور مانع ہیں۔ یہ سب جانتے ہیں کہ مشرقی  
خیالات اور معاملہ فہمی کا طریقہ مغربی طریقہ سے بالکل الگ ہے  
اور دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ علاوہ ازیں اسنے  
لوگ مفسدہ پروازی پر تھے کہ اگر مار کو سٹ آت رہیں

سا دور اندیش شخص اور سر الفزڈ لائل (فارن سکریٹری) و سر  
 ڈالڈ اسٹوارٹ (کمائنڈرا پنچیف) و سر پبل گرiffin اور دوسرے  
 دانشمند عہدہ داران گورنمنٹ ہند سمجھ سے کام نہ لیتے اور مین  
 بھی روسیوں کے وعدوں سے جو امیر شیر علی اور یعقوب خان  
 کی تباہی کا باعث ہوئے پورا واقف نہ ہوتا تو مفسدین کا فقرہ  
 چل جاتا اور ہم دونوں مین لڑائی ٹھن جاتی۔ امیر شیر علی خان  
 جو تمام دوست و احباب سمیت افغانستان سے جلا وطن ہو کر  
 ہندوستان مین پناہ گزین تھے ہمیشہ گورنمنٹ ہند کے  
 عہدہ داروں سے میرے خلاف مین غمازی کیا کرتے تھے  
 اس کے علاوہ چند افغانی سردار جنہیں ملک مین لوٹ مار اور  
 جنگ و جدل کی عادت تھی اونھیں میرے ہاتھوں اپنی بدنامی  
 کی سزا پانا کب گوارا تھا لہذا اونھوں نے یہ وتیرہ اختیار کر لیا  
 تھا کہ جھوٹے قصے گھڑ کر گورنمنٹ ہند کو بدظن کریں۔ مثلاً وہ یہ

کہتے تھے کہ امیر اون تمام لوگوں کو مارے ڈالتے ہیں۔ جو  
 دولت برطانیہ کے دوست ہیں یا جنھوں نے خیر خواہی کی ہو۔  
 ان جوٹی باتوں سے خواہ مخواہ عہدہ داران گورنمنٹ ہٹ  
 کے دلون پر کچھ اثر ہوتا تھا۔ گو مارکوس آف رپن اور انکے  
 مشیر اورین ہمیشہ یہ چاہتے تھے کہ کوئی شکر رنجی نہ ہونے  
 پائے تاہم مین نے یہ ضروری خیال کیا کہ میرے اور وائس رے  
 ہند کے درمیان ایک ملاقات ہونا چاہیے تاکہ دونوں کے  
 دلون سے سارے شکوک رفع ہو جائیں ایسی ملاقات مین ہم  
 زبانی اون ضروری امور کو طے کر سکتے ہیں جو تحریراً نہیں طے  
 ہو سکتے مگر افسوس ہے کہ اس وقت تک اس ملاقات کی نوبت نہ  
 آئی۔ جب تک کہ مارکوس آف رپن ہندوستان سے روانہ ہو گئے  
 اور اون کی جگہ لارڈ وفرن تشریف لائے۔ اس وقت بعض اور امور  
 ایسے پیش آئے جنکی وجہ سے یہ ضرور ہوا کہ مین جلد وائس رے



ہند سے ملوں نہ صرف اظہار دوستی و خلوصیت مقصد و تہا۔ بلکہ کچھ  
اہم معاملے درپیش تھے۔ جنکے متعلق بحث کرنا ضرور تہا۔ یہاں  
معاملات حسب ذیل تھے۔

روسیوں نے اپنے اعتبار و ن کے ذریعہ سے یہ قواہ  
اوڑائی تھی کہ انگریزوں نے کابل کو امیر عبدالرحمن خان کی  
دوستی کیوجہ سے نہیں چھوڑا بلکہ ملک سے بہاگ گئے  
لہذا میں چاہتا ہوں کہ خود ہندوستان جا کر وائسرائے سے  
دوستانہ ملاقات کروں تاکہ دنیا کی نظر میں ہماری دوستی پوشیدہ  
نہ رہے۔ جب وہ دیکھیں گے کہ امیر افغانستان ایک خود مختار  
حکمران بلکہ معظمہ کے جانشین اور ملک معظمہ کے فرزند و لبند  
کی ملاقات کیلئے اپنا ملک چھوڑ کر اور صرف چند باڈی گارڈ  
ہمراہ لیکر ہندوستان گیا۔ تب اوہ نہیں یقین ہوگا کہ بلاشبہ  
ان دونوں قوموں میں بڑی دوستی ہے اور ایک دوسرے

پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس تدبیر سے تمام افواہوں کی تکذیب ہو جائے گی۔ اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ میری گورنمنٹ میں اور انگلستان میں حقیقی دوستی ہے اور اس سے گورنمنٹ برطانیہ کی توفیر و تمکین بڑھے گی۔ ہندوستان اور افغانستان کی قوت و حفاظت اسی میں ہے کہ ان کے باہمی تعلقات عام طور پر ظاہر ہو جائیں۔

۱۸۵۵ء کے قبل روس کو ہندوستان پر حملہ کرنے میں چار چیزیں حائل تھیں۔ اولاً بخارا اور خیوا کا صحرا سوائے قی و دوق۔ ثانیاً پامیر۔ تیسرے ایران۔ چوتھے ہرات۔ چونکہ میں روس کی سازشوں سے خوب واقف تھا برسوں وہاں رہ چکا تھا۔ میں نے گورنمنٹ ہند کو اس سے متنبہ کیا اور اسے آگاہ کیا کہ روس کی چالوں سے ہوشیار رہو۔ اور افغانستان و ہرات کے مشرقی و مغربی سرحدوں کے استحکام کی طرف متوجہ ہو۔ مگر افسوس ہے کہ

کسی نے میرے مشورہ پر کچھ عمل نہ کیا۔ بعض عہدہ دار تو ایسے تھے کہ جنہیں روس کی پیش قدمی ہی کا شک ہوتا اور روس کے وعدوں اور معاہدوں پر پورا اعتبار کئے ہوتے تھے تاہم روسیوں نے صحرائے خیوا کو عبور کر کے مرو اور سارخ پر قبضہ کر لیا جو افغانستان کے پہاٹک خیال کئے جاتے ہیں اور ترکستان سے سینٹ پیٹرس برگ تک برابر ریل اور جہاز کے راستے کہل گئے۔ بغرض قیام فوج انہوں نے مرو اور سارخ کو خوب مستحکم کیا۔ بعد ازاں دریائے جیچون کی طرف سرگرمی سے متوجہ ہوئے۔

اس زمانہ میں برطانیہ اعظم اور فرانس کے تعلقات بہت نازک حالت میں تھے۔ اس لئے کہ برطانیہ اعظم نے برما اور مصر پر قبضہ کر لیا تھا۔ روس افغانستان کی طرف بڑھنے کے لئے محض ایک حیلہ ڈھونڈ رہا تھا اسے یہ اچھا موقعہ ہاتھ آیا ایسی

حالت میں یہ ضرور ہوا کہ مین جلد وایسراے ہند سے ملکر یہ  
 پیچیدہ معاملات زبانی طے کروں۔ اور سرحد افغانستان کی قلبندی  
 کا انتظام کراؤن تاکہ اگر روس حملہ کرے تو مین اس کے مقابلہ کیلئے  
 تیار رہوں خط و کتابت میں بجز تصنیع اوقات کے اور کچھ نتیجہ نہ نکل  
 سکے گا۔ چنانچہ باوجود میری متواتر تنبیہوں کے روس نے ۱۸۸۵ء  
 میں پنچدہیم پر قبضہ کر ہی لیا جو میرے ملک مین داخل تھا۔ اور اگر  
 مین نے روسیوں کے ساتھ پہلے ہی سے افغانستان کا  
 مسئلہ طے نہ کر لیا ہوتا تو غالباً وہ اور چند مقامات پر قبضہ کر لیتے۔  
 اس مقام پر یہ بیان کرنا ضرور ہے کہ روسیوں کی رفتار گواہستہ  
 و مستقل ہے مگر مضبوط اور غیر متبدل۔ جب وہ کوئی کام کرنے کا  
 ارادہ کر لیتے ہیں تو پھر نہ رکتے ہیں نہ اپنی رائے بدلتے ہیں۔  
 اس کے یہاں ایسا نہیں ہے جیسا کہ اور ملکوں میں ۵

رفت منزل بدگیری پرواخت

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت

اونکی چال ہاتھی کی چال سے مشابہ ہے جو دوسرا قدم بڑھانے  
 کے لئے پہلے زمین کو دیکھ بھال لیتا ہے اور جب ایک قدم اپنا  
 قدم وہاں رکھ دیا تو پہر پیچھے نہیں ہٹتا اور جب تک پورا بوجھ  
 پہلے قدم پر ڈال نہ لے اور جو کچھ پاؤں کے نیچے آوے اسے  
 سمار نہ کرے دوسرا قدم بڑھانے میں جلدی نہیں کرتا۔ روس  
 ساٹھ برس سے ہندوستان کی طرف آ رہا ہے مگر آہستہ آہستہ  
 اور استحکام کے ساتھ۔ اس نے کسی مقام پر قبضہ نہ کیا۔ جب تک  
 کہ پہلے کامیابی کا یقین نہ کر لیا۔ جب وہ کسی مقام پر قبضہ کرتا  
 ہے تو ابتداءً صلح اور امن رکھنے کی بابت بہت کچھ شور و غل مچاتا  
 پھر نئے عہد نامے اور اقرار نامے لکھتا ہے اور صد ہا قسم کے عہد  
 و پیمان کرتا ہے اور قسمیں کراتا ہے کہ اب آگے نہ بڑھیں گے۔ یہ  
 عہد و پیمان صرف اس وقت تک قائم رہتے ہیں۔ جب تک  
 وہ اس نئے مفتوحہ مقام کو اچھی طرح قلعہ بندی سے مستحکم نہ

کر لے اور وہاں فوج نہ رکھ لے اور سارے ملک پر اپنا اختیار نہ پھیلا لے۔ اسکے بعد وہ سارے عہد و پیمان بالائے طاق کر کے آگے بڑھتا ہے اور دوسرا مقام لیتا ہے۔ جو پہلے مقام سے قریب ہو۔ اتنا زیادہ آگے نہیں بڑھتا کہ پھر پلٹنے کی ضرورت ہو جب اس مقام پر بھی پورا مسلط ہو جاتا ہے تب اور آگے بڑھتا ہے اور سارے عہد نامے و اقرار نامے طاق پر دہرے رہتے ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بغیر کسی عذر کے عہد و پیمان توڑتا ہے۔ یہ تو مثل مشہور ہے کہ عہد و پیمان توڑنے ہی کے لئے توڑتے ہیں۔ جب کوئی قومی سلطنت عہد و پیمان توڑنا چاہتی ہے تو اسے عذر پیدا کرنے میں کچھ دیر نہیں لگتی اور یہ کہا جاتا ہے کہ فلان کنزور قوم کی بدسلوکیوں کی وجہ سے یہ بالکل جائز تھا۔ ان معاملات پر مجھے ایک نقل یاد آئی جو یہاں لکھتا ہوں۔

ایک گرسنہ یہ سچھ نے ایک گوسفند نوکر رکھا کہ تمام جانوروں کا

سراغ لگائے۔ اور جہان وہ رہتے ہوں وہاں او سے لیجائے  
ان دونوں میں عہد و پیمان یہ ہوا کہ ریچھ گو سفند کو جو اس کا رہبر اور  
مشیر رہے نہ کہا یگا۔ جب ریچھ سارے جنگل کے جانور چٹ کر چکا۔  
اوسوقت بجز گو سفند کوئی باقی نہ رہا۔ تب ریچھ نے جہنچلا کر گو سفند  
سے کہا کہ میں تجھے کہاؤں گا۔ اس لئے کہ تو نے میری توہین  
کی اور وہ عہد و پیمان ٹوٹ گیا۔ بیچارے گو سفند نے اوسکی طرف  
دیکھ کر یہ عرض کیا۔ حسنو میری کیا مجال جو میں آپکی توہین کر دوں۔  
ریچھ نے جواب دیا کہ تمہارے باپ نے میرے باپ کی توہین  
کی تھی۔ گو سفند نے عرض کیا کہ اسکا کوئی ثبوت نہیں اسلئے کہ ہم  
دونوں کے والد مر چکے۔ ریچھ نے جواب دیا کہ فلان نے مجھسے  
ایسا بیان کیا۔ گو سفند نے عرض کیا وہ آپ سے جھوٹ بولا۔ مجھ  
سکرے کچھ بہت ہی غضبناک ہوا اور کہا اب بیشک تو نے میری  
توہین کی کہ میرے سامنے میرے دوست کو جھوٹا کہا۔ یہ کہہ کر

وہ پیارے گوسفند پر آگرا اور اس سے چٹ کر گیا۔

دوسرا امر جو اس ملاقات کا باعث ہوا یہ ہے کہ مین نے انگلش گورنمنٹ سے یہ عہد کیا تھا کہ مین بنیراؤن کی اطلاع و مشورہ کے روس سے یا کسی اور سلطنت سے خط و کتابت نہ کروں گا۔ اور اس کے عوض مین انگلش گورنمنٹ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر کوئی غیر سلطنت میرے ملک پر حملہ آور ہوگی تو وہ میرے ملک کی حفاظت کریگی۔ پس برٹش گورنمنٹ کے ساتھ میرا یہ عہد یہ بیان تھا اور گورنمنٹ روس سے مین نے کل تعلقات قطع کر لئے تھے مگر وہ مجھے اپنا مہون منت سمجھتے تھے اس لئے کہ اتنے دنوں اون کے یہاں رہا اور اون کا نمک کھایا۔ اور ادھون نے مجھے افغانستان آئینکی اجازت دی جسکی وجہ سے مجھے سخت کابل ملا اس میں شک نہیں کہ روسیوں نے اپنی طرف سے مجھے کابل بھیجا۔ اور بالذات مین اونکا بہت ممنون ہوں اور کہی اون کا



احسان بھول نہیں سکتا اس لئے کہ احسان فراموشی بدترین گناہ ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی مین یہ بھی کہو گنا کہ مین اوس ذاتی احسان کے عوض مین اپنا ملک اور اپنی رعایا روسیوں کے ہاتھ بیچ نہیں سکتا یہ ملک اور قوم خدا نے میرے سپرد کی ہے۔ اور مین اس لئے مقرر ہوا ہوں کہ اوسکی مخلوق کی نگرانی اور حفاظت کروں۔ اگر کوئی سنتری یا گارڈ وہ مال جو اوس کی حفاظت اور امانت مین دیا گیا ہو اپنے دوستوں کے حوالے کر دے تو اوس کے لئے بڑی شرم کی بات ہے۔ کوئی سنتری جب تک اوس کے تن مین جان۔ بندوق کے لئے کار توں۔ اور کاٹنے کے لئے تلوار ہے کہی ایسا نہ کرے گا۔ پس یہ قطعی امر تھا کہ روس میرے انگریزوں سے لمبائے پر ناراض ہو۔ جو چیز معاہدوں اور وعدوں کو قائم رکھتی ہے وہ ایمانداری اور عزت کا خیال ہے جو خدا نے ہمارے دلون مین پیدا کیا ہے ورنہ عہد نامہ بارما ٹوٹے

ہین اور ٹوٹ سکتے ہین اس کی مثالین دنیا میں کم ہین۔ اگر عہد نامے سے یہ مراد ہے کہ اپنے قول و ایمان پر قائم رہو تب تو عہد و پیمان خواہ زبانی ہو یا تحریری دونوں مساوی ہین۔ چنانچہ جو عہد و پیمان ۲۰ جولائی ۱۸۵۷ء کو سر مل کر لیفٹن نے میرے ساتھ کیا وہ زبانی تھا۔ اور جسکا مقصد یہ تھا کہ گورنمنٹ ہند اٹھائیس ہندوستان کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔ اگر کوئی غیر سلطنت بلا وجہ اس پر حملہ کرے گی تو گورنمنٹ ہند اسے بچائے گی۔ مین اس زبانی عہد و پیمان کو بالکل کافی سمجھا۔

بعض عہدہ داروں کی رائے تھی کہ یہ عہد و پیمان ایک باقاعدہ عہد نامے کی صورت میں نہیں کیا گیا۔ اس لئے مین نے ۱۸۵۳ء میں بارکوئس آف پرنس سے اس دست آویز کی باضابطہ تصدیق کرائی مگر اسپر بھی مین یہ چاہتا تھا کہ خود وائسرائے ہند کی زبان سے صاف الفاظ میں اس کی تصدیق کراوون اور بغرض اطلاع عام ایک دربار عام میں اسکا اعلان اور تصدیق ہو جائے اسلئے

مین والیہ رائے سے ملنا چاہتا تھا تاکہ اس امر کے متعلق جو کچھ شکوک ہوں وہ رفع ہو جائیں۔

روس اور افغانستان میں کبھی جنگ نہیں ہوئی اور ان دونوں قوموں نے کبھی ایک دوسرے کو قتل نہیں کیا۔ کبھی ان دونوں میں کوئی دشمنی نہ تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ اب بھی نہیں ہے پھر روس کو افغانستان پر حملہ کرنے یا افغانی معاملات میں دخل دینے کی کوئی وجہ نہیں بجز اسکے کہ افغانستان برطانیہ اعظم کا دوست ہو گیا ہے اور روس کرساتھ اوسنے اپنے تعلقات قطع کر لئے ہیں۔ اور روس اور ہندوستان کے درمیان حائل ہے اور روسیوں کو ہندوستان پر حملہ کرنے میں سدراہ ہے پس جس حالت میں کہ اوسکو افغانستان پر حملہ کرنے کے لئے محض یہ وجہ ہے کہ افغانستان اور انگلستان میں اتحاد قائم ہے تو انصاف یہ چاہتا ہے (خواہ کوئی عہد نامہ ہو یا نہ ہو) کہ انگلستان افغانستان کی حفاظت اور اعانت کا ذمہ دار ہو اور یہ دونوں قومیں ایک

ساتھ کھڑے ہو کر مقابلہ کرین یا ایک ساتھ ہسپا ہون اور دشواریوں کے وقت انگلستان افغانستان کا ساتھ دے اور اپنے وعدہ پر قائم رہے اور اگر لگر کو دخل نہ دے۔

چنانچہ لارڈ دفرن نے (جن سے بڑھ کر کوئی دانشمند مدبر حکمران کبھی ہندوستان میں نہیں آیا) یہ ضرورت دیکھی کہ مجھے ملاقات کرنا ایک ضروری امر ہے۔ چنانچہ جس وقت انہوں نے گورنمنٹ ہند کا چارج لے لیا۔ میں نے فوراً ملاقات کی تجویز کی۔ انہوں نے اس ملاقات کے لئے شہر اولپنڈی تجویز کر کے مجھے مدعو کیا کہ وہاں آؤں میں اس سے بڑھ کر اور کیا چاہتا تھا فوراً ہندوستان کو روانہ ہوا۔ ۳۱ مارچ کو وہاں پہونچا۔ بڑی شان و شوکت سے میرا استقبال کیا گیا۔ وائسرائے ہند مع لیڈی ڈفرن و ڈیوک و ڈچر آف کناٹ اور بہت سے معزز عہدہ داران گورنمنٹ ہند و الیان ملک بڑے خلوص کے ساتھ مجھ سے

پیش آئے۔ ملاقات کا منشاء پورا ہوا اور مین ۱۲ اپریل کو راولپنڈی سے کابل واپس آیا۔ مجھے اور ویسٹ رائے ہند سے جو گفتگو ہوئی وہ بغرض اطلاع اہل افغانستان ایک چھوٹے سے رسالہ کی صورت میں طبع ہو کر شایع کی گئی۔ اس کا تفصیلی اعادہ بیکار ہے مگر مین چند باتوں کا ذکر کر دوں گا۔

اس ملاقات سے ہمارے دوستانہ تعلقات ایسے مستحکم ہو گئے اور سارے شکوک اس طرح دور ہو گئے۔ کہ لارڈ ڈفرن کے زمانہ میں میرے اور ان کے درمیان پھر کوئی شکر رنجی نہ واقع ہوئی۔ جو کچھ جموٹی باتیں میرے متعلق گورنمنٹ ہند سے بیان کی گئیں تھیں۔ ان کی تکذیب ہو گئی۔ اور دونوں قوموں کی دوستی و نیا پر اعلان کر دی گئی۔ جو امور تحریر نہ ہو سکتے تھے وہ زبانی طے ہو گئے۔ یہ امور افغانستان کی شمالی و مغربی سرحدوں کی قلع بندی کے متعلق تھے۔ ویسٹ رائے نے مجھے ایک بڑا توپ خانہ اور

بند و قین اور نقد روپیہ دیا اور یہ وعدہ کیا کہ جب ضرورت ہوگی اور زیادہ مدد کی جائے گی۔

اس سے روس کی رفتار رک گئی۔ مین نے ویسراے کو یاد دلایا کہ باوجود میرے متواتر اطلاعوں اور پیشین گوئیوں کے جو مین نے روسیوں کی رفتار کے متعلق کی تھیں۔ کسی نے کچھ اعتنا نہ کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ روسی اون چار صدوں مین سے جو اونکی راہ میں حائل تھیں ایک کوٹے کر گئے یعنی وہ بخارا اور خیوا کے صحرا کو عبور کر آئے اور مرو اور سارخ پر قبضہ کر لیا اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ میرے اس اشارے قیام میں اونھوں نے پہنچد سیہ بھی لے لیا۔ جو میرے ملک میں شامل تھا۔ اسکے بعد وہ پامیر پر قبضہ کرین گے اور تیسری چال اون کی یہ ہوگی کہ ایران پر مسلط ہو جائیں گے بعد ازاں وہ ہرات یا کسی اور افغانی شہر پر جو اونکے مناسب ہوگا حملہ کرین گے۔

پس ہلکو چاہیے کہ اون سے پہلے پامیر پر ہم قبضہ کر لیں۔  
 مگر افسوس ہے یہ کچھ نہوا اور آج روس پامیر پر قابض ہیں میرٹھی شین  
 گوئی سب سچ ہوئی۔ لارڈ دفرن نے یہ جواب دیا کہ اب ہرات اور  
 شمالی و مغربی سرحدوں کی حفاظت کیلئے آپکو ہر طرح کی مدد بجائیگی۔  
 روپیہ پیشہ ہتیار سامان جنگ انجنیئر یا انگریزی افسر جو کچھ درکار ہونگے  
 آپکو دے جائینگے اور اگر روس نے ہرات پر حملہ کیا تو برطانیہ  
 اعظم ہر طرح چہر اوس کے تدارک کیلئے تیار رہیگا۔ ہم نے اسکے  
 لئے سب تیاری کر لی ہے۔ بعد ازان وائیسرائے نے صفات  
 الفاظ میں یہ بھی کہا کہ افغانستان کی سلامتی کی پوری حفاظت  
 یکجائے گی اور اگر کوئی غیر سلطنت بلاوجہ حملہ کرے گی تو اوس کا  
 مقابلہ کیا جائے گا۔

مین نے بہت شکریہ کے ساتھ اونکے تمام عطیوں کو قبول  
 کیا مگر انجنیئرز اور انگریز افسروں کی مدد لینے سے انکار کیا

اسلئے کہ اس قسم کی مدد میرے لوگ پسند نہ کریں گے۔ میں نے  
اون کی تقریر کے جواب میں یہ کہا کہ جب تک انگریز اپنے  
قول پر قائم رہیں گے مجھے راستہ باز پائین گے۔

۸ اپریل کو ایک دربار عام منعقد ہوا جس میں میرے ایک طرف  
ملکہ معظہ کے جانشین مارکوٹس آف ڈفرن و آدا استادہ تھے  
اور دوسرے طرف ملکہ معظہ کے فرزند ڈیوک آف کنٹ۔ میں نے  
اوس وقت سب کے سامنے گورنمنٹ ہند کے اس وعدہ کا اعلان  
کیا کہ وہ افغانستان کی وقعت عزت اور حفاظت کی ذمہ دار ہے  
میں نے اس لئے اسکا اعلان کیا کہ حاضرین دربار اور ساری دنیا  
کو یہ عہد و بیان معلوم ہو جائیں جو برطانیہ اعظم نے میرے ساتھ  
کئے ہیں یعنی اگر کوئی سلطنت میرے ملک پر حملہ کرے گی تو اوس کے  
روکنے کیلئے برطانیہ اعظم ذمہ دار ہے اور میں نے یہ بیان کیا  
کہ اس کے عوض میں میں اپنے وعدہ پر قائم رہوں گا اور برطانیہ



اعظم کے ساتھ میری دوستی سچی اور بے ریا ہو گی۔ لارڈ فرن  
 نے اسکا اقبال کیا۔ ۶ اپریل کو میرے ملاحظہ کے لئے فوج  
 کی پریڈ قرار پائی۔ چونکہ میں خود تمام عمر سپاہی رہا ہوں میں کہہ سکتا  
 ہوں کہ بڑش گورنمنٹ کے پاس بہت ہی عمدہ فوج ہے۔ میں نے  
 اوسکی بہت تعریف کی اور کہا کہ جس قوم کے پاس ایسی فوج ہو  
 اوسے کسی سے ڈرنا نہ چاہیے۔ اوسی روز شب کو ایک ڈنر  
 دیا گیا جس میں وائسرائے نے میرا جام صحت پیا میں نے  
 اوس کے جواب میں یہ کہا کہ خدا قیصر ہند کی عمر میں برکت دے  
 اور اوس کی حکومت اوسکا خاندان اوسکے تمام خیر خواہوں کو  
 قائم و سلامت رکھے جن پر افغانستان کی حفاظت کا دار مدار ہے  
 میں نے اس بات پر مکرر زور دیا کہ روس یقیناً پامیر پر قابض  
 ہو جائے گا۔ اور یہ بات میں نے ۱۸۸۶ء میں بھی کہی تھی۔  
 جب روس اور افغانستان کے درمیان شمالی مغربی سرحدوں کا

کا معاملہ درپیش تھا۔ مین نے اوس وقت یہ رائے دی تھی کہ قبل اس کے کہ روس پامیر پر قبضہ کرے یہ سرحد خواجہ سالار سے آگے بڑھا کر پامیر اور چترال تک قائم کی جائے۔ مگر ایسا نہ کیا گیا اور روسیوں نے پامیر لے لیا۔ اب اس وقت میری تیسری پیشین گوئی بھی پوری ہو رہی ہے وہ یہ کہ روسیوں نے ایران میں بھی اپنا زور بٹھا لیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ شاہ ایران سے ایک ریل بنانے کی اجازت حاصل کر لیں گے جسے صحرائے سیدستان سے قندھار اور کیٹہ تک لائیں گے۔ بعد ازاں خلیج فارس میں بھی اپنا قدم جما دیں گے۔

۱۸۸۹ء میں جب مین ترکستان میں تہائی میں نے لارڈ لینڈٹون وائسزائے ہند کو آگاہ کیا کہ اب اچھا موقع ہے اگر افغانستان کے شمالی مغربی سرحدوں کی قلعہ بندی کر دی جائے اور روسیوں کے حملے کی حفاظت کے لئے برابر توبہ میں چڑھا دی جائیں۔ اگر روسی

کوئی اعتراض کریں گے تو میرے پاس نہایت معقول عذر موجود ہے۔ اس لئے کہ میرا ملک اس وقت ایک غیر مطمئن حالت میں تھا۔ اور میں خود وہاں موجود تھا۔ مگر حسب معمول میرے کہنے کا کچھ اثر نہ ہوا اور اب وہ وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ کیونکہ اب اگر ایسا کیا جائیگا تو روسی یہ کہیں گے آپ کیوں اپنی فوج سرحد پر جمع کر رہے ہیں۔ اور تو بہین چڑھا رہے ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ میں روسیوں کی تمام چالوں اور تدبیروں سے جو مشرق میں اونکی ملک گیری کے متعلق ہیں اور اونکے دل کے راز ہیں پورا واقف ہوں مگر میرے کہنے کی کچھ پرواہ نہیں کی جاتی اور کوئی مطلق اعتنا نہیں کرتا کہ میں کیا کہتا ہوں۔ معلوم نہیں کہ برٹش افسر بالکل نادان واقف ہیں۔ یا اس قدر محتاط ہیں کہ کچھ کر نہیں سکتے۔ میں لیڈی ڈفرن سے ملکر بہت محفوظ ہوا۔ میں نے کبھی ایسی لایق عورت نہیں دیکھی۔ ڈیوک اور ڈچز آف کناٹ پراونکی

ہندوستانی رعایا جان دیتی ہے۔ ڈیوک آف کنٹ ایک  
 نہایت نیک دل خوش خلق راست باز اور مستعد سپاہی ہیں۔ کوئی  
 تعجب نہیں کہ ساری فوج ایسے افسر کی پرستش کرے۔

اس ملاقات میں ایک چیز قابل افسوس میری نظر سے گزری  
 جس سے مجھے بہت رنج ہوا۔ وہ چیز یہ تھی کہ مین نے پنجاب  
 کے راجاؤں اور نوابوں کو کچھ عجب حالت میں دیکھا۔ وہ بیچارے  
 مثل سورتوں کے لباس پہنے تھے اور جسطح عورتیں عموماً زیور پہنتی  
 ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی بالوں میں ہیروں کی پینیں لگائے  
 کاٹون میں بالیان پہنے ہاتھوں اور گردنوں میں تمام زیور پہنے  
 ہوئے تھے۔ انکے پانچاموں کے پانچوں میں بھی جواہرات  
 لگے تھے۔ انکے بند میں گنگرولگی تھے جو سامنے پاؤں تک  
 لٹکتے تھے۔ وہ جہالت کا اہل اور تعیش میں غرق معلوم ہوتے تھے  
 انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور نکو راہ چلنا دشوار تھا

کیونکہ یہ سمجھ کر پیدل پھرنے میں نشان جاتی ہے اور نچین کبھی پیدل  
 چلنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ سارا وقت شرابخواری یا چانڈ و بازی میں  
 گزرا تھا۔ مجھے ان بیچاروں کے حال پر بہت ترس آیا جنہیں  
 میں اوّل بھی سمجھا کہ زنانے ہونگے۔ اور میں نے اس غریب  
 رعایا کے حال پر افسوس کیا جو ایسوں کے ہاتھ سے انصاف  
 اور ملک کے انتظام کی متوقع ہے۔

میں نے اس ملاقات سے ایک اور سبق حاصل کیا وہ یہ کہ  
 بنگلے اور میرے بیٹوں کو اور میرے عہدہ داروں کو انگریزوں  
 سے ملنے جلنے کا جتنا زیادہ موقع ملیگا اوتنا ہی اچھا ہوگا۔ اسلئے  
 کہ مجھے معلوم ہوا کہ ایسے افسر جیسے لارڈ ڈفرن اور بہت سے  
 دوسرے عہدہ دار جنے میں وقتاً فوقتاً مل چکا تھا ان سے بہت  
 دوستی ہو گئی۔ پس ایسی حالت میں جب قدر زیادہ آپس میں روابط  
 بڑھیں گے اوتنا ہی ایک دوسرے کی نسبت حسن ظن ہوگا۔ اور

معاملات آسانی سے طے ہونگے۔ مین نے یہ بھی خیال کیا کہ ایسے  
روابط سے وہ قدیم تعصبانہ خیالات دور ہو جائیں گے اور ہماری  
دوستی اور زیادہ موثر ہوگی اس لئے کہ لوگوں کو ہمارے خلاف  
مین بائین بنانے کا موقع نہ ملے گا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بعض  
امور زبانی ہی طے کرنا بہتر ہے۔

مین نے ارادہ کیا کہ خود انگلستان جاؤں اور وقتاً فوقتاً  
اپنے وکیل بھیجا کروں اور گورنمنٹ افغانستان کے لئے انگریزوں  
اور انگریزوں کو نوکر رکھوں تاکہ لنڈن اور کابل میں راہ درسم  
اور زیادہ ہو۔ اس طریقہ سے دونوں قومیں آپس میں زیادہ میل  
جول پیدا کریں گی۔ مگر افسوس ہے کہ جب قدر مین انگلستان اور کابل  
کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے کی کوشش کرتا ہوں۔  
اوسى قدر بعض انگریز عہدہ دار علیحدہ اور دور دورہ کہنے کی کوشش  
کرتے ہیں۔

لارڈ ڈفرن کی وائسرائلٹی کے آخر زمانہ میں بعض معاملات  
 ایسے پیش آئے جنکو مجھے بالذات طے کرنیکی ضرورت ہوئی چنانچہ  
 اس غرض کے لئے ایک مشن کابل کو بلایا گیا۔ مگر اسکے آئینکا اتفاق  
 ہوا تاہم ایک ماہ نومبر ۱۸۸۸ء میں لارڈ ڈفرن ہندوستان سے روانہ  
 ہو گئے۔ جن کے جانے کا سلطنت ہند کے کل دو ستون اور تمام  
 رعایا کو بہت افسوس ہوا۔ ایسا دانشمند متبر و وائسرائے انہوں نے  
 کب دیکھا تھا۔ ادن کی رخصت کے وقت جو ملال ہوا وہ عالمگیر  
 تھا۔ ہندوستان میں لیڈی ڈفرن کا قیام بھی اوتکے شوہر سے  
 کچھ کم قابل قدر نہ تھا۔ انہوں نے ہندوستان کی عورتوں کیلئے  
 زمانہ شفا خانہ کی بنا ڈالی۔ اور بائوتن سے قطع نظر کر کے دیکھو تو  
 انہوں نے محض یہ کام ایسا کیا ہے کہ تاریخ ہند میں اونکا نام ہمیشہ  
 باقی رہے گا۔ کہ ایک عورت ایسی گدڑی جس نے اپنے بچپن کے  
 سلمہ اتنی ہمدردی ظاہر کی کہ اوس سے پہلے کسی اور عورت سے

نہ ظاہر ہوئی۔

لارڈ لینڈاؤن ہندوستان کے وائسرائے مقرر ہوئے  
 اس تاریخ سے افغانستان اور برطانیہ اعظم کے درمیان پھر دشوار  
 اور غلط فہمیان شروع ہوئیں۔ مین اس کتاب میں اذن کی تفصیل  
 نہ بیان کروں گا۔ اس لئے کہ اولیٰ تو یہ کتاب اتنی بڑی نہیں کہ اذن  
 حالات کے لئے کافی ہو دوسرے اونکا علانیہ اظہار کرنا مناسب  
 ہی نہیں۔ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ اس زمانہ میں وہ بڑے بڑے  
 صلح جو لوگ جو وائسرائے کے مشیر تھے جیسے سر ڈانلڈ اسٹوارٹ  
 کمانڈران چیف یا اور عہدہ دار جن کے نام لینا میں نہیں چاہتا کہ  
 مبادا لوگ مجھے خوشامدی کہیں سب کے سب ہندوستان  
 سے جا چکے تھے۔ میرے سفیر جنرل امیر احمد خان بھی اس دنیا سے  
 کوچ کر چکے تھے جو ہندوستان میں تین وائسرائےوں کے زمانہ میں  
 سفیر رہے اور اپنی عقل و تجربہ سے رشتہ اتحاد کو مضبوط کر کے



لارڈ رابرٹس کمانڈان چیف مقرر ہوئے اور وہ پیشتر و اصول  
 (فاروارڈ پالیسی) کے بڑے موید تھے۔ گورنمنٹ ہند نے ان  
 سرداروں کے ساتھ جو سرحد افغانستان پر رہتے تھے چیمپ چارٹ  
 شروع کی اور جو جکسل مین ایک بہوار ابنا کر اپنی ریل سرحد افغانستان  
 کے پاس نیوچمن تک لے آئے وہاں سے اپنی فوج سرحد  
 افغانستان کی طرف بڑھانا شروع کی اور اس طرح قلعہ بندی وغیرہ کا  
 سامان شروع کیا کہ جاہل اور انپڑہ افغانوں نے یہ کہنا شروع  
 کیا کہ انگریزی ریل اب قندھار میں داخل ہوتی ہے اور انگریزی  
 فوج کابل پر چڑھائی کرنے والی ہے۔ اس وقت یہ ضروری خیال  
 کیا گیا کہ وہ سب جہاد کیلئے تیار ہو جائیں اسی عرصہ میں لارڈ  
 لینسڈاؤن کے پاس سے خطوط آئے جنکا مضمون ایسا تھا کہ  
 جسکامین کہی عادی نہ تھا۔ اور ہندوستان کے دوسرے  
 والے سراؤن سے بالکل علیحدہ کیونکہ اوہوں نے حاکمانہ لہجہ سے

مجھے لکھا کہ اپنے ملک کے اندرونی معاملات و مصالح میں مجھے  
 کیا کرنا چاہیے اور اپنی رعایا کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے  
 میں ان باتوں کو بہلاکب سن سکتا تھا اور میں اگر اسکی مکافات نکرتا  
 تو گورنمنٹ ہندیہ سمجھتی کہ اوسے میرے اندرونی معاملات میں دخل  
 دہی کا حق ہے اور یہ چیز ہمارے عہد نامے کے شرائط کی  
 رو سے بالکل خلاف تھی۔

اوس وقت میں قلعہ دہاوی کی تعمیر میں مصروف تھا جہاں سے  
 اون سرملکون کی تدنظر ہے جو روس سے ترکستان کو جاتی ہیں۔ اور  
 دوسرے شمالی قلعہ بندی کر رہا تھا۔ میرا یہ بھی قصد تھا کہ ہرات جا کر  
 وہاں قلعہ بندی کا سامان کروں اور ہرات وقتدار کے درمیان  
 جو درانی اور غلزی قبیلے بستے ہیں اون میں سے والٹیرز قراہم  
 کروں اسوقت کابل اور قندھار سے میرے پاس اس مضمون کے  
 خطوط آئے کہ انگریز اپنی ریل سرزمین افغانستان میں لارے ہیں

اور اپنی فوجیں میرے ملک کی سرحد پر جمع کر رہی ہیں۔ اوں میں یہ  
 بھی ذکر تھا کہ سرداران سرحد افغانستان جو خود مختار ہیں اور  
 اب تک خاموش رہے انہوں نے اب مخالفت شروع کی ہے۔  
 بعض لوگوں نے یہاں تک کہنا شروع کیا کہ انگریز کابل اور قندھار  
 لینا چاہتے ہیں۔ ان افواہوں سے میں متوحش ہوا اوس پر طرہ  
 یہ ہوا کہ وائسرائے کے پاس سے عجیب و غریب خط آئے۔  
 پس میرا چلا آنا وہاں بہت ضرور تھا۔ باوجودیکہ میں شمالی مغربی سرحد  
 کی فلعبدہ می میں مشغول تھا مگر مجبوراً مجھے فوراً کابل واپس جانا پڑا۔ اور  
 ۸۹۰ء کے موسم گرما میں وہاں جا پہنچا۔ میں نے سردار محمد خان  
 گورنر قندھار کو موقوف کر کے کابل بلا لیا جس نے میری سرزمین پر  
 یہ ریل تعمیر ہونے دی اور کچھ مخالفت نہ کی اور نہ اوس کی بابت مجھے  
 کوئی اطلاع دی وہ سرکاری خزانہ کا قرضدار بھی تھا۔ مگر جس زمانہ میں  
 وہ اپنے حسابات مرتب کر رہا تھا۔ اوسے کابل میں موت آگئی۔

لارڈ لینڈاؤن کی گورنمنٹ نے محض اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ اون  
 توپوں کو ہندوستان میں روک دیا۔ اور کابل نہ آنے دیا جو میں نے  
 اپنے ذاتی روپیہ سے خرید کر منگائی تھیں۔ اسکے علاوہ میرے  
 متاجروں نے اطلاع دی کہ افغانی تجارت کا خانگی مال بھی مثل لوہا۔ فولاد۔  
 اور تانبا وغیرہ سرحدی افسروں نے اس بنا پر روک دیا ہے کہ یہ  
 مال جنگی سامان بنانے کے لئے ہے جب تک اونکو افغانستان  
 کی دوستی کا یقین نہ ہو لے ایسی چیزیں افغانستان میں نہ جانے  
 دیں گے۔ اس سے بڑھ کر میری توہین اور کیا ہو سکتی تھی۔ میں اپنی رعایا  
 کی نظروں میں ذلیل ہوا۔ میری توہین روک دی گئیں۔ اور میرے  
 متاجروں کا خانگی مال روک دیا گیا جو مہذب قوموں کی تاریخ میں ایک  
 نئی بات تھی۔ اس لئے کہ تجارت کو ہر جگہ آزادی ہے۔ اگر میں  
 شیرعلی خان یا بعض سابق کے افغانی حکمرانوں کی طرح تند خو اور  
 ناتجربہ کار ہوتا تو یقیناً جنگ چھڑ جاتی یا میں مدد کے لئے روس

سے رجوع کرتا جسکا نتیجہ شاید یہ ہوتا کہ مین تباہ ہوتا اور گورنمنٹ  
ہند کو نئی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ یامین گورنمنٹ ہند کو اس  
خط کا جواب ایسا دندان شکن دیتا کہ اسے بجز اعلان جنگ کے  
کچھ چارہ نہ ہوتا۔ لیکن مین ایسا نہ تھا کہ اوہ مین ہاتھ بڑھانے کا موقع  
دون۔ مین سارے پہلو خوب سمجھتا تھا۔ مین نے یہ کچھ نہ کیا بلکہ  
مطلق بے پروائی ظاہر کی۔ گورنمنٹ ہند میری اس ادا سے کچھ ایسی  
مطمئن ہوئی کہ اس نے عین میری تشویش کے زمانہ میں جب  
میرے ملک میں ہزار اکا بوہ فروغ پر تھا۔ ایک نیا شگوفہ چھڑا۔  
یہ بوہ سارے افغانستان میں ایسا عالمگیر ہوا کہ خود میرے خانگی  
نوکر مجھے چھوڑ چھوڑ کر بلوایون میں شریک ہو گئے تھے بعض  
اہل کابل اور اہل دہراون بھی جو کابل کے اطراف میں واقع ہے  
بلوایون سے جا ملے تھے سارے ملک میں قوم ہزارا نے مجھ  
پر فوج کشی کی تھی اور اندیشہ یہ تھا کہ بوہ عام ہو جائے گا۔ ایسی نازک

وقت میں گورنمنٹ ہند سے جو مجھے مدد ملی وہ ایک قسم کا ایڈمنسٹریٹو  
تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ گورنمنٹ ہند برٹش مشن کو کابل میں بھیجنے  
کی بابت میرے غیر مستقل وعدوں کا انتظار نہیں کر سکتی۔ لہذا  
لارڈ رابرٹس کمانڈران چیف ہند مع افواج کثیر بھیجے جائینگے۔  
وہی فوج اونکی باڈی گارڈ ہوگی مجھے یہ حالت بہت نازک نظر  
آئی اس لئے کہ دس ہزار سولجروں کو مہاجن بلانا دشوار امر تھا اونکے  
استقبال کے لئے ایک لاکھ آدمی تیار کرنے پڑتے تھے مین نے  
دیکھا کہ گورنمنٹ ہند خواہ مخواہ مائل بہ فساد ہے اس لئے چپکے سے  
لارڈ سالسبری وزیر اعظم دولت برطانیہ کے نام ایک خط میں نے لکھا  
کہ اور ایک دوست کے ہاتھ اسے انگلستان بھیجا۔ اس واقعہ کی بجز  
خاص معتمدین کے اور کسی عہدہ دار کو خبر نہ ہوئی اس وقت سر جان  
گورسٹ انڈر سکرٹری اور لارڈ کراس ہندوستان کے سکرٹری  
آف اسٹیٹ تھے مین ان دونوں صاحبوں کا بہت ممنون

ہون جہنوں نے میرا خط لارڈ سالسبری کے سامنے پیش کیا۔ اور  
گو میری تمام خواہشیں پوری نہ ہوئیں۔ مگر شکر ہے کہ جنگ موقوف  
رہی۔ جو غلط فہمی یا شکریہ بخیر میری گورنمنٹ مین اور لارڈ لینسڈاؤن  
میں پیدا ہو گئی تھی۔ اوس کا فیصلہ اوس وقت تک نہوا جب تک  
لارڈ رابرٹس ہندوستان سے روانہ ہو گئے اور اون کی جگہ  
جنرل سر جارج دہانت کمانڈران چیف مقرر ہوئے اور ۱۸۹۳ء میں  
سر مارٹن ڈیوراند کا مشن کابل آیا۔ اوس کے بعد مجھے اس بات سے خوشی  
ہوئی کہ لارڈ لینسڈاؤن اور مین دوستانہ مراسم کے ساتھ ایک  
دوسرے سے رخصت ہوئے۔

افغانستان کے گذشتہ حالات پر نظر کر کے مجھے یہ بات  
معلوم ہوئی کہ اگر کوئی وائیس رائے افغانستان کے ساتھ جنگ کرنا  
چاہے تو کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ اوسے ان معاملات میں پورا  
اختیار حاصل ہے اور چونکہ پارلیمنٹ برطانیہ اعظم کو وائیس رائے

سے ایک طرف کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ لہذا وہ ہر معاملہ میں دایسر کے موافق ایک طرفہ ڈگری دیتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ امیر افغانستان کی طرف سے انگلستان میں کوئی وکیل یا سفیر مقرر نہیں جو گورنمنٹ انگلستان کو ہر معاملہ کے دوسرے پہلو سے آگاہ کرے اس لئے مجھے خواہش تھی کہ میرا ایک سفیر دایسر کے وہاں رہے۔ جیسا کہ ہمیشہ سے دستور تھا اور اس کے ساتھ ہی مجھے اختیار دیا جائے کہ گورنمنٹ انگلستان کے ساتھ بھی مراسلت کر سکوں۔

خاص کر اس امر کی ضرورت گورنمنٹ لارڈ لینسٹاؤن کے بدلہ کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ قریب تھا کہ ہم آمادہ جنگ ہو جائیں۔ میری جگہ اگر کوئی اور امیر ہوتا تو وہ روس سے مدد لیتا اور شیرعلینان کی طرح برباد ہوتا۔ یا امیر یعقوب کی طرح گورنمنٹ ہند سے ایسے وعدہ کرتا جو کسی طرح وفا نہ ہو سکتے اور یہ وعدہ گورنمنٹ ہند کی تباہی کے باعث ہوتے۔ یہ سب گذشتہ مثالیں میرے لئے ایک سبق



ہتھین اور میرے متقدمین کو جس طرزِ عمل سے نقصان پہنچا تھا میں نے  
 اوس سے متنبہ ہو کر فائدہ اٹھایا یہ امر مجھے گوارا نہ تھا کہ گورنمنٹ  
 افغانستان کسی قدر وائسرائے ہند کے تابع ہو جو بہ حیثیت ملازم  
 مقرر ہو کر آیا کرتے ہیں اور میں امیر افغانستان ہو کر بائیکچہ طفلان  
 بنون میں ہمیشہ اس فکر میں ہوں کہ کسی طرح افغانستان کو اس  
 وایمی خطرہ سے نجات دوں اس لئے کہ یہ ایک خود مختار سلطنت  
 ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ جسکے ساتھ ویسا سلوک نہ کیا جاوے  
 جیسا کہ خود مختار سلطنتوں کے ساتھ ہوتا ہے میں یہ جانتا تھا کہ  
 اگر لندن میں میری سفارت قائم ہو جائے تو افغان لوگ جو  
 اہل انگلستان کے خصائل اور دولت برطانیہ کی عظمت سے بہت  
 کم واقف ہیں۔ اپنے ہم وطن سفر کے ذریعہ سے جو لندن میں  
 رہیں گے خوب واقف ہو جائیں گے۔ اوتکے دلوں میں اہل  
 انگلستان کی طرف سے محبت پیدا ہو جائے گی۔ اور برطانیہ اعظم کے

صنایع و علوم کے سیکھنے کی طرف توجہ کریں گے اور مہذب بنیں گے جس سے باہمی رشتہ اتحاد اور مضبوط ہوگا۔ اور دونوں قومیں آپس میں شیر و شکر ہو جائیں گی۔ اس لئے اور بعض دھڑوں سے جوہ سے میں نے ارادہ کیا کہ خود انگلستان جاؤں ملکہ معظہ کی ملاقات کا شرف حاصل کروں۔ جن کی مثل کی کوئی شریعت لیڈی آج تک دنیا میں ہی تحت پر نہیں بیٹھی۔ اور اراکین سلطنت سے ملکر بعض معاملے سے اونکو آگاہ کروں۔ مجھے معلوم تھا کہ میرے انگلستان جانے اور رسم و راہ بڑھانے سے بڑے فوائد بنتے ہوں گے۔

جب سر مارٹن ڈیوراند کا بل سے انگلستان واپس گئے تو ۱۸۴۳ء کے موسم بہار میں خود انگلستان سے مجھے دعوت آئی۔ گویا میری آرزو پوری ہوئی اور میں نہایت محظوظ ہوا۔ اس باقاعدہ دعوت پر سر ہنری فاؤلر سکریٹری آف اسٹیٹ کی دستخط تھی اور مضمون یہ تھا کہ ملکہ معظہ نے بکمال عنایت مجھے مدعو فرمایا ہے کہ میں یا

میرے فرزندون میں سے کوئی اون کی ملاقات کو انگلستان  
تشریف لائے۔ اسکے علاوہ اور دوستانہ خطوط پرنس آف ویلز  
ڈیوک آف کنٹا اور دیگر اراکین دولت کے پاس سے میرے  
نام آئے جن میں مجھ سے ملنے کا اظہار مسرت کیا گیا تھا۔ مگر  
افسوس ہے کہ اسی زمانہ میں مین علیل ہو گیا اور بیماری کو اتنا طویل  
کہیا اور ایسا سخت علیل ہوا کہ میری جان کے لالے پڑ گئے  
میرے دربار کے کل ڈاکٹر مع مس ہملٹن۔ ام۔ ڈی۔ جو میرے  
معالج تھے میری بیماری سے بہت متروک ہو گئے۔

قبل اسکے کہ مین اوس دعوت کا جواب دون میرے پاس  
رائٹ آفیز بل مسٹر جارج کرزن کا (جواب لارڈ کرزن ہیں) ایک خط آیا  
جس میں انہوں نے یہ لکھا کہ "مین چترال وپا میر کی طرف بغرض سیاحت  
جار ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ آپ سے بھی ملاقات کروں اگر  
اجازت ہو تو میں آؤں" مین نے اونکو بلایا اور وہ چند روز کا بل

مین میرے مہمان رہے کئی دوستانہ ملاقاتیں ہوئیں گو وہ فارسی  
 نہ جانتے تھے اور مین انگریزی سے بے بہرہ تھا مگر میرمنشی کے  
 ذریعہ سے ہم دونوں مین بخوبی گفتگو ہوئی۔ اون کی باتوں سے یہ معلوم  
 کہ بڑے زندہ دل خوش مذاق جفاکش۔ باخبر تجربہ کار اور حوصلہ مند  
 آدمی ہیں۔ اون کی گفتگو سے ظرافت ٹپکتی تھی اور اون کی حکایتوں  
 پر خوب ہنسنے رہے۔ گو سٹرکزن کی ملاقات بالکل خانگی اور  
 دوستانہ تھی جسے کوئی سرکاری تعلق نہ تھا۔ مگر تاہم ملکی معاملات  
 کا بھی ذکر آیا۔ اور اس پر خوب مباحثہ رہے۔ مثلاً سلسلہ شمالی مغربی  
 سرحد افغانستان اور سلسلہ ولایتی کی نسبت زیادہ گفتگو رہی۔ میرے  
 بیٹے حبیب اللہ خان اور نصر اللہ خان نے بھی اپنے گھروں  
 پر انکی دعوت کی۔ اور بڑے لطف سے گزری مین اون کی ملاقات  
 سے ایسا محظوظ ہوا کہ مجھے اس بات کی اور زیادہ خواہش پیدا ہوئی  
 کہ مین اور میرے لڑکے اور میرے یہاں کے عہدہ دار دوسرے

امراے انگلستان و اراکین سلطنت سے ملاقات کرین اور روٹا  
بڑا مین۔

افسوس ہے کہ میری بیماری نے مجھے اس خوشی سے باز کیا  
اور میرا بڑا لڑکا بھی جو اس سفر کے لئے پورا موضوع تھا۔ اور کچھ  
انگریزی بھی بول لیتا تھا نہ جاسکتا تھا۔ اس لئے کہ نہ معلوم اوسکی  
غیبت میں یہاں کیا اتفاقات پیش آئے اور علاوہ اسکے سارے  
ملک کا بوجھ اوس کے سر تھا۔ میرے اور بیٹوں میں صرف  
نصر اللہ خان اس قابل تھا۔ اسلئے میں نے اوسکو منتخب کیا کہ میری  
طرف سے انگلستان جائے۔

علاوہ اُن خطوط کے جو بنام ملکہ معظمہ و شاہزادگان و اراکین  
دولت برطانیہ اعظم اوسے دئے گئے میں نے اوسے ایک  
کتاب بھی دی اور تاکید کی کہ تمام سفر میں جو کچھ اس کتاب میں لکھا  
ہے اوسکے مطابق عمل کرے۔

ماہ اپریل ۱۹۰۷ء میں نصر اللہ کابل سے روانہ ہوا اور بمبئی میں  
لندن پہنچا۔ اگست میں لندن سے روانہ ہوا اور کراچی و قندھار  
کے راستے سے اوسے سال جابرٹون میں کابل واپس آیا۔  
مگر افسوس ہے کہ مقصد پورا نہ ہوا اور دونوں سلطنتوں کو بیکار  
کا بار خراج اٹھانا پڑا۔

ہمارے یہاں امرا اور غریب سب میں یہ دستور ہے کہ کبھی  
مہمان کی درخواست رد کر کے اسے مایوس نہیں پہیرتے گو وہ دشمن  
ہی کیون نہ ہو۔ اور یہ محال ہے کہ کوئی مہمان کسی میزبان کے گھر آئے  
اور اسکی آرزو پوری نہ کی جائے۔

مگر میرا بیٹا جو ایک بادشاہ کا فرزند تھا اور ایک شاہنشاہ کے  
یہاں مہمان ہوا یوں مایوس واپس کیا گیا اور میری درخواست یوں  
خشک اخلاق سے ٹالی گئی۔

میں سمجھتا ہوں کہ میری درخواست جو صرف یہ تھی کہ لندن

مین میرا وکیل رہے یا کم از کم مجھے بالراس گورنمنٹ انگلستان و گورنمنٹ  
 ہند سے مراسلت کی اجازت ہو صحیح طور پر ہاؤس آف کامنز کے  
 سامنے نہیں پیش کی گئی۔ ورنہ بہت سے تجربہ کار ممبران پارلیمنٹ  
 اس کے فائدہ کو سمجھتے کہ ان دونوں قومن کے باہمی اتحاد کو  
 بڑانے اور افغانستان کو مضبوط و مہذب بنانے میں کیا نفع ہے۔  
 مین اس معاملہ کو آئندہ باب (فیوچر پالیسی یعنی آئندہ حکمت عملی) میں  
 بالتفصیل بیان کروں گا۔ بالفعل ناظرین کی اطلاع کے لئے صرف  
 اس قدر کہنا کافی ہے کہ ہندوستان و افغانستان میں وہی قدیم  
 طریقہ مراسلت اب تک جاری ہے یعنی ان کے مسلمان سفیر کی دست  
 سے جو کابل میں رہتا ہے اور میرے مسلمان سفیر کے ذریعہ  
 سے جو کلکتہ میں مقیم ہے مراسلت ہوتی ہے اسکے یہ معنی ہیں  
 کہ ساری دنیا ترقی کرے۔ زمانہ کی ضرورتیں ملک کی حالت بدلیں  
 مگر اس قدیم طریقہ میں کوئی اصلاح نہ ہو۔

میں ملکہ معظمہ اور تمام اراکین خاندان شاہی و امرا اور عامہ خلایق  
 برطانیہ کا بہت شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے وکیل یعنی میرے  
 بیٹے کی اس قدر خاطر و مدارات کی۔ چند عہدہ داروں کی سر دہری بھیج  
 ان اسانات کو ہمیں بہلا سکتی۔ ملکہ معظمہ نے میرے فرزند کے  
 حال پر جو عنایت و شفقت فرمائی۔ میں اوس سے بہت خوش ہوں  
 او نہوں نے میرے دونوں بیٹوں حبیب اللہ و نصر اللہ کو جی۔  
 سی۔ ام۔ جی کا اعزاز عطا کیا میرے بیٹے کو اپنا ایک سفر نامہ  
 بھی لکھا ہے جس میں حالات سفر اور انگلستان میں رہنے سے جو تجربہ  
 حاصل ہوئے درج کئے ہیں۔ یہ کتاب مطبع کابل میں چھپی تھی مگر  
 میں نے پمصلحت اس کو شایع نہ کیا۔





# بائشتم

## مسئلہ حدود افغانستان و ڈیوراں میشن

ناظرین کتاب کو اب معلوم ہو گیا ہو گا کہ مین کس طرح افغانستان کو ایسی حالت پر لایا کہ ایک سلطنت کی صورت پیدا ہوئی۔ اس سے پہلے یہ ملک چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں منقسم تھا جن پر مختلف سردار حکمران تھے ناظرین یہ بھی سمجھ گئے ہونگے کہ مین نے کس طرح اپنے ملک کو وسیع کیا جو میری تحت نشینی کی وقت فقط کابل اور جلال آباد اور چند اور مقامات تک محدود تھا۔ مین نے کس حکمت علی سے ۱۸۸۱ء میں صوبہ قندھار و ہرات پر قبضہ کیا بعد ازاں

۱۸۸۳ء میں روشان اور شننان لیاگو شننان ۱۸۹۳ء تک زیر  
 بحث رہا تا اینکه ڈیورنڈ مشن نے اسکا تصفیہ کر دیا۔ اسی سال  
 میں نے جعفر خان کرگز کو اپنی طرف سے بجائے علی مردان خان  
 (سردار واخان) گورنر واخان مقرر کیا۔

یہ ایک پہاڑی ریاست شننان کے جنوب میں واقع تھی۔  
 واخان کے جنوب میں چترال واقع ہے۔ ناظرین نے یہ بھی  
 دیکھ لیا کہ میں نے ۱۸۸۵ء میں میمننا اور ۱۸۹۳ء میں حضرت جات  
 اور ۱۸۹۵ء میں کافرستان لیکر اپنے ملک کو اور زیادہ وسعت دی  
 آخر الذکر مقام میں نے ڈیورنڈ مشن کے بعد فتح کیا گو یہ امر اسی  
 وقت طے ہو گیا تھا کہ یہ مقام میری گورنمنٹ کا جزو ہے۔

جس وقت بین افغانستان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو توڑنے  
 اور ملک کو ایک قومی سلطنت بنانے میں مشغول تھا اس کے  
 ساتھ ہی ساتھ اس امر کا بھی خیال تھا کہ ممالک متصلہ کے ساتھ

اپنے ملک کی سرحدوں کا فیصلہ ہو جانا ضرور ہے۔ مین خوب جانتا تھا کہ اپنے ملک کی سرحدوں کا نشان ڈالنا ملک کی حفاظت اور امن کے لئے ایک ضروری چیز ہے۔ اس سے غیر سلطنتوں کا جو میرے ہمسایہ ہین آگے بڑھنا رک جائیگا اور آئندہ کے لئے سارے جھگڑے اور ب غلط فہمیان دور ہو جائیں گی۔

مین جانتا ہوں اس صدی مین بڑی بڑی سلطنتوں نے یہ اصول اختیار کیا ہے کہ رفتہ رفتہ چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کو ہضم کر جائیں اور اس کے لئے مختلف طریقے اور انواع و اقسام کی چالیں چلتے ہیں۔ مثلاً ایک یہ چال ہے کہ کمزور سلطنت کے حصے کئے جاتے ہیں۔ اور قوی سلطنتیں آپس میں تقسیم کر لیتی ہیں۔ اور اس غریب کمزور سلطنت کے ساتھ جو انصاف ہوتا ہے وہ لایق دید ہے مجھے اسپر ایک نقل یاد آئی۔ ایک

غریب آدمی کی گھڑی چوری گئی تھی۔ وہ چور دن کے سرغنہ کے پاس گیا۔ جو مجسٹریٹ کہلاتا تھا۔ مجسٹریٹ نے کہا میں تمہاری گھڑی تو واپس نہیں منگا سکتا مگر یہ بتاؤ کہ تم مجھے کیا دو گے اوس پکارینے واویلا کی اور کہا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ جو کچھ میرا مال چوری کیا ہے اوس کا پتا لگاؤن نہ اس لئے کہ کچھ اور اپنی گرہ سے دے جاؤن۔ مجسٹریٹ نے جواب دیا کوئی وجہ نہیں کہ تم نے ایک ایسے آدمی کو جو مجھ سے کمزور ہے اپنی گھڑی دیدی۔ اور میں اپنا حصہ نہ لون۔ گھڑی کا توڑا مجھے دیتے جاؤ وہ بچارا ایک دوسرے جج کے پاس گیا جس نے اسی طرح اوس کی انگلیٹھی لے لی تب اوس غریب نے یہ خیال کیا کہ اب اگر میں لارڈ چیف جسٹس تک پہنچنے کا ارادہ کرتا ہوں تو میرے پاس زیور کی قسم سے کچھ نہ باقی رہیگا اور یہ دستار اور کپڑے چیف جسٹس صاحب اپنا حصہ سمجھ کر لے لینگے۔ میرے پاس تن ڈھانکنے کو ایک دھتھی بھی زیور کی

غرض وہ اتنے ہی انصاف پر قناعت کر کے اپنے گہر واپس گیا۔ اگر ناظرین کتاب چین کے معاملہ کو اس نقل سے مقابلہ کریں گے تو اونہیں معلوم ہو گا کہ مین غلطی پر نہیں ہوں۔ دوسری چال یہ ہے کہ بڑی بڑی سلطنتیں آپس میں خفیہ سازشیں اور کارروائیاں کرتی ہیں جس کا نام علم سیاست اور آئین حکمت رکھا ہے۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے یہ قول و قرار ہو جاتا ہے کہ اگر تم فلان ملک لو گے تو ہم فلان لین گے۔ مگر آپس میں کچھ مداخلت نہ کریں گے۔

تیسرا طریقہ اونکی ملک گیری کا یہ ہے کہ جب وقت کسی اور ملک کے ساتھ وہ اپنے ملک کی سرحدوں کا تصفیہ کرتے ہیں۔ تو بعض شہر یا صوبہ جن پر ان کا دانت ہوتا ہے اونہیں یونہی چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خود مختار ہیں۔ بعد ازاں وہ سلطنت متصلہ سے یہ خطاب کرتے ہیں کہ اوس صوبہ کو خود مختار رہنے دو

نہ تم دخل دو نہ ہم دخل دین۔ ان حیلون سے وہ ادس صوبہ  
 یا شہر کو خود مختار کہتے کہتے سلطنت متصلہ کے دعوے کو منسوخ  
 کر دیتے ہیں اور خود کلیتہً یا جزاً ادس پر مسلط ہو جاتے ہیں۔  
 اسکے بعد وہ اس شہر کے ساتھ اس طرح چال چلتے ہیں کہ وہ ان کے  
 حاکم کو ایک بڑا سٹرل۔ گھوڑا چند پورا نئے یونی فارم اور کچھ توپیں  
 یا پیسے دیکر یہ کہتے ہیں کہ ہم تم ایک دوسرے کے دوست  
 بنکر رہیں گے۔ اور ہماری دوستی تمہاری محافظ ہوگی۔ اور ہمسایوں  
 کے حملوں سے تمہیں بچائیگی۔ اور تم ہمارے دوست اور خود  
 مختار شریک بنکر رہو گے۔ وہ بیچارہ یہ سمجھتا ہے کہ جب خود  
 بمختاری کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا تو ایسی دوستی میں کیا قباحت  
 ہی بلکہ یہ تو اپنا فائدہ ہے کہ غیروں کی دست و رازی سے امن  
 ہوگا یا سلیس کہ فلان سلطنت حفاظت کا ذمہ لیتی ہے۔ مگر بہت جلد  
 وہ اس حکمران پر اس قسم کا الزام لگانیکا بہانہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔ کہ

کہ اوس نے خلافت عہد کیا یا اپنی دوستی پر قائم نہ کیا بعض اوقات  
 وہ اپنی رعایا کو ترغیب دیتے ہیں کہ اوس کے مظالم کی اونکے  
 ان فریاد کریں۔ اسی طرح وہ ایک غدر پیش کر کے اوس کے ملک  
 پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اگر سلطنت متصلہ نے کوئی اعتراض کیا کہ بیجھ  
 کارروائی خلافت معاہدہ ہے۔ یہ ملک نیوٹرل رہنا چاہیے تو  
 اوس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ہاں اوس وقت نیوٹرل تھا مگر بعد ازاں  
 کے حاکم نے ہمارے ساتھ دوسرا معاہدہ کیا جسکی رو سے وہ خود  
 اور اوس کا ملک ہمارے ذمہ داری اور اختیار میں آ گیا۔ لہذا آپ کو  
 اس ملک کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے جو  
 اتنے برس سے ہمارے دائرہ حکومت میں خیال کیا جاتا ہے۔  
 پس ہماری چیز میں دخل دہی کے آپ مجاز نہیں ہیں۔ بس اسی  
 طرح معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔

روس نے اسی طرح سارا ملک بخارا اور وہ صوبہ جات جو سرحد

افغانستان پر دریائے جیحون کے شمال و غرب میں واقع تھے  
 اول اپنی حفاظت اور دائرہ اختیار میں لئے بعد ازاں اونکو ہضم  
 کر گیا۔ گورنمنٹ ہند نے بھی کل صوبہ جات جو افغانستان کے  
 مشرق و جنوب اور مشرق و شمال میں واقع تھے۔ اور ابتداء ملک  
 افغانستان میں شامل تھے اپنی حفاظت اور دائرہ اختیار میں لئے  
 اور اونکا نام ریاست ہائے خود مختار رکھا اور یہ کہا کہ افغانستان  
 یا ہندوستان کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر روز بروز اپنا اختیار  
 بڑھانا شروع کیا۔ موسم گرما میں جب وہاں گرمی زیادہ ہوتی تھی تو  
 ان ریاستوں کے حاکم بغرض تفریح افغانستان آتے تھے  
 اور امیر کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ عرض کرتے تھے کہ ہم آپ کے  
 مخلص ہیں اور یہاں سے روپیہ اور خلعت لیجاتے تھے اسطرح  
 موسم سرما میں وہ ہندوستان جاتے اور وہاں کے عہدہ داروں  
 سے روپیہ وصول کرتے تھے۔ غرض کہ دونوں گورنمنٹ اپنی اپنی



جگہ پر یہ سمجھتی تھیں۔ کہ وہ ہمارے حفاظت و اختیار میں ہیں مگر  
در اصل وہ ان چند خلعوتوں کی حفاظت و اختیار میں تھے۔

نہ شاہ بخارا اور نہ امیر کابل روس یا انگلستان سے یہ کہہ سکتے  
تھے۔ کہ ان خود مختار ریاستوں پر قبضہ نہ کرو اور نہ روس یا انگلستان  
بجائے خود ایک دوسرے کے معاملہ میں ہاتھ ڈال سکتے تھے۔  
اسلئے کہ یہ جواب ملتا کہ یہ ملک ہمارے دائرہ حفاظت میں ہے۔  
تہیں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔

جب میں نے یہ دیکھا کہ ہر گورنمنٹ اس فکر میں ہے کہ جو کچھ  
ہاتھ آئے۔ لوٹب میں نے بھی یہی راہ اختیار کی۔ اور اون صوبہ جات  
کے خود مختار سرداروں سے راہ درسم پڑھائی تاکہ اون صوبوں میں  
سے جو اول افغانستان میں شامل تھے میں بھی کچھ حصہ لون۔ اسکے  
ساتھ ہی میں نے اپنے ہمسایوں کے ساتھ اپنے ملک کے حدود  
قائم کرنے کی فکر کی تا وہ اور آگے نہ بڑھنے پائیں حدود قائم کرنے

کے معاملہ میں چین یا ایران کے ساتھ کوئی وقت نہ پیش آئی اسلئے  
 کہ نہ اون میں اتنی قوت ہے کہ افغانستان کا کوئی حصہ دبا لیں  
 اور نہ ایسی نیت۔ چنانچہ بغیر کسی دشواری کے افغانستان اور ایران  
 کے درمیان حد قائم ہو گئی اور کوہ ملک سیاہ سے ذوالفقار تک  
 حد کا خط قائم کیا گیا۔ اسی طرح افغانستان کا ایک گوشہ جو داخان  
 اور رویشان کے قریب چین کی سرحد سے ملا ہوا تھا وہ بھی بغیر  
 کسی جھگڑے کے طے ہو گیا۔

## روس اور افغانستان کے درمیان

### حدود کا قائم ہونا

روس و انگلستان و افغانستان کے درمیان حدود قائم ہونا  
 بڑی ٹیڑھی کہیر تھی۔ اس لئے کہ دونوں قوی سلطنتیں ہیں جو

ایشیامین کیا بلکہ دنیا میں بڑی زبردست گنی جاتی ہیں۔ روئے  
 زمین پر ان دونوں سے بڑھ کر کوئی جاذب قوم نہیں ہے۔ جو  
 مشرقی ممالک انہوں نے فتح کئے ہیں گو دایمی قحط سے یہ سچراغ  
 ہو رہے ہیں مگر اس پر بھی ہوس یہ ہے کہ ہر سال کچھ نہ کچھ لیا ہی  
 جائے اور رینگتے ہوئے آگے بڑھے ہی جائیں نہ معلوم آئین  
 کیا فائدہ سوچا ہے۔ میرا ملک مثل ایک گو سفند کے ہے جس پر  
 شیر اور بچھ دو لون آنکھیں جمائے ہیں۔ اور بغیر تائید حافظ  
 حقیقی یہ شکار زیادہ عرصہ تک بچ نہیں سکتا۔

میں نے اول یہ تدبیر کی کہ شمالی و مغربی سرحد کو جو روس سے  
 ملی ہوئی ہے بوساطت برطانیہ اعظم طے کروں۔ چنانچہ اس معاملہ  
 میں گورنمنٹ ہند کے ساتھ مراسلت ہوئی اور یہ طے پایا کہ افسران  
 گورنمنٹ ہند اور افسران افغانستان کا ایک جو امانٹ کمیشن مقرر  
 ہو۔ اور اس مسئلہ کو طے کرے۔ ۱۸۸۴ء میں کمیشن مقرر ہوا۔ اس

کیشن کے سرگروہ جنرل سر پٹرلسٹن تھے اور روسی کمیشن کے افسر جنرل ویلینائی تھے۔

اوس خط کے جواب میں جو انگریزی جنرل کے پاس سے میرے نام آیا تھا۔ میں نے یہ لکھا کہ جب تک میں روس میں رہا ہوں میں نے اثناء قیام میں روسیوں کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہیں کیا ہے جو وہ اوس وقت میرے مقابلہ میں پیش کر سکیں۔ میں کسی طرح اون سے ڈرتا نہیں۔ اور جب تک مجھے میں قوت ہے میں افغانستان کی ایک چپہ زمین بھی روسیوں کو ندون گا آپکو چاہیے کہ جرارت اور مردانگی کے ساتھ حدود قائم کیجئے۔ مگر افسوس ہے کہ نتیجہ حسب دلخواہ نہ نکلا۔

روسی اس بات پر بہت کھسیائے ہوئے تھے کہ میں انکو اور اپنے ملک کے درمیان حدود قائم کرتا ہوں۔ جسکا یہ مطلب ہے کہ وہ آگے نہ بڑھنے پائیں اور خاص کر اس بات سے اور زیادہ

ناراض تھے کہ یہ معاملہ حد بندی انگریزوں کے ذریعہ سے  
 طے ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ سرحد افغانستان کی طرف متصل جلد جلد  
 بڑھتے رہے۔

جس وقت ادھون نے پنچدیہ لیا ہے۔ مجھے ادھون کا منشاء  
 معلوم ہو گیا تھا۔ سینے انگریزوں کو اس بات پر آمادہ کرنے کی  
 بہت کوشش کی کہ پنچدیہ کی قلع بندی کے لئے اور زیادہ فوج  
 بھیجے کی بجائے اجازت دیں اور مین نے یہ دلیل پیش کی کہ اگر جنگ  
 کا اندیشہ نہیں ہے تو مجھے اپنے ملک میں کہیں فوج تعینات  
 کرتے ہیں کیا قباحت ہے۔ مگر گورنمنٹ ہند نے میری رائے  
 نہ مسمیٰ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی جانیں تلف ہوئیں۔ اور ۱۸۵۷ء  
 میں پنچدیہ روسیوں نے لے لیا۔

ماہ مئی ۱۸۵۷ء میں وائسرائے نے مجھے لکھا۔ کہ روسی بجائے  
 پنچدیہ کے میرے لئے فوج الفکار خالی کر دینے کو راہنی ہیں۔

جس سے اب حدود کا خط گلران اور مردوچاک کے شمال سے گزر گیا  
 اور وائیس رائے نے لکھا کہ یہ صورت روسیوں کو منظور ہے۔  
 مین نے وائیس رائے کے خط کا جواب دیا جس میں اس فیصلہ  
 کے متعلق اپنی منظوری ظاہر کی۔ اور انکو لکھا کہ مذکور الصدر بشریہ  
 کی ایک نقل مجھے بھیجیں۔

۵ مئی ۱۸۸۵ء کو جنرل لسٹن کی جگہ کرنل سروسٹ رجوے  
 مقرر ہوئے۔ اول مجھے یہ بیان کیا گیا کہ سروسٹ رجوے اور  
 اسنادات سے جو میری رعایا نے زمین کے دعوؤں کے  
 متعلق پیش کئے ہیں مطمئن نہیں ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ان کے  
 علاوہ اور سندن پیش کرو جس سے افغان لوگ ناراض ہیں۔  
 میں یہ سنکر ناراض ہوا۔ مگر آخر میں مجھے معلوم ہوا کہ سروسٹ رجوے  
 محض دور اندیشی اور دوستانہ خیال سے اس بارہ میں زیادہ  
 تفتیش کرتے تھے تاکہ افغانوں کے دعوؤں کو اور زیادہ قوی

کر سکیں۔ المختصر انہوں نے مسئلہ سرحد بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے  
 طے کر دیا۔ بعد ازاں وہ ۱۸۸۶ء عین ہندوستان جاتے وقت  
 ہمراہیوں سمیت مجھ سے کابل میں ملنے آئے مین اونکے کام  
 سے نہایت ہی خوش ہوا اور اونکی بہت مہانداری کی۔ مین نے  
 سروٹ رجوے۔ قاضی اسلم خان۔ کرنل ہولڈچ۔ کرنل یاٹ اور  
 دوسرے ممبران مشن کو طلائی تمغے عطا کئے۔ میری رائے مین  
 سروٹ رجوے ایک ہونہار اور ہوشیار مدبر آدمی ہیں۔ اور  
 جہان کہیں مقرر ہونگے بہت نام پیدا کریں گے۔ مین دعا کرتا ہوں کہ  
 وہ اپنے ہر معاملہ میں کامیاب ہوں۔ ۲۲ جولائی ۱۸۸۷ء کو بمقام  
 سینٹ پیٹر برگ اصل نوشتہ پر دستخط ہوئے اور پہلی اگست  
 کو لارڈ ڈفرن نے اس کے متعلق مجھے ایک خط لکھا جسکے جواب  
 میں مین نے بہت ہی گرمجوشی سے اس بات کا شکریہ ادا کیا  
 کہ سلطنت برطانیہ نے شمالی مغربی حد قائم کرنے میں بیڑی مدد دی۔

۱۸۹۳ء میں افغان اور روسی رعایا میں چین بید کے قریب  
 زمین کی آبپاشی کے متعلق پھر جھگڑا ہوا۔ اس قضیہ کو طے کرنے  
 کے لئے گورنمنٹ ہند کی طرف سے کر تل یاٹ مقرر ہوئے۔ اور  
 انہوں نے بغیر کسی لڑائی وغیرہ کے اس مسئلہ کو طے کر دیا۔

سروسٹ رجوے کی مشن نے صرف ذوالفقار سے خواجہ  
 سالار تک حد کا معاملہ طے کیا تھا۔ اور گو اس وقت میں گورنمنٹ  
 ہند سے کہا کہ یہ حد پامیر تک بڑھائی جائے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ اگرچہ  
 ۱۸۹۳ء کے عہد نامہ کی رو سے روسیوں نے یہ تسلیم کر لیا تھا۔  
 کہ بدخشان اور واکان افغانستان میں ملائے جاویں۔ اور روشان  
 و شغنان بدخشان کے جز تھے۔ مگر چونکہ یہ دونوں مقامات اُس  
 سرحد پر واقع تھے۔ جو روس سے ہندوستان کو جاتی تھی۔  
 اس سبب سے روسی یہ فکر کر رہے تھے۔ کہ ان دونوں مقامات  
 پر قبضہ کر لیں۔ مگر میں ان کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اور قبل



اسکے کہ روسی وہاں داخل ہوں سینے اپنے گورزون کو حکم دیا کہ ان  
 شہرون پر قبضہ کر لین۔ مجھے دُہرا حق حاصل تھا ایک تو یہ کہ ۱۸۴۳ء  
 کے عہد نامہ کی روسے یہ شہر میرے ملک میں شامل ہو گئے تھے۔  
 اور دوسرے شاہ بخارا نے درواز کا کچھ حصہ دبا لیا تھا جو دریائے  
 جیحون کے بائیں کنارہ کی طرف واقع ہے۔ پس میں مجاز ہوا کہ شہر  
 کے اون مقامات پر قبضہ کروں جو اوس دریا کی دہنی جانب واقع ہیں  
 جو لیک وکٹوریا سے نکلتا ہے۔ ان مقامات پر قبضہ کرنے سے  
 ۲۴ جولائی ۱۸۵۳ء کو بمقام سوماتاش کرنل یانوف اور میرے افسر  
 شمس الدین خان میں تلوار چل گئی۔ جسکا ذکر اول کہیں آچکا ہے۔  
 یہ معاملہ ماہ نومبر ۱۸۵۳ء میں میرے اور ڈیوراندٹ مشن کے  
 درمیان طے ہو گیا۔ جسکے بعد میں نے اپنی فوج ۱۸۵۴ء میں وہاں  
 سے بلالی اور بجائے اسکے درواز پر قبضہ کیا۔ ماہ مارچ ۱۸۵۵ء میں  
 روس اور انگلستان کے درمیان یہ معاہدہ طے ہوا کہ جو حصہ درواز

کاسیس جیون (آن روئے دریا ئے جیون) کھلتا ہے۔ وہ شاہ  
 بخارا کی طرف سے افغانستان کو دیدیا جائے اور افغان شغنان  
 روشن کے وہ مقامات چھوڑ دین جو دریائے جیون اور پنجاب  
 کے واسطے کنارہ پر واقع ہیں۔ جو چشمہ لیک و کٹوریا سے نکلتا  
 ہے۔ وہ گویا افغانستان کی حد قرار دیا گیا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ  
 اس وقت سے اب تک مجھے شمالی مغربی سرحد کے مسلسل جھگڑوں سے  
 نجات ہو گئی ہے۔ اور اب بالکل امن ہے۔ امید ہے خدا سے  
 کہ اپنی مخلوق کی جان بچانے کے لئے یہ امن ہمیشہ قائم رہے گا۔

ہندوستان اور افغانستان کے  
 درمیان حدود کا قائم ہونا اور ڈیورا ندیشن  
 کا کابل آنا

جب اور تمام ہمسائیوں کے ساتھ حد بندی ہوگئی تو میں نے  
 یہ خیال کیا کہ ہندوستان اور میرے ملک کے درمیان میں  
 یہی حد بندی ہونا ضرور ہے تاکہ میرے ملک کے گرد حدود قائم  
 ہو جائیں جو حفاظت کے لئے ایک مضبوط دیوار کا کام دیں۔

چنانچہ اول مارکوس آف ڈفرن کو لکھا بعد ازاں مارکوس آف  
 رین کو اس امر کی طرف متوجہ کیا کہ اپنے وہاں کے چند تجربہ کار  
 عہدہ داروں کا ایک مشن مقرر کر کے کابل میں میرے پاس بھیجیں  
 تاکہ بعض معاملات پر گفتگو کیجائے۔ اور میں یہی بہتر سمجھتا ہوں کہ یہ  
 سرحدی مسئلہ ایک مشن کے ذریعہ حل ہو۔ والیس راے جو اس کے  
 فوائد سے آگاہ تھے اور میں نے ان کو لکھا کہ مارٹن ڈیور انڈیا  
 فارن سکریٹری مشن کے افسر مقرر کئے جائیں مگر افسوس ہے کہ میں  
 بیمار ہو گیا۔ اور جب بیماری سے افاقہ ہوا تو ترکستان میں اسحق  
 کابلوہ اٹھا۔ اسوجہ سے مشن کا معاملہ ملتوی رہا۔ اور میں ترکستان

چلا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں جب بین ترکستان سے واپس آیا تو اس وقت گورنمنٹ ہند کے ساتھ میرے تعلقات کچھ اور ہی تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اور اس لئے میں نے لارڈ سالبری کے نام ایک خط بھیجا۔ جنہوں نے جواب دیا کہ یہ شکر رنجی یا غلط فہمی جو میری گورنمنٹ اور گورنمنٹ ہند میں ہے۔ عہدہ داران گورنمنٹ ہند کے ذریعہ سے طے ہونی چاہیے۔

اس وقت لارڈ لینڈاؤن نے پہر مجھے ایک خط لکھا۔ جس میں یہ بیان کیا کہ لارڈ رابرٹ مشن کے افسر مقرر ہوئے ہیں۔ میں اس وقت جنگ ہزار امین معروف تھا۔ اور یہ چیسہ اہل افغانستان کی رائے اور خواہش کے خلاف بھی تھی کہ لارڈ رابرٹ ایک فوج کثیر کے ساتھ افغانستان میں داخل ہوں مجھے اندیشہ تھا کہ اس مشن کی وجہ سے کہیں بڑھ نہ جائے۔ اہل افغان کے اکثر عزیزان دوست آخری جنگ افغان میں جو لارڈ رابرٹ کے ساتھ

ہوئی تھی۔ لڑائی میں مارے گئے تھے یا لارڈ رابرٹ نے  
 انتقام میں انہیں قتل کر لیا تھا۔ ان وجوہ سے یہ مناسب نہ تھا کہ وہ  
 ایک بڑی فوج کے ساتھ افغانستان میں آئیں۔ علاوہ ازیں  
 لارڈ رابرٹ ایک سپاہی آدمی تھے اور ایسے پیچیدہ ملکی معاملات  
 پیچھے کر کے لئے ایک مدبر کی ضرورت تھی نہ کہ سپاہی کی  
 اور سپاہی بھی وہ جو ملک گیر می کو اصل اصول سمجھتا ہو۔ یہ طبعی  
 بات ہے کہ سپاہی لڑائی اور جنگ چاہیگا۔ جس طرح ایک مدبر  
 یا بادشاہ صلح اور امن پسند کرے گا۔ اور حتی الوسع جنگ نہ کرنے  
 دیکھا اسکے علاوہ لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ہندوستان میں  
 لارڈ رابرٹ کی مدت ملازمت ختم ہو چکی ہے۔ مگر وہ چاہتے ہیں  
 کہ اوس کی توسیع ہو۔ اور وہ بدستور ہندوستان کے کمانڈران  
 چیف رہیں۔ لیکن یہ توسیع مدت منظور نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ  
 ہندوستان کے شمالی مغربی سرحد پر کوئی طوفان نہ اٹھایا جائے

اسلئے کہ وہ سرحدی معاملات میں بڑی سہولت دینے جاتے ہیں پس  
 انکا تو یہی فائدہ ہے کہ بجائے صلح کے جنگ و جدل ہو۔ میں نے  
 اس بات کو یقین نہیں کیا ایک لغوی خیر تھی۔ مگر میں نے ایسے  
 وقت میں مشن کا بلانا بالکل نامناسب خیال کیا اور اسے ملتوی کر دیا  
 وایسراے کو اس معاملہ میں کچھ ایسا اصرار تھا کہ انھوں نے پھر  
 مجھے اس مضمون کا ایک خط لکھا (جو گویا ایٹمیٹم تھا) کہ گورنمنٹ ہند  
 ایسے مبہم وعدوں کا انتظار نہیں کر سکتی۔ اتنے دنوں بعد وہ جب  
 مناسب کارروائی کرے گی۔ اس وقت میں بہت بیمار تھا اور میں نے  
 سردار عبدالقد خان توخی اور میر منشی سلطان محمد خان سے  
 کہا کہ میرے انگریز ملازمین میں سے کسی کو انتخاب کرو۔ جو  
 وایسراے سے ملنے کے لئے بھیجا جائے۔ تاکہ معاملہ اور  
 زیادہ سنگین و لاعلاج نہ ہونے پائے۔ المختصر میں نے اس تلخ  
 معاملہ کو ٹالا اور فی الفور وایسراے کو اس مضمون کا خط لکھا کہ

مسٹر پائن میرا خط لیکر آپ سے ملنے آتے ہیں۔ تاکہ مشن کے متعلق ضروری انتظام کریں۔ اس پیغام سے یہ مقصود تھا کہ اراکین دولت ہند مطمئن ہو جائیں۔ اور معاملہ کو زیادہ طول نہ کہینچے۔

یہ خط روانہ کرنے کے بعد مینے مسٹر پائن کو ایک خط والی سرائے کے نام اور دوسرا سر مارٹر ڈیوراٹڈ فارن سکرٹری کے نام دیا۔

اور مسٹر پائن سے کہا کہ ہندوستان جاؤ مگر آہستہ آہستہ سفر کرتے ہوئے اور اگر ممکن ہو تو مشن کو چند روز کیلئے ملتوی کرو تاکہ لارڈ رابرٹ

جو عنقریب ہندوستان چھوڑنے والے ہیں انگلستان روانہ

ہو جائیں۔ مینے والی سرائے سے درخواست کی کہ ایک نقشہ

مجھے بھیجا جائے جس میں مجوزہ خطوط سرحد قائم کئے گئے ہوں۔

جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یاغستان کے کون کون مقامات

وہ اپنے دائرہ اختیار میں لینا چاہتے ہیں۔ مینے جو چال چلی تھی

پوری اُتر سی۔ لارڈ رابرٹ روانہ ہو گئے۔ انہوں نے مجھے ایک

خط لکھا۔ جس میں مجھ سے نہ ملنے کا تاہمت ظاہر کیا۔ اوکے جاتی  
ہی میں نے فوراً مشن کو کابل آئیگی دعوت دی۔

یہاں پر یہ بیان کرنا ضرور ہے کہ وائسرائے نے جو نقشہ  
مجھے بھیجا۔ اس میں یہ تمام شہر۔ وزیری۔ نیوچمن مع ریلوے  
اسٹیشن۔ چانہ۔ بلندخیل۔ گل مہند۔ اسمار اور پتہ رال جو سرحد  
پر واقع ہیں۔ شامل ہندوستان دکھائے گئے تھے۔ اسپرین نے  
وائسرائے کو ایک طولانی خط لکھا۔ جس میں ان سرحدی قبائل کے  
مستقل بہت کچھ پیشین گوئی تھیں۔ اس خط کا خلاصہ مضمون جب  
ذیل ہے۔

”اب رہے یہ سرحدی قبائل جو باغستان کے نام سے مشہور  
ہیں اگر وہ میرے ملک میں شامل نہیں گے۔ تو میں انہیں اپنے  
اور انگلستان کے کسی دشمن کے مقابلہ میں لڑا سکوں گا۔ اور وہ  
اپنے ہم مذہب مسلمان بادشاہ کے جھنڈے کے نیچے پوختی



جہاد کریں گے۔ یہ لوگ بڑے بہادر سپاہی اور پکے مسلمان ہیں۔  
 اگر کوئی سلطنت ہندوستان یا افغانستان پر حملہ کرے گی۔ تو  
 یہ لوگ خوب سینہ سپر ہوں گے۔ مین رفتہ رفتہ اونہین رام کر کے  
 صلح جو رعایا اور برطانیہ اعظم کا عمدہ رفیق بنالوں گا۔ لیکن اگر آپ  
 اونہین میرے ملک سے جدا کر لین گے تو وہ نہ آپ کے کچھ کام  
 آئیں گے نہ میرے آپکو ہمیشہ اوتکے ساتھ لڑنا جھگڑنا ہوگا اور وہ  
 ہمیشہ لوٹ مار کیا کریں گے۔

جب تک آپکی گورنمنٹ قومی ہے آپکا زبردست ہاتھ اونہین  
 زیر رکھیکا۔ لیکن جب کبھی کوئی غیر دشمن سرحد ہندوستان پر نمودار  
 ہوگا۔ اوسوقت یہ لوگ آپ کے بدترین دشمن ثابت ہوں گے۔ آپکو  
 یاد رکھنا چاہیئے کہ ان لوگوں کی حالت بالکل ایک کمزور دشمن  
 کی سی ہے۔ جو کسی زبردست دشمن کے ہاتھ سے زیر ہو جیتک  
 وہ دشمن قومی ہے یہ مطیع ہے مگر ادھر اوس کی قوت گھٹی

ادھر کر دشمن نے اوسکے پنجے سے ٹھکرا دو سپر حملہ کیا۔ علاوہ  
اسکے یہ لوگ میرے ہم قوم وہم ملت ہیں اگر آپ انہیں مجھ سے  
جد کرینگے تو میری رعایا کی نظر دین میری توقیر گہٹگی اور یہ چیز میری  
کمزوری کا باعث ہوگی۔ اور میری کمزوری آپکی گورنمنٹ کے لئے  
مصائب ہے۔“

لیکن میری اس صلاح کی کچھ قدر نہ کی گئی۔ اور گورنمنٹ ہند کو میری  
قبیل لینے کا کچھ ایسا اشتیاق تھا کہ اوسنے بہ جبر میرے  
افسروں کو بند خیل اور ونا ذہب سے نکال دیا۔ اور اونسے یہ کہا کہ  
فلان وقت تک نہ چلے جاؤ گے تو مجبوراً جانا پڑے گا۔ چونکہ  
میں برطانیہ اعظم کا دشمن ہونا اور اوس سے لڑنا نہ چاہتا تھا مینے  
اپنے افسروں کو حکم دیا کہ عہدہ داران ہند سے اطلاع پاتے ہی  
وہ مقامات چھوڑ کر چلے آؤ۔

تیمور مرزا شاہ حاکم اسامہ نے ۱۸۸۸ء میں بجلف میری اطاعت

قبول کی۔ اور اپنا ملک میری حفاظت و نگرانی میں سونپا۔ اس لئے کہ اسے عمر خان حاکم پور کے حملہ کا اندیشہ تھا مگر وہ اپنے ایک غلام کے ہاتھ سے مارا گیا تب میرے کمانڈران چیف جنرل غلام حیدر خان نے ۱۸۹۱ء میں اسمار پر قبضہ کر لیا۔ جس سے گورنمنٹ ہند بہت ناراض ہوئی۔ اس لئے کہ ان تمام صوبجات یا غستان پر اسکا دانت تھا جو نیوٹرل کہلاتے تھے۔ یا غستان میں۔ چترال۔ بچور۔ سوات۔ بمیز۔ دیر۔ چلاس۔ اور قیصری وغیرہ سب شامل تھے۔ گورنمنٹ ہند میرے آسمار چھوڑنے پر بہت مصر ہوئی۔ لیکن چونکہ یہ مقام کنار۔ لم خان۔ کافرستان اور جلال آباد کا گویا پھاٹک رہتا۔ جو میرے ملک کے صوبہ ہین۔ اور جہان سے پامیر و چترال کی سڑکوں کی مد نظر ہے۔ ایسے مقام کا اپنے قبضہ میں رکھنا جو میرے ملک کا پہاٹک ہو یا سہر و رہا جیسے کہ میرے ملک کے اور تین گوشوں پر ہرات قندھار اور بلخ پر قبضہ رکھنا۔ اسی طرح گورنمنٹ

ہند نے یہ اصرار کیا کہ مین چائنہ بھی چوڑا دون کا فرستان۔ یاغستان  
بلوچستان اور چین میں بھی گورنمنٹ ہند کے سرحدی عہدہ دار متواتر  
داخل دیتے تھے۔ جو چیز مجھے عجیب معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ ایک طرف  
تو گورنمنٹ ہند یہ کہتی تھی کہ ہمکو افغانستان کی طرف کچھ ملک  
لینے کی ضرورت نہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ افغانستان  
کو ایک قوی خود مختار سلطنت دیکھیں۔ اور دوسری طرف گورنمنٹ  
ہند کا عمل یہ تھا کہ خوب کابل میں نقب لگا کر اس طرح میرے ملک  
میں ریل داخل کی تھی۔ گویا میرے جگر میں چاکو بھونک دیا تھا۔ اور ہر  
طرف یہ افواہ اڑ رہی تھی کہ قند ہار تک ریل لانے کا قصد ہے۔  
خواہ میں اجازت دون یا ندون اور پارلیمنٹ میں ان معاملات پر  
بحث ہوتی تھی جسکی بجائے برابر خبر پہنچتی تھی اس لئے کہ جو کچھ افغانستان  
کی نسبت اخباروں میں چھپتا ہے۔ میرے ایجنٹ اس کے  
پرچہ مجھے بھیجتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ روس مجھے انک

روشان اور شغنان کی بابت ستارہا تھا۔

پنپانچ انہین دقتون اور غلط فہمیون کو طے کرنے کے لئے  
مین نے ایک مشن بلایا جسکے سرگروہ سربار ٹرڈیور انڈ تھے۔ یہ صاحب  
ایک بڑے ہوشیار مدبر تھے۔ اور انھیں معلوم ہو گیا کہ اعتبار سے  
اعتبار بڑھتا ہے۔ سعدی

دل را بدل پیوست این گنبد سپر	از سوئے کینہ کینہ داز سوئی ہر مہر
------------------------------	-----------------------------------

انہون نے اپنی سلامتی اور حفاظت کا پیہر بہرہ سہ کر کے کابل  
کی جانب کوچ کیا۔ وہ ۱۹ ستمبر ۱۹۳۳ء کو پشاور سے کابل روانہ ہوئے  
اور اونکے ہمراہ کرنل ایس جی کوکواٹر ماسٹر جنرل کی آفس سے تعلق  
رکھتے تھے کپتان میک مہان۔ کپتان مینرس اسہتہ مسٹر کلارک  
بلازم قارن آفس جو منصرم پولیٹیکل اسٹنٹ تھے۔ میجر فن (وائس رائل)  
کے ڈاکٹر) مسٹر ڈو ٹلڈ اور چند ہندوستانی محاسب اور منشی اور  
عہدہ دار تھے۔ جب وہ کابل میں داخل ہوئے تو میرے جنرل

غلام حیدر خان نے اونکا استقبال کیا اور سینے اونکے رہنے کیلئے کابل کے قریب اپنے بیٹے حبیب اللہ خان کا مکان جسکا نام اندکی سے تجویز کیا۔ اول رمی دربار ہوا بعد ازان معاملات پر بحث چھڑی۔ ڈیوراند بڑے ہوشیار مدبر تھے۔ اور فارسی خوب جانتے تھے۔ اس لئے اچھی طرح سے بحث ہوئی۔ مگر مینے پہلے سے یہ انتظام کیا تھا کہ ایک پردہ کے پیچھے میرنشی سلطان محمد خان کو بٹھادیا تھا۔ کہ ہر ایک لفظ جو میرے یا سر ماہ ٹمر ڈیوراند کے منہ سے نکلے یا من کے کوئی اور صاحب کچھ کہیں سب برابر لکھتا جائے۔ تاکہ وہ ایک دستاویز رہے۔ سلطان محمد خان ایسی جگہ بٹھائے گئے تھے جہاں سے نہ وہ نظر آئیں اور نہ اونکی آواز سنائی دے اور اس کا علم بجز میرے اور کیونہ تھا۔ اونکو چاہت کیگی تھی کہ ہر ایک بات خواہ انگریزی ہو یا فارسی جو وہ مجھ سے کہیں یا آپس میں بولیں سب لفظ بلفظ لکھی جائے۔ چنانچہ

اوبھون نے علامت و اشارات میں ہر ایک لفظ جو میرے اور  
ڈیورنڈ کی زبان سے نکلے لکھ لئے اور یہ ساری گفتگو میرے یہاں  
دفتر میں بحفاظت موجود ہے ساری گفتگو کا خلاصہ اور نتیجہ یہ تھا کہ روس  
اور میری گورنمنٹ کا جھگڑا جو صوبہ روخان اور شخنان کے متعلق  
تھا اس طرح پر طے ہو گیا جیسا کہ اوپر بیان کر چکا ہوں۔

صوبہ واخان جو میرے حصے میں آیا تھا۔ میں نے برطانیہ  
کے حوالہ کر دیا اس لئے کہ کابل سے بہت دور تھا اور میرے ملک  
سے بالکل الگ جگہ تھی وجہ سے وہاں معقول قلعہ بندی کرنا بہت  
دشوار تھا۔

چنانچہ اب حدیہ قرار دی گئی کہ پشترال و پروغل پاس سے پشاور تک اور پھر  
پشاور سے کوہ ملک سیاہ تک ایک خط ڈالا گیا۔ اس طرح سے  
واخان۔ کافرستان۔ اسمار۔ مہمند لالپورہ۔ اور ایک جزو زیرستان  
میرے حصہ میں پڑا اور نیوچین اسٹیشن سے چاغہ۔ باقی ملک

وزیری۔ بلندخیل۔ کرم۔ آفریدی۔ سجور۔ سوات۔ بینر۔ ڈیر۔  
چلاس اور چترال ان سب سے مین دست بردار ہو گیا۔

ان سرحدات کے متعلق دو عہد نامے تیار ہوئے جن پر مین  
اور مہبران مشن نے اپنی اپنی دستخط کی۔ ان عہد ناموں کا مضمون  
یہ تھا کہ چونکہ گورنمنٹ افغانستان نے بطریق دوستی بعض صوبوں  
سے اپنا دعویٰ اٹھا لیا ہے۔ اب سے سالانہ امدادی رقم جو  
گورنمنٹ ہند سے ملتی ہے۔ بجائے بارہ لاکھ کے اٹھارہ لاکھ  
ہوگی۔ اسکے علاوہ گورنمنٹ ہند وعدہ کرتی ہے کہ ہتیار اور سامان  
جنگ کے دوستانہ مدد دیگی۔ اور یہ بھی اقرار کرتی ہے کہ آئندہ گورنمنٹ  
افغانستان کو اختیار ہوگا کہ جس قدر ہتیار اور سامان جنگ خرید کر  
منگانا چاہے۔ اوس مین کوئی مزاحمت نہ کیجائیگی۔

دو دن روانگی سے پہلے میرے بیٹے حبیب اللہ خان نے  
کل مہبران مشن مع عبدالرحیم خان اور نٹیل سکرٹری افضل خان پٹش



ایک بہت مقیم کابل اور نواب ابراہیم خان کو باغ بابر میں دعوت دی۔  
 وہاں میرے دونوں بیٹوں حبیب اللہ خان اور نصر اللہ و غلام حسین  
 خان کمانڈران چھیت و میرٹھی اور دو تین عہدہ داروں نے  
 مہمانوں کی پیشوائی کی۔

۱۳ نومبر کو سلام خانہ میں ایک عام دربار کیا گیا جہاں کابل کے  
 کل ہول و ملٹری افسر اور سرداران قبائل اور میرے دونوں بڑے بیٹے  
 حاضر تھے۔ قبل کارروائی شروع ہونے کے میں نے اہل دربار  
 کے سامنے ایک ایسیج دی جس میں کل عہد و چہان کا خلاصہ بیان  
 کیا جو میری اور گورنمنٹ ہند کے درمیان ہوئے تھے اور عہد نامہ  
 کے شرائط بیان کئے۔ تاکہ میری قوم میری رعایا اور کل حاضرین  
 دربار کو اس سے اطلاع ہو جائے میں نے خدا کا شکر کیا کہ  
 دونوں گورنمنٹوں میں دوستانہ تعلقات قائم ہوئے اور  
 بہ نسبت سابق کے زیادہ تر مضبوط ہو گئے۔ میں نے سر مارٹر

ڈیور انڈ اور دوسرے ممبران مشن کا شکریہ ادا کیا۔ جنہوں نے ایسی  
 دانشمندی سے سارے جہگڑے طے کئے اسکے بعد سہ ماہی  
 ٹرڈیور انڈ نے ایک مختصر سی اسپچ دی جسکے آخر میں انہوں نے  
 یہ ذکر کیا کہ وائسرائے ہند کے پاس سے ایک تار آیا جس میں  
 وائسرائے نے نئے عہد ناموں اور ہمارے دوستانہ تعلقات  
 کی نسبت نہایت خوشی اور اطمینان ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے  
 یہ بھی بیان کیا کہ لارڈ کمبرلی نے ہاؤس آف لارڈس میں بھی اپنا  
 اطمینان ظاہر فرمایا ہے۔

میرے ملک کے کل عہدہ دار اور وکلاء نے جو حاضر تھے  
 ڈیپوٹیشن کے اوڈیس کی ایک ایک نقل لی جس پر ان سب کی مہرین  
 اور دستخط تھے اور جس میں انہوں نے ان معاہدوں کی نسبت  
 اپنا اطمینان اور رضامندی ظاہر کی تھی۔ اور برطانیہ اعظم اور افغانستان  
 کی باہمی دوستی پر کمال مسرت و خوشی کا اظہار کیا تھا۔

میں دوبارہ پھر کھڑا ہوا اور ممبران مشن و حاضرین دربار کو یہ کاغذ پڑھ کر سنایا۔ آج میرمنشی کو پوشیدہ رہنے کا حکم نہ تھا۔ بلکہ علانیہ یہ تینوں اسپیشین اوس نے لکھیں جسکی دو ہزار کاپیاں چھپوا کر دوسرے روز تمام ملک میں تقسیم کی گئی۔

میں ایک مثال بیان کرتا ہوں جس سے ظاہر ہو گا کہ میرے لوگوں کو دولت برطانیہ کی دوستی کی کیسی قدر ہے اور اونکے دلون اور تمام میرے عہدہ داروں کے دلون میں کس درجہ محبت ہے۔ سر مارٹن ڈیورنڈ کی روانگی کے دو دن پہلے میں نے چاہا کہ انہیں اور دوسرے انگلش جنٹلمین کو جو مشن کے افسر تھے تمنغے وغیرہ بھیجوں۔

اسپیرٹس میں یہ دوستانہ تکرار ہوئی کہ کون شخص تمنغے اونکے پاس لیجائے۔ میرے گمانڈران چیت اور میرمنشی اور کوتوال تینوں یہ چاہتے تھے کہ وہ تمنغے ممبران مشن کے پاس لیجائیں کیونکہ وہ

اسی ایک خاص عزت کا باعث سمجھتے تھے کہ ممبران مشن اونکے ہاتھ سے متغالبین۔ القصد مین نے میرمنشی کے ہاتھ تمغے بھیجے اور او سے ہدایت کی کہ اپنے ہاتھ سے پیش کرے۔ اور میر بطرف سے اون کی نمایان خدمات کا بہت بہت شکریہ ادا کرے۔ یہ تمغے دیکر میرمنشی واپس آیا اور ہر ایک کے پاس سے شکریہ کا خط لایا۔ ۴۴ انو میر کو مشن کابل سے روانہ ہوا۔ جو غلط فہمیان اور جہاگیر کے ان سرحدی معاملے کے متعلق ہوا کرتے تھے سب ختم ہو گئے۔ اور جب عہدہ کے مطابق دو نوں گورنمنٹوں کی سرحدیں قائم ہو گئیں تو دو نوں گورنمنٹوں میں ایک عام صلح اور امن قائم ہوا۔ جو انشا اللہ ہمیشہ قائم رہے گا۔

اس موقع پر یہ بیان کرنا شاید بے محل نہ ہو گا کہ لارڈ لینڈٹون نے ۱۸۹۴ء عین ہندوستان سے روانہ ہوتے وقت ایک پیسج دی تھی جس میں انہوں نے یہ بیان کیا تھا کہ یہ سرحدی انتظام

اس لئے کیا گیا ہے۔ کہ سرحدی قبائل گورنمنٹ ہند کو آئندہ تکلیف نہ دین مگر اوتکے بیان کے بالکل برعکس ثابت ہوا اور پیری پیشین گوئی صحیح ہوئی۔ یعنی انہیں سرحدی قبائل کے ساتھ جو گورنمنٹ ہند کے دائرہ اختیار میں لائے گئے تھے۔ جنگ چترال۔ جنگ بچور۔ جنگ ملک قند۔ جنگ وزیری اور جنگ آفریدی واقع ہوئی۔ اور یہ سب لڑائیاں اس انتظام کے بعد پیش آئیں۔ جسکا ذکر لارڈ لینڈاون نے اپنی اسپیشل رپورٹ میں کیا تھا۔

اس کا سبب یہی ہے کہ ان قبائل کو اسلامی حکمران کے تابع رہنے کی کوئی توقع نہ رہی اور انگریزی حکومت کی اطاعت وہ پسند نہیں کرتے۔



# اہم قسم

## افغانستان کا انجام

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي  
الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي  
نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ

کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ آئندہ کیا ہوگا پھر میں جو کچھ افغانستان کے  
آئندہ حالات کو بیان کروں کیونکہ اس کا ذمہ دار ہو سکتا ہوں نہ معلوم  
صحیح ہو یا غلط۔ اگر میں یہ دعویٰ کروں کہ مجھے یقین ہے آئندہ کیا ہوگا۔

۱۔ پوشیدہ اسرار خدا پر روشنی میں بحر عالم الغیب کوئی نہیں جانتا کہ آئندہ کیا ہوگا۔  
یہ انگریزی عجیب کا ترجمہ ہے۔ مترجم

تو میرا یہ کہنا گویا کلمہ کفر ہے۔ مگر تاہم اس زمانہ کے حالات و علامات پر نظر کر کے کوئی ہوشیار مبصر بغیر نبوت یا ولایت کا دعویٰ کئے بیچہ بتا سکتا ہے کہ ہوا کس رخ کی چل رہی ہے۔ ناظرین کتنا بکو معلوم ہو گیا ہو گا کہ مجھے بہ نسبت اگلے دلیان ملک کے دنیا کا اور بنی نوع انسان کا بہت زیادہ تجربہ حاصل ہے۔ امید ہے کہ باطینان میرا بیان سنیں اور جو کچھ میں اپنے جانشینوں کے اور اہل ملک کے قائدہ کے لئے اشارہ یا کنایہ کہوں اسے گوش زد فرمائیں

میں اس باب کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ ایک حصہ اُن ترقیوں کے بیان میں ہو گا جو میرے ملک میں ہونا چاہیے اور اس میں ملک کے اندرونی معاملات کے متعلق میری رائے اور نصیحت ہوگی اور نیز ملک کے مختلف محکوم اور کارخانوں کی بابت میرا مشورہ ہو گا کہ آئندہ اُن میں اور کیا ترقی کرنا چاہیے۔ مگر اس مسئلہ کے متعلق اکثر امور پچھلے بابوں میں ذکر ہو چکے ہیں۔

ناظرین کتاب سے یہ توقع ہے کہ اگر کہیں اونکا اعادہ ہو جائے تو  
معاف فرمائیں۔ میں اونکو مکرر اس لئے بیان کرتا ہوں کہ میرے  
ملک کی اندرونی حکمت عملی اور ذرائع ترقی بخوبی ذہن نشین ہو جائیں  
کیونکہ ایک شے کی کامیابی دوسری شے پر منحصر ہے دوسرے  
حصہ میں افغانستان کی فارن پالیسی اور اسلظتوں سے جو  
ڈپلومیٹک تعلقات ہیں اونکا ذکر کیا جائیگا۔

## افغانستان کا انجام

ہوم پالیسی اور اندرونی معاملات  
کوئی معمولی عقل کا مبصر خواہ افغانستان کو اب بھی ویسا ہی سمجھے  
جیسے کہ سرفرڈ لائل اپنی ایک نظم میں لکھتے ہیں۔  
کشور افغان ہے پن چکی میں مٹھی بھراناج  
اور ندی آرہی ہے دیکھنا کس شور سے



کوئی دم میں پس کے رہ جائیگا آٹے کی طرح  
 سنگ بالا ہو کہ زیرین جب پھرے گا دوست  
 حکمنامے اس طرف یہ لکھ رہے ہیں دائرہ اسے  
 حکمرانی میں نہ چھوڑو عدل اور انصاف کو  
 روسیوں کو اس طرف کہتا ہے وہ للکار کر  
 دم ذرا لو۔ آپ سے باہر نہ ہو۔ منہ دھو رکھو  
 پھر یہ کہتا ہے کہ حالت دولت اسلام کی  
 ہے دگر گون آرہی ہے اب صدای الرحیل  
 سب تباہی کے میچے اٹار آتے ہیں نظر  
 کیا مجھی پر خاتمہ ہونا ہے اسے رب جلیل

— ❁ —

لیکن ملک کی اوس حالت پر نظر کر کے جو میری تخت نشینی کے وقت  
 تھی اور جب سے اب تک اس قلیل زمانہ میں جو حیرت انگیز ترقی ہوئی

اوس سے پوری اُمید ہے کہ انشا اللہ افغانستان ایک بڑی قومی سلطنت ہو جائے گا۔ عرب کے اوس پاک نبی اور مادی برحق کے اقوال ہمارے لئے ایک بڑی میراث ہیں جس نے عرب کے صحرا کو دنیا میں ایک نہایت شاداب سلطنت بنا دیا۔ آنحضرت کا یہ قول میرے ملک کے حسب حال ہے۔ جب خدا کچھ کرنا چاہتا ہے تو اوس کی مشیت معاملات کو اوسى ضرورت کے موافق بدل دیتی ہے، الحمد للہ کہ جو ذرائع افغانستان کی آئندہ ترقی کے لئے مفید ہیں وہ روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ افغانستان ایک ایسا ملک ہے کہ یا تو ایک بڑی قومی عظیم الشان سلطنت ہو کر رہیگا یا صفحہ دنیا سے بالکل مٹ جائیگا اس آخری حالت کا وقوع اور وقت ممکن ہے جب کوئی ناخبر بہ کار اور کمزور امیر ملک میں حکمران ہوگا اس صورت میں ملک تقسیم ہو جائیگا اور سلطنت افغانستان کا نام

بھی باقی نہ رہے گا۔ میں اپنے بیان کو اور واضح کرنے کے  
 لئے یہ کہتا ہوں کہ یہ غیر ممکن ہے کہ ان دو نون صورتوں کے علاوہ  
 افغانستان میں کوئی تیسری حالت پیدا ہو۔ اس امر کا تو خیال ہی نہ کرنا  
 چاہیے کہ اگر افغانستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو گیا تو  
 روس کی کوئی ہستی باقی رہے گی۔ کیونکہ اگر گورنمنٹ میں اتنی قوت اور دانائی  
 باقی نہ رہی کہ ملک کو بلا امانت غیرے بیرونی حملوں سے بچا سکے  
 تو یقیناً روس یا انگلستان اس پر قبضہ کر لے گا۔ مگر روس یا انگلستان  
 سارے ملک پر نہ قابض نہیں ہو سکتا۔ مثلاً انگلستان کبھی  
 یہ روانہ نہ کرے گا کہ روس ساری افغانستان کا مالک ہو کیونکہ اس  
 صورت میں انگلستان کو ہندوستان پر قبضہ رکھنا دشوار ہوگا اسلئے  
 کہ ہر وقت صد ہا دقوں اور حظروں کا سامنا رہیگا اسی طرح اگر انگلستان  
 سارے افغانستان کو لینا چاہے تو روس اس بوٹ میں بچا رہا  
 لگائے چپ نہ رہیگا۔

اگر افغانستان خوش قسمت ہے اور کسی ہوشیار متکبر - دلیر دور  
اندیش بادشاہ کے زیر فرمان ہوا تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ ترقی کر کے  
ایک بڑی قومی سلطنت نہو۔ اس لئے کہ ملک کا رقبہ اور آبادی بعض  
بڑی بڑی سلطنتوں کے برابر ہے۔ بخلاف اس کے کہ اگر افغانستان  
کسی ایسے امیر کے ہاتھ لگا جیسے کہ شاہ بخارا یا ہندوستان کے بعض  
والیان ریاست ہیں تو اس کی مٹی خراب ہوگی۔ روس یا انگلستان  
کے ساتھ یکے بعد دیگرے عہد نامے کئے جائیں گے اور ملک  
رفتہ رفتہ ہاتھ سے نکل جائیگا۔ اگر امیر نے خود ایسا نہ کیا تو روس  
یا انگلستان یا ملک کے چھوٹے چھوٹے سردار اسے مجبور کر دیں گے۔  
اس بارہ میں اب زیادہ تفصیل کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے  
کہ جو لوگ مشرقی معاملات سے واقف ہیں انہیں یہ بات بخوبی  
معلوم ہے۔

پچھلے فترہ میں جو یہ ذکر ہوا ہے کہ آیا ممکن ہے کہ افغانستان

آئندہ کبھی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو جائے اور اسکی  
 پولیٹیکل حیثیت باقی نہ رہے یا اسقدر قوی ہو کہ اپنی پوری حفاظت  
 کر سکے میں ان دونوں پہلوؤں پر تفصیلی بحث کرونگا۔ تاکہ میری  
 قوم کو نصیحت ہو۔

اس مقام پر میں اپنی رائے ظاہر کرتا ہوں کہ افغانستان  
 کس طرح ایک قوی اور خود مختار ملک ہو سکتا ہے۔ دوسرا امر جسکے  
 متعلق میں رائے دوں گا یہ ہے کہ افغانستان کو روس اور انگریزوں  
 کے پنجے سے بچانے کے لئے کیا تدبیر کرنا چاہیے اس مسئلہ  
 میں اور موقع پر بحث کی جائے گی جو فارن پالیسی سے متعلق ہے۔  
 افغانستان ایسا ملک ہے جو ایک شاداب زمین سے  
 مشابہت رکھتا ہے جس میں ہر قسم کے پھول پھل پیدا ہونے کے  
 قابلیت ہو۔ بشرطیکہ کسی اچھے باغبان کی نگرانی میں رہے۔ اس سے

۱۔ وہ ملک علی جو غیر ملکی کے ساتھ برتی جائے۔ مترجم۔

مطلب یہ ہے کہ کوئی ہوشیار حکمران ملک پر مسلط ہو جن ملکوں  
میں ترقی و پیداوار کے ذرائع ہوں وہ مثل بنجر زمین کے ہیں جس میں  
باوجود باغبان کی محنت کے بجز چند پھول یا پہلوں کے کچھ پیدا ہو سکے  
مگر افغانستان میں دو کت قوت اور ترقی کے بہت ذرائع موجود ہیں۔  
میں ان میں سے چند بیان کرتا ہوں۔

## معدنیات

ملک مختلف اقسام کی بیش بہا کانوں سے بھرا ہوا ہے۔ یا قوت  
پکھراج۔ لاجورد۔ سونا۔ چاندی۔ سیسہ۔ تانبا۔ لوہا۔ کوئلہ جن میں  
بعض کانیں تو یورپین جیالوجسٹ کے بیان کے مطابق دنیا میں  
سب سے بڑی کانیں ہیں۔ ان کانوں سے یقیناً بہت کچھ نکلا  
ہے جس سے نکلنے کا خرچ وغیرہ بھی سب ادا ہو سکتا ہے لیکن یہ  
بیش قیمت جواہرات اور بے بہا کانیں جب تک باقاعدہ طور سے

کام میں نہ لائی جائیں مثل پوشیدہ خزانہ کے ہیں اس لئے کہ جو شخص  
جواہرات نہیں پہنچاتا اس کے نزدیک شیشہ اور الماس کا ٹکڑا دونوں  
برابر ہیں۔

## تجارت

افغانستان کی تجارت کے لئے پیداوار اور ذرائع بیشمار ہیں علاوہ  
بڑی بڑی کوسے اور لوہے کی کانوں کے جو مثل انگلستان کی کانوں  
کے ہیں جو سیاہ الماس برطانیہ کے نام سے موسوم ہیں۔ اور جن کی  
بدولت انگلستان آج ایک عظیم الشان سلطنت بنا رہا ہے ملک میں کثرت  
آبشار ہیں جو کلین چلانے کے لئے بجارآمد ہو سکتے ہیں اور اس طرح  
صنعت و حرفت کو ترقی ہو سکتی ہے۔

## رعایا

اہل افغانستان مرد و زن و دونوں بڑے بہادر۔ نہ کی اور تعلیم کے

شایق ہیں۔ آزادی و خود مختاری پر مرتے ہیں۔ قومی الجبہ اور تندرست  
 ہوتے ہیں۔ اور شہر انجوائی و قمار بازی کے عیبوں سے بالکل  
 پاک ہیں۔ وہ بہت جلد حال کی اصلاحات و تعلیم کو اختیار کر لیتے  
 ہیں۔ اور ادھنیں غیر ملکیوں کے ساتھ فضول اداہم یا تصبات  
 بالکل نہیں۔ وہ مثل ہندیوں کے نہیں ہیں کہ دولت برطانیہ کو ملک  
 میں حکومت کرتے ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزرا ہے مگر اب تک  
 یورپین خیالات سے ناواقف ہیں اور کوٹ پتلون یا بوٹ پہنتے  
 کو گناہ سمجھتے ہیں وہ اب تک اسی لکیر کے فقیر ہیں۔ قدیم وضع کی زیر پائی  
 پہنتے ہیں جن سے راہ چلنا دشوار ہوتا ہے اور ان کے پانچامون  
 کے ازار بند ٹخنوں تک لٹکتے رہتے ہیں۔ بخلاف اسکے افغانوں  
 میں اتنے تھوڑے زمانہ میں ایسا عظیم تغیر ہوا ہے کہ وہ مثل اپنے  
 ترکی بہائیوں اور دوسری یورپین اقوام کے معقول وضع کا لباس  
 پہنتے ہیں اور غیر ملک کے مرد اور عورتوں کے ساتھ جلد خلا مل کر لیتے



ہیں۔ اور اون سے ہر ایک بات سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

## قومی قرضہ

نہ ملک افغانستان زیر بار ہے اور نہ گورنمنٹ افغانستان۔ اور نہ اوسکو کسی جنگ کا تاوان بھرنہ ہے۔ گورنمنٹ افغانستان اون زیر باریون سے بالکل پاک ہے جن میں اور سلطنتیں مبتلا ہیں کسی پر قومی قرضہ کا بار ہے اور کوئی اپنے ہمسایہ کو جنگ کا تاوان دے رہی ہے۔ جب کبھی ملک میں کچھ ترقی یا لشکر کی درستی کا سامان ہونے لگا۔ فوراً قرض کے دعویدار اوٹھ کھڑے ہوئے کہ پہلے ہمارا قرضہ ادا کرو پھر کسی اور کام میں روپیہ لگاؤ یا سامان جنگ خریدو۔ شکر ہے کہ افغانستان کیلئے کوئی ایسی روک ٹوک نہیں۔ نہ غیر ملک کے سفیر ہیں جو معاملات ملک میں سازش کریں اور نہ غیر اقوام کے حقوق کے تحفظ کے لئے کوئی عہد نامہ

ہے جس سے غیر سلطنتیں دخل مہی کی مجاز ہوں۔ مزید برآں کسی غیر  
سلطنت کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا ہے کہ ریل وغیرہ بنانے کے  
لئے اجارہ چاہے۔ نہ ہندوستان کی دیسی ریاستوں کی طرح کوئی  
انگلش رزیڈنٹ منراول ہے جو والی ریاست سے پوچھنے کا  
مجاز ہو کہ ”دن میں کتنی روٹیاں کھاتے ہو“ اور تمہارے منہ میں کے  
دانت ہیں یا اونکے خانگی و ملکی معاملات کے انتظام میں دخل دے

## ہمسائے

افغانستان کے دونوں پہلوؤں میں انگلستان و روس دو بڑی  
سلطنتیں ہیں۔ گو افغانستان کو ان دونوں سلطنتوں کی قربت سے  
بہت تشویش رہتی ہے مگر چونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی رقیب  
ہیں اس لئے ان کی قربت افغانستان کی حفاظت کے لئے  
مفید بھی ہے۔ گورنمنٹ افغانستان کی بہت کچھ حفاظت اس بات سے

بھی ہے کہ یہ دونوں سلطنتیں آپس میں ایک دوسرے کا افغانستان  
 کی چپہ بھر زمین لینا بھی گوارا نہیں کرتیں۔ اسکے علاوہ میری رائے  
 ہے کہ یہ دونوں سلطنتیں یہ بھی نہیں چاہتیں کہ افغانستان کے  
 لئے آپس میں جنگ مول لیں۔ بلکہ وہ اسی میں اپنا فائدہ دیکھتے  
 ہیں کہ افغانستان بجاے خودیوں میں قائم رہے مگر اس معاملہ  
 میں آئندہ تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

## مذہب

گورنمنٹ افغانستان کے قومی ہونے کی ایک اور وجہ یہ ہے  
 کہ کل رعایا کا ایک مذہب یعنی مذہب اسلام ہے۔ دوسرے  
 مذاہب کے لوگ افغانستان میں بہت کم ہیں۔ اتنے نہیں ہیں  
 جتنے کہ یونانی اور ارمنی ترکستان میں ہیں جن کو غیر سلطنتیں اپنے بادشاہ  
 سے لڑنے کے لئے ابھارا کرتی ہیں۔ افغانستان کی رعایا

کو اس امر میں بڑا نصب ہے کہ ہجر اُنکے ہم مذہب کے اور کوئی  
 غیر مذہب والا دن پر حکمران نہ ہو۔ وہ اور کل مذاہب کے  
 بادشاہوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ مذہب کے لئے مرد و عورت دونوں  
 لڑنے پر مستعد ہیں اور یہ سب کا ایمان ہے کہ کافروں کے مقابلہ  
 میں جو کوئی مارا جائیگا وہ سیدہ جنت کو روانہ ہوگا۔ ہر افغان  
 مرد و زن کی یہ وعار ہے کہ خدایا مجھے شہید کی موت عطا کر۔ فی الحقیقت  
 وہ آزادی اور خود مختاری کے عاشق ہیں اپنے ہم مذہب بادشاہ  
 کی اطاعت بھی بمشکل قبول کرتے ہیں۔ پھر غیر مذہب والے بادشاہ  
 کے کیا خاک مطیع ہونگے۔ اس کا ثبوت صاف ظاہر ہے کہ  
 مثل خیبر اور دوسرے اضلاع کے باشندے جو ہندوستان  
 کی سرحد پر واقع ہیں۔ ان میں اب تک اتنا امن نہیں قائم ہوا ہے  
 کہ کوئی شخص بغیر ایک قومی باڈی گارڈ کے اپنے ملک میں سفر  
 کر سکے۔ ملک ایسا کوہستانی ہے کہ پہاڑوں کی چوٹیں ان

فطرتی بہادر و ن کی حفاظت کے لئے گویا مضبوط خدا داد قلعے  
 ہیں۔ چنانچہ نہ گورنمنٹ روس مناسب خیال کرتی ہے۔ کہ صد مائیل  
 کا یہ دشوار گزار کوہستانی راستہ وہاں کے حکمران اور قوم کی  
 مرضی کے خلاف طے کیا جائے اور نہ انگلش گورنمنٹ قرین مصلحت  
 سمجھتی ہے کہ ایسے ملک کے لئے اس قدر زر کثیر اور بیشمار پیش  
 قیمت جانیں ضائع کی جائیں۔ اگر بالفرض یہ ملک فتح بھی کر لیا تو اس کا  
 رکھنا محال ہوگا۔ ایک مہذب گورنمنٹ کے انتظامات اور فوج  
 وغیرہ رکھنے میں جو کچھ صرف ہوگا وہ بھی ملک کی آمدنی سے  
 ادا نہ ہوگا۔

بجالت موجودہ افغانستان مالی لحاظ سے کسی غیر سلطنت کے  
 لئے بکا آمد نہیں ہو سکتا۔ البتہ فوج کے لئے سپاہی مل سکتے  
 ہیں۔ اس لحاظ سے البتہ افغانستان کسی غیر سلطنت کا معین ہو سکتا  
 ہے جو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے افغانستان سے ہر کر

گذرے اور افغانی سپاہیوں کی مدد چاہیے۔ لیکن افغانستان  
 پر قبضہ کرنا کسی غیر سلطنت کے لئے مفید ہوگا۔ اس کے لئے  
 کم از کم پچاس ساٹھ برس کا عرصہ چاہیئے تاکہ افغانستان بذریعہ تجارت  
 و معدنیات ملک ترقی کر کے مہذب ملکوں میں شمار کیا جائے  
 اور ریل اور تار اور دفائی جہاز سب فراہم کر لے۔

## انگلستان پہ چاہتا ہے کہ افغانستان محفوظ و مضبوط رہے

گو بعض کوتاہ اندیش انگریزوں نے اور دوسرے لوگوں نے  
 جنہیں (فار وارڈ پالیسی) یعنی پیش قدمی کا جنون ہے کئی دفعہ  
 افغانستان اور برطانیہ اعظم میں رنجش ڈلوادی اور افغانستان  
 کے بعض قبیلے یہ کہہ کر اپنے تعلق کر لئے کہ یہ حکومت افغانستان

سے علیحدہ اور خود مختار ہین گروہ لوگ یہ نہ سمجھے کہ یہ ساری بنجر  
 زمین جو سرحد افغانستان پر واقع ہے انگریزی قبضہ میں رکھنا  
 خلاف عقل ہے یا نہیں۔ اس سے خواہ مخواہ ہندوستان کے  
 خزانہ پر بار پڑا۔ وہاں قیام امن کے لئے فوج رکھنی پڑی۔ علاوہ  
 اسکے سول انتظام کرنا پڑا۔ بیٹھے بٹھائے اپنے سرفروہ داری  
 کا بار لیا۔ وہ صرف بڑایا جو اس سرزمین کی آمدنی سے کبھی ادائیگی  
 ہو سکتا اور اپنے تئیں تشویشوں میں پھنسیا۔ یہ کوتاہ اندیش  
 انگریزی عہدہ دار جو اپنی دانائی اور قوت پر بہت لاف و گزاف  
 مارتے ہیں غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ ادھین عالم الغیب سے بھی  
 زیادہ علم ہے اور اگر کوئی واقف کار شخص ادھین نصیحت کرنا چاہتا  
 ہے تو اس کا خاکہ اڑاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے بڑھ کر  
 کوئی ہوشیار نہیں۔ یہی لوگ فار و اڑڈ پالسی کے موید اور  
 بڑے جنگجو ہیں۔ مگر خوش قسمتی سے انگریزی قوم۔ انگریزی

مدبر اور انگریزی رعایا بہ نسبت ان چند مذکور الصدر ہمہ دانوں کے زیادہ تر واقف و ہوشیار ہیں چنانچہ ان لوگوں کی چالیں انگریزی مدبرین اور رعایا کے ناپسند ہوتی ہیں جو فی الحقیقت یہ چاہتے ہیں کہ افغانستان ایک قومی خود مختار گورنمنٹ ہو اور ایک سچا دوست بنکر سلطنت ہند کا پشت پناہ رہے میں خوش ہوں کہ روز بروز صلح جو لوگوں کی تعداد جو گورنمنٹ ہند اور میری گورنمنٹ کے سچے خیر خواہ ہیں بڑھتی جاتی ہے اور اس خیال کے لوگ جن کی بدولت انگلستان اور افغانستان میں اس قدر لڑائیاں اور خونریزیاں ہوئیں اب گھٹتے جاتے ہیں۔ اب برٹش نے یہ ظاہر کرنا شروع کیا ہے کہ افغانستان کی خیر خواہی محض باتوں سے نہیں بلکہ انہیں دل سے منظور ہے۔ اور عملاً بھی اس چیز کو ثابت کر چکے ہیں۔ کہ جہاں تک ہو سکے افغانستان کی حفاظت و قوت و حمایت کے لئے روپیہ۔ ہتھیار۔ کلوں وغیرہ سے ہر طرح کی مدد



دیجائے اس لئے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ سلطنت ہند کی بہبودی  
افغانستان کے ساتھ وابستہ ہے۔

وزرائے برطانیہ نے افغانستان کو مدد دینے کے لئے  
محض رضامندی ہی نہیں ظاہر کی ہے بلکہ کسی غیر حملہ آور کے مقابلہ  
میں میرے ملک کی حفاظت کے ضامن ہوئے ہیں۔ اس بات  
سے مجھے اور میرے جانشینوں کو موقع ملا ہے کہ اپنی ساری توجہ  
ملک کے اندرونی حالات کی اصلاح اور ترقی میں صرف کرین  
اور بیرونی خطروں کی تشویش اور ذمہ داری اپنے اہل و عیال  
پر چھوڑ دیں جو انگلستان میں ہیں۔

افغانستان کو قوی اور دولت مند بنانیکے

متعلق مشورہ و نصیحت و عملی اشارات

جو ذرائع افغانستان کو ایک بڑی سلطنت بنانے کیلئے  
 موجود ہیں۔ ادھنکا کچھ ذکر تو ہو چکا ہے اب میں اختصار کے ساتھ یہ  
 بیان کرونگا کہ یہ چیز کس طرح ممکن ہے اور اس کے حاصل ہونے کے  
 کیا طریقے ہیں میں جزوی معاملات سے قطع نظر کر کے چند ضروری  
 باتیں بیان کرتا ہوں جو افغانستان کو آئندہ ایک بڑی قوم بنا  
 سکتی ہیں۔

یہ تو معمولی بات ہے کہ مکان آسائے کرنے سے پہلے  
 مکان بنانے کی فکر کرنا چاہیے اور جب مکان بن جائے تو ضرور  
 ہے کہ وہ دیواروں سے محصور ہوتا کہ اساس البیت محفوظ رہے  
 اور اگر مکان میں سوراخ - گڑا ہے - سانپ - بچھو وغیرہ ہوں تو ضرور  
 ہے کہ پہلے ان کے نکالنے کی فکر کرے۔ تب مکان میں رہے  
 اسی لئے سب سے پہلے اور ضروری چیز یہ تھی کہ میں افغانستان  
 کے گرد حدود قائم کروں تاکہ اول یہ معلوم ہو جائے کہ دراصل کون

کون صوبہ افغانستان میں شامل ہیں اس کے بعد ترقی اور اصلاح  
 کی فکر کی جائے۔ الحمد للہ کہ میں اس چیز میں کامیاب ہوا اور افغان  
 کے حدود قائم کر دئے جس سے قریب کی سلطنتوں کی دست  
 اندازی مسدود ہوئی اور آئے دن کی لڑائیاں جھگڑے جو ہم سب  
 دالوں سے ہوا کرتے تھے دفع ہوئے اور اب میرے جانشینوں  
 کو بھی اس معاملہ میں آئندہ کے لئے اطمینان ہوا کہ بغیر عہد نامہ  
 ٹوٹے کوئی لڑائی جھگڑا نہ ہوگا۔ میرے جانشینوں کو اسلئے امن  
 اور ترقی کی بنا پڑی اور اس بارہ میں اب وہ نہیں اہل جوار سے  
 خط و کتابت کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ جب ملک کے گرد حدین  
 قائم ہو چکیں اور گویا مکان محصور ہو گیا تو یہ ضرور ہوا کہ اس مکان سے  
 کل موذی حشرات الارض۔ سانپ۔ بچھو جو مکان میں گھر بنائے  
 تھے اور امن و ترقی میں بہت مانع تھے نکالے جائیں یعنی صدمہ  
 چھوٹے چھوٹے سردار رہزن۔ بد معاش اور قزاق جو افغانستان

میں ہمیشہ مشرور و فساد اٹھایا کرتے تھے۔ سب راہ راست پر لائے  
 جائیں۔ اسلئے لازم ہوا کہ وہ قدیم انتظام جبکی رو سے والی ملک  
 بعض بڑے بڑے امرا کو جنگی ضروریات کے پیش آنے کے وقت  
 فوجی ملک کے بہم پہنچانے کے معاوضہ میں جاگیرات عطا  
 کر کے بذریعہ نیابت حکومت کرتا تھا توڑ دیا جائے اور سب  
 ایک قانون اور ایک حکومت کے مطیع کئے جائیں۔ شکریہ  
 کہ میں اس معاملہ میں بھی پورا کامیاب ہوا اور افغانستان کو ایک  
 متحدہ سلطنت کی صورت میں لے آیا۔ صدیاسر داران قبائل جو پہلے  
 جانی دشمن تھے گاڑھے دوست ہو گئے اور میں نے ان کو  
 اپنی گورنمنٹ میں بڑے بڑے عمدہ اور اعلیٰ خدمتیں دیں۔ جن  
 لوگوں نے میری اطاعت نہیں قبول کی اور امن میں مغل ہوئے  
 وہ ملک سے نکال دئے گئے۔ اب امیر سے بیکر فقیر تک  
 تمام افغانستان میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو میری گورنمنٹ

سے عدول حکمی کر سکے یا میرے بعد میرے جانشینوں سے  
 بغاوت کرے جو لوگ میری اس حکمت عملی پر نکتہ چینی کرتے ہیں  
 میں ان سے یہ کہتا ہوں کہ تمام سلطنتوں کی تاریخ کو دیکھیں جو  
 اس حالت سے جبکہ حکومت بڑے بڑے زبردست امرا کی  
 نیابت سے ہوتی تھی اور خود مختار قبیلوں اور جرگون کی باہمی  
 خانہ جنگیوں اور سرحدی کشاکشوں اور خونریزیوں پر مشتمل ہوا  
 کرتی تھی کس طرح تہذیب اور شایستگی کے درجہ کو پہونچی  
 ہیں۔ تب وہ خود انصاف کر سکیں گے کہ یہ حالت بغیر لڑائی  
 لڑے اور خونریزی ہوئے نہیں نصیب ہوئی ہے۔ جبوقت  
 میں اس کام میں مصروف تھا کہ تلوار کی نوک سے افغانستان  
 کی اندرونی حالت اور قلم کی نوک سے بیرونی حالت درست  
 کر کے اسے ایک سلطنت کی صورت میں لے آؤں میں نے  
 کوئی دقیقہ اصلاح اور ترقی کا جو ملک کے لئے ضرور تھی فراموش

ہنہین کیا ان اصلاحات کا ذکر اپنے اپنے موقع سے آچکا ہے  
 لہذا یہاں میں صرف یہ کہوں گا کہ جو کچھ افغانستان کے لئے  
 ہونا چاہیے اس کا دسواں حصہ بھی ہنہین ہوا۔ اگر ترقیان اور  
 اصلاحیں برابر جاری رہیں تو البتہ کچھ ہوگا۔ مین بالفعل قوم کی  
 آئندہ ترقی کے متعلق چند اشارے بیان کرتا ہوں۔

سب سے پہلی اور نہایت ضروری نصیحت جو میں اپنے شاہینوں  
 اور رعایا کے لئے کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر افغانستان کو  
 ایک عظیم الشان سلطنت بنانا چاہتے ہیں تو اتفاق کی قدر کریں۔  
 صرف اتفاق ہی ایسی چیز ہے جو افغانستان کو ایک بڑی قوت  
 بنا سکتا ہے۔ کل شاہی خاندان۔ امرا اور رعایا سب ایک دل  
 ایک رائے اور ہم غرض ہو کر اپنے گھر کی حفاظت کریں۔

میرے بچپن سے اب تک کوئی دن ایسا ہنہین گذرا کہ جس روز  
 کسی نہ کسی ملک اور قوم کی تاریخ میں نے خود نہ پڑھی ہو یا مجھے پڑھ کر

نہ سنائی گئی ہو۔ ان تواریخ کے مطالعہ سے میں نے ایک نتیجہ  
 نکالا ہے وہ یہ کہ بہت سی سلطنتوں کا زوال خصوصاً مشرق میں  
 اسلامی سلطنتوں کی تباہی محض نا اتفاقی اور خانہ جنگیوں کی بدولت  
 ہوئی۔ اسلام جو اس قدر ترقی کر کے عرش پر پہنچا وہ محض عرب  
 کے اوس بڑے کشور آما کے قول کی پیروی کی بدولت۔ جسکا  
 یہ مطلب ہے کہ کل مسلمان بھائی ہیں۔ جب اس قول کی پیروی  
 ترک کر دی اور نفاق نے جگہ پائی تب اسلام ابتر ہوا اور یکے  
 بعد دیگرے ساری سلطنتیں کھو بیٹھا۔ میں اپنی قوم اور اپنے جانشینوں  
 سے التجا کرتا ہوں کہ اپنے ملک کے معاملہ میں ہمیشہ یکدل رہیں  
 اور میرے قدم بقدم چلیں۔ وہ اس اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں  
 کہ میں نے کس طرح اپنے تخت کے گرد تمام وہ شاہزادے  
 اور امراء سردار جو ہندوستان و روس و ایران میں غریب  
 الوطن تھے جمع کر لئے اور انکی دشمنی تبدیل بدوستی ہو گئی۔ میں اس

امر کو بہ تفصیل دوسری جگہ بیان کر چکا ہوں۔ اس مقام پر زیادہ لکھتے  
 کی ضرورت نہیں۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ شہر کابل میں اور خود میر  
 بیٹوں میں میرے بعد کوئی خانگی جھگڑا ایسا نہ ہوگا جو خطرناک  
 سمجھا جائے۔ میں نے اپنی زندگی میں یہ انتظام کر دیا ہے۔ کہ  
 کل شاہزادے اور اہل افغان میرے بڑے بیٹے کو اپنا سردار  
 سمجھیں اور اس کی اطاعت قبول کریں۔ میرے آبا و اجداد نے  
 جو غلطیاں کیں۔ میں ان سے بہت مستنبہ ہو گیا ہوں۔ میں نے  
 ایسا نہیں کیا کہ ملک اور فوج اپنے لڑکوں میں تقسیم کر دی ہو تاکہ  
 نا اتفاقی کی صورت میں انہیں آپس میں لڑنے کا موقع ملے  
 اگر قسمتی سے میرے بیٹے اور شاہزادے میری اس نصیحت  
 پر عمل نہ کریں اور آپس میں لڑیں تو یہی بہتر ہوگا کہ اپنی بد اعمالی کی  
 سزا پائیں اور میری نصیحت نہ سننے کا یہ پھل ملے کہ ملک  
 ان کے ہاتھ سے جائے۔ افغانستان نصیب دشمنان ہو اور قوم



افغان کا وجود ہی مٹ جائے۔ اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو  
 انہیں خود اپنے اور پھرین کرنا ہوگی سئلے کہ خدا فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ  
 لَا يَغَيِّرُ مَا يَفْعُوْرُ حَتّٰى يَغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔

لیکن اگر میرے بیٹے اور جانشین خوش قسمتی سے  
 رہے اور ایک دل رہے (جہاں تک میرا علم ہے کوئی دہن نہیں  
 کہ نہ ملے رہیں۔ اون میں کوئی اس قابل نہیں کہ اپنے بڑے بہائی  
 کا مقابلہ کر سکے جسکے ہاتھ میں فوج اور خزانہ اور ہر ایک چیز ہے)  
 تب ہی اسکو علاوہ ایک دوسری وقت قابل لحاظ ہے اور وہ شاہی  
 خاندان کے اون لوگوں کی نا اتفاقی ہے۔ جو افغان کے باہر ہیں  
 یہ لوگ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو برطانیہ اعظم کی حفاظت میں  
 ہیں اور انگریزی خوشامد خورے کہلاتے ہیں۔ اور دوسرے

۱۵۔ عند کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک خود وہ قوم اپنے افعال سے  
 اپنی حالت نہ بدلے۔

وہ جو روسی حفاظت میں ہیں۔ اُن میں پہلی قسم کے چندان قابل  
 خوف نہیں۔ اُسکی وجہ یہ ہے کہ قریب قریب اُن کے کل  
 معتبر ساتھی اُنہیں چھوڑ کر کابل میں آگئے ہیں۔ یا اب آنے  
 والے ہیں یا میری حسب ہدایت اُنہیں کی ملازمت میں ہیں اور  
 علانیہ یا خفیہ مجھے تنخواہ پاتے ہیں۔ دنیا میں بڑے سے بڑا  
 بہادر بغیر ہمارے یون کے تنہا ایک فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ان  
 بیچاروں کا بھی وہی حشر ہوگا جو افغانستان کے آخری شاہی  
 خاندان (سُڈوزی) کے شاہزادہ کا ہوا جو بوٹا ہو کر انگریزوں  
 کی وظیفہ خوار سی میں مرا اگر ہمیشہ تمنا یہ رہی کہ ایک دفعہ پھر کابل  
 کے تخت پر بیٹھنا نصیب ہو۔

علامہ اسکے کہ یہ شاہزادے تنہا ہیں۔ کوئی ہمراہی نہیں  
 رکھتے برٹش گورنمنٹ خوب جانتی ہے۔ اُسے یاد ہے کہ ان  
 لوگوں نے کیسی بدانتظامی پہیلیائی اور عہد شکنی کر کے روس

سے سازش کرنے لگے۔ مجھے یقین ہے کہ برٹش عہدہ داروں کا  
حافظہ ایسا اچھا ہے کہ یہ باتیں اور سخنیں یاد ہو سکیں اور دوبارہ سبق  
لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ مجھے اس میں بھی تامل ہے کہ یہ شاہزاد  
برطانیہ کی مدد سے بھی کبھی تختِ پاکستان پر نہ بیٹھیں۔ خصوصاً جو وقت افغانستان  
ایسا قوی ہو جائے جیسی کہ مجھے توقع ہے۔ مجھے بالکل یقین  
ہے کہ انگریزوں کا عہد نامہ ان کے خلاف جو میری اور ان کی  
گورنمنٹ کے مابین ہوئے ہیں کبھی ایسا نہ بن سکے۔ اس عہد شکنی  
کا یہی نتیجہ ہوگا کہ افغانستان کے ساتھ کھلم کھلا جنگ ہوگی اور یہ  
بات بالکل ان کی خواہش اور مرضی کے خلاف ہے۔ اگر انگریز  
اپنے عہد و پیمان پر قائم ہیں تو کبھی ان لوگوں کو جو ان کے  
ہاتھ میں ہیں میرے لڑکوں کے ستانے کے لئے افغانستان  
میں نہ آنے دیں گے۔ ان سب باتوں کا خیال کر کے اب کوئی  
محل تشویش نہیں اس لئے کہ وہ لوگ انگریزوں کی حفاظت

اور نگرانی میں ہیں۔ لیکن اگر باوجود عہد ناموں کے انگریزوں  
 نے میرے خاندان کے دشمنوں کو مدد دی تو اس حالت  
 میں میں اپنے بیٹوں اور جانشینوں کو یہی صلاح دوں گا کہ وہ  
 طریقہ اختیار کریں جو میں نے اختیار کیا تھا جب گورنمنٹ ہند نے  
 میرے خلاف امیر شیر علی خان کو مدد دی تھی۔ یعنی اول ہی  
 سے بہادر وں کی طرح لڑ کر فیصلہ کر لین اور اگر ممکن ہو تو اپنے  
 دشمنوں کو ملک سے نکال دین۔ یا اگر خود شکست کھائیں (جس کی  
 مجھے ہرگز اُمید نہیں) تو وہ راہ چلیں جو میں اونکو بتائے جاتا ہوں  
 یعنی انگریزوں کے خلاف کسی دوسری سلطنت کی حمایت  
 میں جا رہیں۔ لیکن مجھے قوی اُمید ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ  
 کبھی ایسا اتفاق نہ ہوگا۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں یا کوئی اور  
 شخص جسے خدا نے سمجھ دی ہے۔ اس معاملہ میں افغانستان کے  
 انجام کے متعلق تصفیہ کر سکتا ہے کہ انگریزوں کی غرض اور سلطنت

ہند کی سلامتی افغانستان کے قومی اور خود مختار ہونے پر منحصر ہے اور شاہزادوں کو آپس میں لڑا کر افغانستان کو کمزور کرنا نامناسب ہے۔

دوسرا معاملہ جو میرے بیٹوں اور جانشینوں کے لئے نہایت قابل غور ہے وہ یہ کہ اوں کے تین دشمن ہیں جو روس کی حمایت میں پناہ گزین ہیں۔ یہ البتہ بڑے خطرے کی بات ہے۔ گونا گونا گویا کے اعتبار سے وہ خفیف ہو یا سنگین۔ یہ بات یقینی ہے کہ خطرہ ضرور ہے۔ جن وجوہ سے میں اپنے جانشینوں کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں وہ بہت سے ہیں۔ مگر میں چند باتیں یہاں پر ذکر کرتا ہوں۔

بجائے انگریزوں کے روسی یہ چاہتے ہیں کہ افغانستان جو اوں کی راہ میں حائل ہے اگر بالکل معدوم نہ ہو سکے تو کم از کم منقسم ہو کر بہت کمزور ہو جائے پس جس طرح انگریزوں کا یہ فائدہ

ہے کہ دعویٰ اراں تخت کو اپنے اختیار میں رکھیں روسیوں کا  
 اس میں فائدہ ہے کہ انہیں لڑنے کے لئے یہاں بھیجیں  
 ان کے لئے اس بات کی وجہ بھی معقول ہے۔ اولاً اون کا نفع  
 یہ ہے کہ افغانستان کا وجود ہی باقی نہ رہے جو ہندوستان پر  
 حملہ کرنے کے وقت اونکا سدراہ ہو۔ دوسرے جب روسیوں  
 نے برخلاٹ عہدِ دہیان کے جو دولتِ برطانیہ کے ساتھ کئے  
 تھے امیر شیر علی خان سے سازش کی اسوقت انگریزوں نے  
 ہدیا چاہیے دیئے روسیوں کی مخالفت کی۔ جس سے انکی  
 کمزوری ظاہر ہوئی۔

روسی یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ افغانستان میں فتنہ بپا کر کے تو  
 سچان اللہ اور اگر کامیاب نہ ہوئے تو انگریز اس بارہ میں کچھ  
 زیادہ کد نہ کریں گے اور معاملہ ماؤس آفٹ کا منتر میں کچھ توڑے  
 مباحثہ کے بعد یا چند اخباروں میں ذکر ہو کر یوہین ٹل جائے گا۔

دوسری وجہ اس معاملہ میں زیادہ ہو شیار رہنے کی یہ ہے  
 کہ محمد اسحاق کے پاس جو روسیوں کی حمایت میں ہے اب بھی  
 بہت سے ہمراہی ہیں۔ اور کچھ نہ کچھ شریک کر سکتے ہیں گو اوسمیں  
 کامیابی ہو یا نہ ہو میرے ایجنٹ اسحق کے ہمراہیوں کو اپنی طرف  
 توڑ لینے میں ایسے کامیاب نہیں ہوئے جیسا کہ ہندوستان  
 میں لیکن مجھے اُمید ہے کہ بتدریج مستقل تدبیروں سے کامیابی  
 ضرور ہوگی۔ ممکن ہے کہ جو خطرات میں نے بیان کئے اوں میں  
 اتنا اندیشہ نہ ہو اور میں نے بخیال تنبیہ زیادہ مبالغہ کیا ہو۔ یہ بات  
 تو سب جانتے ہیں کہ افغانستان میں ہر مرد و عورت کو اسحق  
 اور اوسکے باپ سے ہمیشہ قطعی نفرت رہی اور اب تک ہے۔  
 میں بہ نظر اختصار اس نفرت کے اسباب بالتفصیل نہیں بیان  
 کر سکتا مگر کچھ لکھ سکتا ہوں۔

اسحق کا باپ اعظم بڑا ہی فتنہ گر ہے اور اسی وجہ سے لوگ

لوگ اوس سے نفرت کرتے ہیں۔ اوسی نے میرے والد اور  
 شیرعلیخان مین لڑائی ڈلوا دی جس کے باعث سے میرے  
 خاندان مین اسقدر خونریزی ہوئی۔ اسکے علاوہ اوسکا ظلم شہر انجوا ری  
 اور دوسری طرح کی بداطوار یان قابل برداشت نہیں۔ ان سے  
 زیادہ جو چیز افغانوں کے لئے باعث نفرت ہے وہ اُسکی بزدلی  
 اور کا بیٹا اسحق اپنے باپ کے کل اوصاف مین طاق ہے اور  
 اسکے علاوہ اوس نے میرے ساتھ ہی عہد شکنی کی تھی۔ اور سب  
 سے زیادہ مذموم حرکت اوس سے یہ سرزد ہوئی کہ جب اوسکی  
 فوج میرے سپاہیوں کو شکست دیکھی اوسوقت وہ نہایت حمایت  
 اور بزدلے پن کے ساتھ فوج چھوڑ کر ہٹا گیا اور جن لوگوں نے  
 اوس کا ساتھ دیا تھا وہ مصیبت مین مبتلا ہوئے۔ اسکے علاوہ  
 وہ کبھی لڑنے والا آدمی نہ تھا۔ اور افغانستان مین ایسے شخص  
 کو کوئی نہ پوچھ گیا جو سپاہی نہ ہو وہ فوج جو اوس کی ماتحت تھی اور



اوسکے بہکانے سے مجھے لڑی اوس کی ترتیب کا وہ مستحق توفیق  
 نہ تھا اس لئے کہ میں نے چیدہ اور ہوشیار فوجی افسر ترکستان میں  
 اوس فوج پر مقرر کئے تھے۔ لڑائی میں زیادہ تر اوسکا بیٹا شریک  
 رہا ورنہ باپ میں تو اتنی قابلیت بھی نہ تھی کہ جنگ کر سکے یہاں  
 اوسکے بیٹے کا ذکر آگیا ہے کچھ اوس کا حال بھی قلمبند کرتا ہوں  
 اوسکا نام اسمعیل ہے اور میرے بڑے بیٹے سے دس برس  
 بڑا ہے گو بہ نسبت باپ کے اوس میں لڑنے کا مادہ ہے مگر اوس  
 کابل کا تخت پانے کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی اس لئے کہ کابل  
 کی رعایا اور امرا اوس سے بالکل ناواقف ہیں اور انہوں نے  
 اپنی زندگی میں اوس سے کبھی نہیں دیکھا۔ افغان جس سے واقف  
 نہوں اوس پر مہر و سہم کبھی نہیں کرتے پہر ایسے شخص کو وہ اپنا  
 بادشاہ بنائیں یہ امر غیر ممکن ہے افغان ایسے مغرور اور دلیر سپاہی  
 ہیں کہ کبھی اس بات کو گوارا نہیں کریں گے۔

اسحق اور اسکے بیٹے کے لئے ایک اور وقت کا سامنا ہے  
 وہ یہ کہ دونوں کابل سے تین مہینے کی مسافت پر ہیں۔ اگر بالفرض  
 وہ اپنی فوج کے ساتھ کابل پر چڑھائی کریں تو یہ امر محال ہے کہ  
 راہ میں کہیں وہ روکے نہ جائیں۔ پس جو شخص میرا جانشین ہوگا  
 وہ راہ میں اون کی خبر لے لیگا۔ اور قبل اسکے کہ وہ کچھ زیادہ فوج  
 جمع کر سکیں اون کی گونجالی کر دے گا۔ لیکن بالفرض اگر روسی فوج  
 اون کی حمایت پر ہوئی تو اس صورت میں یہ سمجھنا چاہیے کہ برطانیہ  
 اعظم اور روس میں جنگ چھڑے گی۔ اس مسئلہ پر دوسرے حصہ  
 میں بحث کی جائے گی۔ گو مجھے یقین کامل ہے کہ اسحق یا اسکا بیٹا  
 میرے بیٹوں اور جانشینوں کو ضرر نہیں پہنچا سکتا مگر تاہم میں  
 اونہیں یہی نصیحت کروں گا کہ بمقابلہ ستوسلین انگریز روس کے  
 متوسلون سے زیادہ ہوشیار رہیں۔

میرے بیٹے کو چاہیے کہ کہیں اس خیال میں پھول نہ جائے

کہ وہ کابل کے تخت پر بیٹھے گا اور تخت بچا لے گا۔ اگر وہ اس عزت  
 کے قابل نہیں تو اسے تخت نہ ملیگا اور جب تک اس میں  
 تخت کے تحفظ کا مادہ نہ ہو وہ کیا بچا سکیگا۔ اسکو چاہیے کہ نہایت  
 پابندی کے ساتھ میری صلاح اور میرے اصول کی پیروی کرے  
 ورنہ اسے تخت کابل ہاتھ آنا یا تخت کو بچانا بہت دشوار ہوگا۔  
 پہلی چیز جو اس پر فرض ہے وہ یہ ہے کہ وہ قوم پر ثابت  
 کر دے کہ وہ ایک مستقل صاحب رائے جفاکش۔ محب قوم بادشاہ  
 ہے اگر یہ تینوں صفتیں اس میں نہ ہوں تو فقط ملک ہی اس کے  
 ہاتھ سے نہ جائیگا بلکہ اور بڑے بڑے خطرہ میں مبتلا ہوگا۔  
 اس سے میری یہ غرض نہیں کہ وہ اس درجہ خود رائے ہو جائے  
 کہ کبھی اپنے غیر خواہوں سے مشورہ نہ لے بلکہ میری غرض یہ ہے  
 کہ کوئی دشمن اس کے مزاج میں اتنا داخل نہ ہو کہ اسے بالکل ہوم کی تاک  
 بنائے۔ اسکو چاہیے کہ سب کی سنے مگر کسی کے کہنے پر عمل

نکرے۔ یہ اوسکو معلوم ہے کہ ملک میں ہر شخص فقیر سے لیکر  
 دوکاندار اور امیر تک اس بات کا مجاز ہے کہ کسی معاملہ میں اگر  
 وہ بادشاہ کو اطلاع دینا چاہے تو براہ راست بادشاہ سے  
 مرادست کر سکتا ہے۔ اگر اوسکی خبر سچ ہو اور ملک یا رعایا کی بہبودی  
 کی غرض سے ہو تو خبر دہندہ کو معقول انعام دیا جائے خواہ وہ  
 صیغہ مخبری کا ملازم ہو یا نہ ہو۔ اگر خبر غلط ثابت ہو تو یہ دریافت  
 کیا جائے کہ آیا اوسنے نیک نیتی سے ایسا کیا یا بد نیتی سے  
 اگر بد نیتی ثابت ہو تو اوسے سزا دی جائے۔ میں اسی طرح اپنے  
 امرا۔ اہل دربار۔ عہدہ دار اور ملازمین صیغہ مخبری یا ملک کی اور رعایا  
 سے اطلاع حاصل کرتا ہوں اسکو لئے غیر ملکوں میں جو میرے مخبر  
 تعینات ہیں وہ روزانہ مجھے ہر واقعہ کی خبر دیتے رہتے ہیں۔  
 یہ لوگ اخباروں کے مضامین بھی مجھے پہنچا کرتے ہیں۔ جو افغانستا  
 کی نسبت شایع ہو کرتے ہیں۔ میں اپنے ہی دل میں ان کل

معاملات پر غور کرتا ہوں اور اونسے نتائج نکالتا ہوں۔ کبھی کسی کی صلاح یا مشورہ پر عمل نہیں کرتا۔ میرے بیٹوں کو چاہیے کہ امیر شیر علیخان کے اصول پر نہ چلیں۔ اوس کے مشیروں نے ہمیشہ اوسے بہانیوں سے لڑایا اور آخر میں برطانیہ اعظم سے جنگ کرادی جو اوس کی تباہی کا باعث ہوئی۔ نہ وہ امیر یعقوب خان کی سی ضعیف پالی اختیار کریں اوس نے انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے ایسے عہد و پیمان کئے جنہیں وہ پورا نہ کر سکا اوس کی کمزوری کی ایک مثال تو یہ ہے کہ سر لوئی کیونارسی کو کابل بلایا مگر اون کی جان نہ بچا سکا۔ اس غلطی کی اوس نے سزا پائی اور تخت کھو بیٹھا۔ انگریزوں نے بھی اپنے کئے کا پھل پایا اونکو معلوم ہوا کہ ایسے بزدل حکمران پر بھروسہ کر نیکا کیا انجام ہے۔ میرے بیٹوں کو چاہیے کہ میرے چچا امیر اعظم کے اصول پر بھی نہ چلیں۔ اون میں حب الوطنی یا انتظام ملک کا مطلق

مادہ نہ تھا۔ شترانجواری اور بد اطواری سے چند ہی مہینے میں ملک کھو بیٹھے۔ حالانکہ مین نے انہیں تخت پر بٹھایا تھا۔ اگر میرے بیٹے ان لوگوں کی تقلید کریں گے تو انہیں کی طرح مصیبتوں میں مبتلا ہوں گے۔

میں اپنے بیٹوں کو ایک اور نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ علاوہ روزانہ فرایض کے جو ایک بادشاہ کے لئے ضروری ہیں۔ اوسکو چاہیئے کہ اپنا علم اور معلومات بڑھانے کے لئے کوئی وقت معین کرے جیسا کہ مین ساری عمر کرتا رہا ہوں۔

اسکے لئے جو طریقہ مین نے اختیار کیا وہ سب سے بہتر ہے شام کو جب وہ بالکل تھک جائے اور خود کچھ کام نہ کر سکے تو اسے چاہیئے کہ کتاب خوان کو حکم دے کہ کوئی تاریخ۔ غیر مالک کا جغرافیہ پادشاہان ماسلف کی سوانح عمری ریل امتیاز قوم و ملک پڑھ کر سنائے یا پڑے پڑے مدبرین کی تقریریں اور مضامین اور کل

ایسے مضامین اخبار جو افغانستان کے متعلق ہوں یا اُن ملکوں اور اُن قوموں کی بابت ہوں جن سے افغانستان کو کچھ تعلق ہے پڑھو اگر سُنئے۔

گو اس کتاب کے ہر باب میں میں نے اپنے بیٹوں اور جانشینوں کو کچھ نہ کچھ نصیحت کی ہے مگر میں نے یہ ضروری خیال کیا کہ جس اصول کے وہ پابند ہوں اس کے متعلق اشارہ ذکر کر دوں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ اب میں دوسرے معاملہ میں بحث کرتا ہوں۔ افغانستان میں کس طرح حکومت کرنا چاہیے اور کیا انتظام ہونا چاہیے۔ جس سے ملک بتدریج ترقی کر کے ایک عظیم الشان سلطنت ہو جائے۔

میں نے ایک با مضابطہ گورنمنٹ کی بنا تو ڈال دی ہے مگر ابھی اس گورنمنٹ نے جیسا چاہیے ویسی صورت نہیں پکڑی ہے ہر بادشاہ کو لازم ہے کہ مختلف ممالک کے طریقہ گورنمنٹ پر غور

کرے اور بہ تعجیل کوئی کام نہ کر بیٹھے۔ جو طریقہ زیادہ پسندیدہ اور  
 اپنے ملک کے حسب حال ہو او سے اختیار کرے۔ اور بتدریج  
 حسب ضرورت اوس میں ترمیم کر کے او سے رائج کرے۔ میرے  
 نزدیک بہترین اصول حکمرانی وہ ہے جو عرب کے بڑے مقنن  
 یعنی ہمارے بنی برحق محمد مصطفیٰ نے قائم کیا تھا۔ یہ اصول گویا جمہوری  
 سلطنت کا اصول تھا۔ مہاجر و انصار کے دو گروہ قرار دئے گئے  
 تھے اور جمہوری اصول پر سلطنت چلتی تھی۔ ہر رکن کو اپنی رائے  
 دینے کا اختیار تھا اور غلبہ آرا کی پیروی کی جاتی تھی۔ میں نے  
 افغانستان کو ایک باضابطہ قانونی سلطنت بنانے کے لئے  
 یہ انتظام کیا ہے۔ تین قسم کے لوگ میرے دربار میں حاضر ہوتے  
 ہیں جو فراہمی سامان جنگ اور مختلف معاملات ملک کی بابت  
 مجھے مشورہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی تقسیم حسب ذیل ہے۔  
 سردار یا امراء ملک خوانین ملک (یعنی رعایا کے وکلاء)



اور ملّا (یعنی وکلاء امور مذہبی) امر اکو اوسکے سرور و فی حقوق کے لحاظ سے دربار میں آنے کی اجازت دیجاتی ہے۔ خوانین ملک کے سردار و زمین سے اس طرح منتخب ہوتے ہیں کہ ہر گاؤں یا قصبہ کے باشندے ایک ایسا شخص انتخاب کریں جو صاحب لیاقت ہو ایسے اشخاص ارکان کہلاتے ہیں یہ ارکان آپس میں ایک دوسرے شخص منتخب کرتے ہیں جو اوس ضلع یا صوبہ میں بہت معتبر اور صاحب اختیار ہو۔ یہ شخص خان کہلاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے یہاں ہاؤس آف کامنز انہیں خوانین سے مرکب ہے۔ ان خوانین کے انتخاب کی منظوری یا نا منظوری بادشاہ کے اختیار میں ہے جو بلحاظ اون کی لیاقت۔ درجہ۔ وفاداری۔ اون کے ذاتی یا آبائی خدمات کے فیصلہ کر سکتا ہے۔ ان سب باتوں کا خیال کیا جاتا ہے اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ آیا رعایا نے اسے منتخب کیا یا نہیں۔ تیسرا گروہ ملاؤن مغیتوں قاضیوں اور خان

علامہ کا ہے۔ مگر لوگ امور مذہبی کے عمدہ دار ہوتے ہیں اور  
 اور جب وہ فقہ و حدیث و قوانین ملک میں امتحانات پاس  
 کر کے محکمہ امور مذہبی میں ملازمت کر لیتے ہیں تب بتدریج میرے  
 دربار میں جگہ پاتے ہیں۔

یہ باضابطہ گروہ ابھی اس قابل نہیں ہوا ہے کہ کوئی ذمہ داری  
 کا کام اس کے سپرد کیا جائے مثلاً بلون کی منظوری اور سرکاری ضوابط  
 کا نفاذ اس کے اختیار میں دیا جائے۔ مگر رفتہ رفتہ انہیں یہ سب  
 اختیارات مل جائیں گے اور ایک دن وہ آئینہ گاہ افغانستان  
 کے لوگ خود اپنے ہاتھ سے اپنی حکومت کریں گے۔ لیکن میں  
 اپنے بیٹوں اور جانشینوں کو مجبور کرتا ہوں کہ وہ کبھی ان وکلاء  
 ملک کے ہاتھ میں موم کی ناک نہ ہو جائیں۔ اونکو چاہیے کہ فوج کی  
 آراستگی وغیرہ کا اختیار بالکل اپنے ہاتھ میں رکھیں اور کسیکو  
 اس میں دخل نہ دینے دیں۔ اسکے علاوہ کوئی تجویز یا اصلاح یا

بل جوادن کی کونسل یا دربار سے پاس ہو اوس کی منظوری یا  
نا منظوری کا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھیں۔

میرے بیٹوں اور جانشینوں کو چاہیے کہ ملک میں کسی قسم  
کی اصلاح کرنے میں تلبدی نہ کریں در نہ رعایا منحرف ہو جائیگی  
اور اونکو یاد رکھنا چاہیے کہ باضابطہ قانونی گورنمنٹ اور نرم قوانین  
اور مغربی یونیورسٹیوں کے طرز کی تعلیم تدریج ملک میں جاری  
کیجائے تاکہ لوگ اس جدید طریقوں کے عادی ہو جائیں اور  
اون حقوق و اصلاحات کو اچھی طرح بہت سکیں۔

میرے بیٹوں اور جانشینوں کو چاہیے کہ جب کسی غیر سلطنت  
کی رائے پر چلیں یا اپنے اہل دربار کے مشورہ پر عمل کریں جنہیں  
غیر سلطنت نے رشوت دیکر اپنی طرف ملا لیا ہو تو ہمیشہ سعدی  
غیر ازمی کے اس قول کو یاد رکھیں

نگہد ار و آن شوخ در کیہ در	کہ داند ہمہ خلق را کیہ بر
----------------------------	---------------------------

کابل کا تاج و تخت بیرونی حملہ آورون۔ مختلف دعویدارون اور  
 باغیون سے محفوظ رکھنے کے لئے ضرور ہے کہ ملک کی فوج  
 کی طرف زیادہ توجہ کی جائے۔ گو اس بارہ میں دوسری جگہ میں بحث  
 کر چکا ہوں مگر چند نکتے اپنے جانشین کی ہدایت کے لئے بیان  
 کرتا ہوں۔ یہ نہایت ضروری امر ہے کہ افغانستان کی کل فوج  
 حال کے نہایت عمدہ نو ایجاد ہتھیارون سے مسلح ہو۔ دس لاکھ  
 سپاہی افغانستان کو کسی بیرونی حملہ آور سے بچانے کے لئے  
 بالکل کافی ہیں۔ بلکہ ضرورت سے زیادہ۔ اگر اتنے سپاہی افغانستان  
 میں فراہم ہو جائیں تو پھر اسے دنیا میں بڑی سی بڑی سلطنت  
 کا کچھ ڈرنہ رہے۔ یہ منشاء پورا ہونے کے لئے جو انتظام میں کر  
 رہا ہوں وہ یہ ہے کہ جنگ کے لئے فی توپ (نو ایجاد) پائپلین  
 کے گولے اور فی میگدین رپٹیر یا مارٹنی ہنٹری بندوق پانچہزار  
 کارتوس ہر وقت موجود رہیں۔ اس قدر ہتھیار اور کارتوس وغیرہ

دس لاکھ سپاہیوں کے لئے کافی ہیں۔ ان سپاہیوں کی  
 تین نے دوسریں کی ہیں۔ تین لاکھ فوج باقاعدہ اور سات لاکھ ایشیائی  
 (جاہلین) و فوج بیقاعدہ۔ مگر یہ بیقاعدہ بھی قواعد و ان اور فوجی  
 تعلیم پائے ہوئے ہوں۔ علاوہ سامان جنگ کے ضرورت کے وقت  
 ملک کے انبار خانوں میں غلہ اور سامان رسد اس قدر مہیا رہے کہ  
 تین سال کے لئے کافی ہو اور بار برداری کے جانور۔ ہاتھی۔ اونٹ  
 لدو ٹیٹو۔ نچر اور دوسرے جانور فوج کے لئے ممالک محروسہ افغانستان  
 میں موجود رہیں بڑی بڑی دولت مند سلطنتوں کو ایک جگہ سے دوسری  
 جگہ فوج بھیجنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ بار برداری کے  
 جانور نہیں دستیاب ہوتے فی الحقیقت یہ چیز بہ نسبت سپاہی یا  
 سامان جنگ بہم پہنچانے کے زیادہ دشوار ہے۔ لیکن خدا کا  
 شکر ہے کہ افغان ایسے قوی۔ تندرست و لیر لوگ ہیں کہ اپنے  
 ملک میں پہاڑوں پر گھوڑوں کی طرح تیز دوڑ سکتے ہیں۔ اپنی پیٹھی





J. C. G. 1896  
C. G. G.

پر ہندوق۔ کارتوس۔ ڈیرے۔ چند روز کا کہنا لاد کر لیجا سکتے ہیں  
 بہت سے سپاہیوں کے لئے ایک ہنایت ہی محذو و تعداد بار بردار کی  
 کے جانوروں کی درکار ہے۔ یہ کہنا سب لفظ نہوگا کہ ایک لاکھ انگریزی  
 سپاہیوں کے لئے جتنی قدر بار بردار سی کے جانوروں کی ضرورت  
 ہوتی ہے اوس سے کم مقدار دس لاکھ افغانوں کے لئے کافی  
 ہے اوس کی وجہ یہ ہے کہ انگریزی سپاہیوں کو اقسام کے کہانے  
 شراب۔ سوڈا واٹر اور دوسرے قسم کے سامان عیش و عشرت  
 کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض اصحاب یہ کہیں گے کہ گوانگریزی  
 سپاہی کو شاہزادوں کی سی آسائش و درکار ہے مگر وہ اوس نے  
 مین بھی ویسا ہی بہار ہے۔ مین ان حضرات سے بالکل اتفاق  
 کرتا ہوں کیونکہ مین خود انگریزی سپاہی کا معرفت ہوں۔ مگر اس مقام  
 پر تو لکھو ٹوٹوں سے بحث ہے نہ کہ سپاہیوں سے۔

غرض کہ دس لاکھ آدمیوں کے لئے ہتھیار اور سامان رسد وغیرہ



ہتیا کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اسکے لئے بہت روپیہ درکار  
 ہے اسیوجہ سے میں اپنی فوج کی تعداد آمدنی ملک کی ترقی کے  
 اندازہ سے بڑھا رہا ہوں۔ گو فوج باقاعدہ کو جو کورنمنٹ سے تنخواہ  
 پائے تین لاکھ سے زیادہ آدمیوں کی ضرورت نہیں۔ مگر سرکاری  
 خزانہ میں اتنا روپیہ ہونا چاہیے جو دس لاکھ آدمیوں کو کم از کم دو  
 برس تک لڑانے کے لئے کافی ہو۔ جب تک یہ انتظام  
 نہیں ہو ہم دس لاکھ آدمی میدان جنگ میں نہیں لاسکتے۔ اور صرف  
 اسی پر قناعت نہ کرنا چاہیے بلکہ خزانہ میں اس قدر روپیہ اور ہو  
 کہ حالت جنگ میں ہتیار اور سامان جنگ کی تیاری کے لئے  
 کارخانہ برابر چل سکیں۔ یہ بھی ضرور ہے کہ خود افغانستان کی کاؤن  
 سے لوہا سیمہ تانبا۔ کوئلہ کافی مقدار میں نکالا جاسکے۔

جن انتظامات میں اب تک میں مصروف تھا اور اب بھی  
 ہوں وہ اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ اگر آج ضرورت پڑے

توین دتل لاکھ آدمی میدان جنگ میں لاسکتا ہوں گو میری باقاعدہ  
 فوج ابھی ایسی بڑی نہیں ہے مگر ملک سپاہیوں سے بھرا ہوا  
 ہے اور میں افغانستان کے سلاح خانوں سے اتنے  
 آدمیوں کو توپوں - بندو قوں - تلواروں اور جملہ سامان جنگ سے  
 مسلح کر سکتا ہوں۔ اونکے کمانے کے لئے بھی انبار خانوں میں  
 غلہ اور ملک میں بابر داری کے جانور بکثرت ہیں۔

ہمیں دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ فوج باقاعدہ کی  
 تعداد تین لاکھ تک پھونپائی جائے۔ مگر اس کے لئے بہت  
 وقت درکار ہے گو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کے لئے تشویش  
 کیجائے کیونکہ افغان فطرتی سپاہی ہیں۔ دنیا کے عمدہ سے عمدہ  
 قوا عددان۔ بہادر اور آراستہ فوجیں ہمارے کسانوں کا لوہا ماننے  
 ہوئے ہیں۔ صد ماموتوں پر انہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ  
 افغان فطرتی بہادر ہیں۔

اوّل خاص چیز جسکی زیادہ تر ضرورت ہے وہ روپیہ ہے۔ گو  
 الحمد للہ اسوقت جسقدر نقد روپیہ افغانستان کے خزانہ میں موجود ہے  
 کبھی کسی اہمیر کے وقت میں نہ جمع ہوا تھا مگر پھر بھی اوس حد تک  
 ابھی نہیں پہنچا ہے جسقدر میرن چاہتا ہوں کہ جواب رہا غلہ اور رسد  
 کا سیان اوس کے لئے میں نے تمام ممالک محروسہ افغانستان  
 میں جا بجا انبار خانے تعمیر کرائے ہیں اور اپنے بیٹوں اور جانشینوں  
 کو میری یہ نصیحت ہے کہ اس بارہ میں میری تقلید کریں۔ انبار  
 خانے ہمیشہ بہرے رکھیں۔ ہر سال غلہ بدلا جائے پُرانا غلہ فوج  
 کو پچائے تنخواہ کے ارزان قیمت پر دیا جائے جو کچھ بیچ رہے  
 وہ فروخت کیا جائے اور اوس کی جگہ نیا غلہ خرید کر بھر جائے۔  
 عموماً اصطبل والے لدو ٹیوٹون گھوڑوں اور بار برداری کے جانوروں  
 کے لئے یہ پُرانا غلہ خرید لیتے ہیں۔ میرے بیٹوں اور جانشینوں  
 کو چاہیے کہ نادائق اور ناتجربہ کار لوگوں کی باتوں پر عمل نہ کریں جو

میرے اس اصول پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مین نے کیوں  
 بیفائدہ اڑتا ملیس ہزار گھوڑے اور بار برداری کے ٹیو پال رکھے  
 ہیں اور انبار خانون مین لکھو کھامن غلہ بھر رکھا ہے یہ معترض لوگ  
 کہتے ہیں کہ کیوں بیکار گورنمنٹ پر اتنے جانورون کے صرف  
 کا بار ڈالا جاتا ہے۔ جب ضرورت ہوگی ہم خرید لین گے یا کرایہ  
 کر لینگے یہ معترض یہ نہیں سمجھتے کہ تشویش کے وقت اور دوسری  
 اہم باتون کے خیال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اگر تیاری وغیرہ  
 کے اہتمام مین دقت صنایع کیا جائے تو ان ضروری امور پر کب  
 غور کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ سارا سامان وقت  
 پر مہیا رہے۔ علاوہ برین یہ بار برداری کے جانور اور گھوڑے  
 بیکار بند رہے ہوئے نہیں کہاتے ہیں بلکہ اون سے سرکاری کام  
 لئے جاتے ہیں۔ جس قدر اون کے کہانے یا نگہداشت مین صرف  
 ہوتا ہے اتنی گورنمنٹ کو بچت ہو جاتی ہے۔

میرے لڑکوں اور جانشینوں کو فوج کی بڑی تعداد دیکھ کر  
 پھولنا نہ چاہیے۔ اونکو ہمیشہ یہ خیال رکھنا چاہیے کہ فوج کو خوش  
 اور مطمئن رکھنا ضروری چیز ہے۔ ایک مخالفت اور بیدل فوج رکھنے  
 سے تو بہتر یہ ہے کہ کچھ فوج نہ رکھے۔ اب رہی یہ بات کہ فوج  
 کی آسودگی اور اطمینان کو دریافت کرنا یہ خود بادشاہ کی عقل پر  
 منحصر ہے۔ ایک چیز کا ہمیشہ خیال رہے۔ کوئی شخص بہ جبر فوج  
 میں نہ بھرتی کیا جائے اور سب کو تنخواہ برابر ملے امیر شیر علیخان  
 بہ جبر لوگوں کو فوج میں نہ کر رکھتا تھا۔ اور اونکو برابر تنخواہ نہ دیتا تھا اوسکا  
 نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اوسکی ساری فوج ناخوش تھی اور جب انگریزوں نے کابل پر چڑھائی  
 کی تو انگریزی فوج کے مقابلہ میں اتنا بھی نہ ٹھہر سکی جتنا کہ افغانستان  
 کے کسان لڑ سکتے ہیں۔ فوج کی بیدلی نے اکثر شہان  
 افغانستان کی قسمت کا ایک ہی لڑائی میں فیصلہ کر دیا ہے اسلئے  
 کہ فوج یا تو لڑنے کے قابل نہ تھی یا یہ کہ سپاہی بہ جبر رکھے گئے

تھے وہ اس بات کے منتظر تھے کہ دشمن کا سامنا ہو اور وہ چل دیں  
 اور بادشاہ پر اپنے دلکی بھڑاس نکالیں جس نے بہ جبر انہیں فوج  
 میں بھرتی کیا تھا۔ فوج کی ماہوار ماہ بہ ماہ تقسیم ہونا چاہیے اور  
 سرکاری خزانہ سے نقد ملنا چاہیے۔ انہیں ملک کے محاصل پر  
 احکام نہ دے جائیں کہ خود جا کر تحصیل کر لیں۔ جیسا کہ پہلے دستور  
 تھا۔ ایک سپاہی جس کا دل اپنی تنخواہ اور اپنے عیال کے اخراجات  
 کی فکر میں ہو وہ اپنے فرائض پورے طور پر انجام نہیں دے سکتا  
 اور جب سپاہی اپنی تنخواہ کے لئے گاؤں میں مالگزار می تحصیلنے  
 جایگا تو اوس کی جگہ لڑے گا کون۔ سعدی فرماتے ہیں۔

زربدہ مرد سپاہی راتا سر بدہ

وگرش زرندهی سر نہد در عالم

دلیر و شجاع و ہر و لعل و زلف سپاہیوں کو باقاعدہ فوجی تعلیم  
 اور فرائض کی توجہ دلا کر بہادر سپاہی بنا سکتے ہیں۔ اگر تھوڑے

سپاہی کسی اچھے افسر کے تحت مین ہوں تو وہ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

بقول جامی زبیا رتی میش و گو سفندان

نتر سپہ چیرہ گرگ تیز دندان

فردوسی فردنی شکر نیاید بکار

دو صد مرد میدان بہ اصد ہزار

افسروں کے انتخاب میں بہت خیال چاہیئے۔ ہمیشہ اون کی

قابلیت کے لحاظ سے ترقی دیجائے۔ فوج کے کل افسر

نہایت معتبر۔ لایق۔ و قادر خیر خواہ اور حتی الامکان اچھے

خاندانوں کے ہوں۔ مین یہ چیز پسند نہیں کرتا کہ افسر نکو اون کے

سن یا مدت ملازمت کے لحاظ سے ترقی دیجائے بلکہ ترقی اس

امر پر منحصر ہو کہ اپنے امتحان میں پورے اُسٹین اور اون کی خدمات

و کار ہائے نمایان خوش کرداری و خیر خواہی اور سپاہیوں میں

اون کا ہر دلعزیز ہوتا یہ سب باتیں اون کی ترقی کا باعث ہوں۔

خصوصاً یہ آخری چیز بہت قابل لحاظ ہے۔

فوج کے کل افسر و نکو چاہیے کہ جدید فنون جنگ کی کتابیں پڑھیں جو انگریزی سے فارسی میں ترجمہ ہوئی ہیں اور ہورہی ہیں۔ میسرے بیٹون اور جانشینوں کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ کبھی غیر ملک کے فوجی افسر اپنی فوج میں نہ رکھیں گو غیر سلطنتیں اس بارہ میں کیسی ہی صلاح کیوں نہ دیں۔

أَهْلُ الْغُرَضِ يَحْتَوُونَ

اگر کوئی غیر سلطنت اپنے یہاں کے فوجی افسر افتادون کو قنون جنگ سکمانے کے بہانے سے دینا چاہے تو یہ بات کبھی منظور نہ کی جائے اس لئے کہ ممکن ہے وہ اٹھین غیر ملک کے اغراض کی طرف متوجہ کر لیں میں اُسید کرتا ہوں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں افتادون کو اس قدر عقل و شعور آ جائے گا کہ وہ سمجھ سکیں کہ ان کے اغراض اور گورنمنٹ کے اغراض دونوں



ایک ہین۔ تب وہ اپنے ملک کے ایسے جانثار ہو جائیں گے جیسے کہ اور اقوام کے لوگ ہین۔ اور تب البتہ وہ اس قابل ہونگے کہ اس ملک سے بغرض تعلیم دوسرے یورپین ممالک میں بھیجے جا سکیں مگر فی الحال یہ چیز خلافت مصلحت ہو اس لئے کہ غیر ملک کے لوگ ادھین بہکا کر افغانستان کا مخالفت بنا سکتے ہین جب وہ اپنے ملک کے دشمنوں کو اپنا ذاتی دشمن سمجھنے لگیں تب البتہ یہ موقع ہو گا کہ ہم اپنے یہاں کے نوجوان بغرض تحصیل فنون جنگ یورپ بھیجیں۔ وہ وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر واپس آئیں اور جو کچھ سیکھ آئیں وہ اپنے یہاں کے دوسرے افسروں کو سکھائیں۔ بالفعل ہم کو اسی پر قناعت کرنا چاہیئے کہ ہمارے سپاہی اپنے پہاڑیوں پر خوب جکر چڑھ سکتے ہین اور اس کے علاوہ جس قدر ضروری کتابیں فوجی قواعد وغیرہ کے متعلق تھیں وہ فارسی میں ترجمہ ہو گئی ہین اور افغانوں نے انہیں۔

خوب یاد کر لیا ہے اور یاد کرتے جاتے ہیں۔

جس زمانہ میں میرے سپاہیوں کے پاس نہ عمدہ بند و قین تھیں  
 نہ افسر۔ نہ قواعد جانتے تھے۔ بلکہ کسانوں اور کاشتکاروں کا  
 ایک گروہ تھا۔ اوس وقت انگریزی سپاہیوں کے مقابلہ میں  
 ایسی بہادری سے لڑے کہ خود انگریز اور دنیا کی تمام سلطنتیں  
 انکی معترف ہیں۔ اب انکے پاس تو عمدہ سے عمدہ ہتیار ہیں  
 اور ان کو لڑانے کے لئے ہوشیار جنرل ہیں۔ اب وہ کسی عمدہ  
 سے عمدہ فوج کے ساتھ برابر کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور اپنے  
 پہاڑوں میں تو غالباً دو چند فوج سے بھی لڑ سکیں گے۔ جن  
 لوگوں نے افغانستان کے جنگی واقعات پڑھے ہیں انہیں  
 معلوم ہو گا کہ جنگ سید آباد میں میں نے آٹھ ہزار سپاہیوں سے  
 شیر علی کی شش ہزار فوج کو ایسی شکست فاحش دی کہ انہیں بہاگو  
 ہی بن آئی۔ اپنے کل مقتول اور ہر ایک چیز میدان جنگ میں

چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اسی شکست نے امیر شیر علی کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور میرے والد کو کابل کے تخت پر بٹھایا جو امیر شیر علی کی قید میں تھے۔

رعیت جو بیخ امت و سلطان خست	درخت امی پسر باشد از بیخ سخت
-----------------------------	------------------------------

ایک اور نصیحت جو میں اپنے بیٹوں اور جانشینوں کو کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ انکو چاہیے شب و روز اس بات کی کوشش کریں کہ رعایا آسودہ خوشحال اور مطمئن رہے اس لئے کہ ہر گورنمنٹ کا وجود اور قیام زیادہ تر رعایا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر رعایا دولت مند ہوگی تو ملک بھی دولت مند ہوگا۔ اگر رعایا آسودہ حال ہوگی تو ملک میں بھی امن رہے گا۔ اگر رعایا لائق اور تعلیم یافتہ ہوگی تو ملک کیلئے درزا اور بد پر جو چار مسطرت کے ناخدا ہوئے ہیں۔ رعایا میں سے انتخاب ہو سکیں گے اور ملک کے لئے زیادہ تر مناسب ہو نگے غرض آئندہ ترقی کیلئے رعایا کی تعلیم نہایت ضروری چیز ہے اور جب تک انات بھی تعلیم یافتہ

نہوں افغانستان کہی پوری ترقی نہیں کر سکتا اس لئے کہ بچے  
ابتدائی سبق اپنی ماؤں سے سیکھتے ہیں۔ بچپن میں جیسی تعلیم ہوتی  
ہے اوس کا اثر تمام عمر اوسکے خیالات پر اور اوسکے چال چلن پر  
پڑتا ہے۔ بچپن کی تعلیم جیسی دل میں جڑ پکڑتی ہے ویسی بعد  
کی تعلیم نہیں۔ چنانچہ اسی مصلحت سے ہمارے پاک بنی نے  
بھی عورتوں کے لئے یہ حکم دیا کہ بلا اجازت اپنے شوہروں  
کے گھر سے باہر قدم نہ نکالیں انا تعلیم کے لئے۔

اگر بہت سے لوگ اور اوس کی بیبیاں اور عموماً عورتیں تعلیم  
یافتہ ہو جائیں تو جو دہر رعایا سے منتخب ہونگے۔ وہ یقیناً منصف  
ہو شیار۔ لایق اور باخبر ہونگے۔ اور انتظام ملک کو اچھی طرح  
چلائیگی۔ اس لئے کہ ایک مہذب اور شایستہ گورنمنٹ غیر  
مہذب اور جاہل رعایا کے لئے سزاوار نہیں ہے جو محض سخت  
اور فوجی قانون سے مطیع رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح غیر مہذب اور

وحشیانہ حکومت لایق اور شاید اقوام کے لئے نامناسب  
ہے۔ ایسی ہی نامناسب حالتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بادشاہ  
کے تن سے سر جاتا ہے جیسا کہ انگلستان میں شاہ چارلس  
اول کے لئے ہوا۔ مجھے اس مقام پر ایک دلچسپ نقل یاد آئی جو  
بسبیل تذکرہ لکھی جاتی ہے۔ اسی سے ظاہر ہوگا کہ گورنمنٹ  
اور رعایا دونوں کو بے رنگ ہونا ضرور ہے۔

ایک ملک میں کسی منجم نے بادشاہ سے کہا کہ فلان تاریخ بہت  
سخت بارش ہوگی اور جو کوئی اس پانی کو سپے گا دیوانہ ہو جائیگا۔  
بادشاہ نے حکم دیا کہ پانی کے چند حوض اپنے اور اپنے وزرا کے  
لئے محفوظ رکھے جائیں تاکہ پُرانے پانی میں وہ نیا مینہ کا پانی  
ملنے پائے چنانچہ بارش ہوئی اور عام رعایا جس کے لئے  
کوئی عمدہ پانی کا خزانہ محفوظ نہ تھا وہی پانی پینے پر مجبور ہوئی اور  
سب لوگ دیوانہ ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ بجز خرابی کے

اور کیا ہو سکتا تھا۔ جس قدر قانون اور تجویزین وزراء گورنمنٹ نے ملک کے لئے پیش کیں رعایا نے سب نا منظور کیں اس لئے کہ انکے دماغ صحیح نہ تھے۔

جو کچھ بادشاہ اور وزراء کہتے تھے یا کرنا چاہتے تھے وہ جنہوں رعایا کو ناپسند ہوتا تھا۔ آخر کار بادشاہ نے وزراء سے کہا کہ لوگوں کی مرضی کے خلاف کوئی انتظام غیر ممکن ہے۔ نہ پارلیمنٹ چلی سکتی ہے اور نہ میرا حکم لہذا بہتر یہی ہے کہ ہم سب بھی وہی پانی پی لیں اور رعایا کے مثل ہو جائیں چنانچہ وہ پانی پیا گیا اور بادشاہ و وزراء بھی دیوانے ہو گئے۔ دیوانوں کا ملک کب تک چل سکتا تھا جو سلطنتیں ہمایہ میں تھیں وہ بڑھیں اور ملک پر قبضہ کر لیا اور دیوانوں کو نکال باہر کیا۔

رعایا کی آسودہ حالی و ترقی و امن زیادہ تر انصاف اور طریقہ حکمرانی پر منحصر ہے۔ قانون کے نزدیک بادشاہ اور گدا دونوں

برابر ہیں۔ میرے بیٹوں کو چاہیے کہ امیران ماسلف کی پیروی  
 نہ کریں جنکے عہد میں ہر عہدہ دار اور ہر امیر کا جدا جدا قانون تھا اور  
 کہیں کوئی عدالت نہ تھی۔ میں اس بات کا مقرر ہوں کہ ابھی عدالتوں  
 کی پوری تکمیل نہیں ہوئی ہے اور جو طریقہ انصاف عدالتوں  
 میں رائج ہونا چاہیے وہ ابھی اوس کمال کو نہیں پہنچا ہے مگر  
 تاہم بہت کچھ ترقی ہوئی اور ہونے کی توقع ہے۔ مثلاً میرے  
 ابتداء عہد میں جب رعایا زیادہ سرکش اور گستاخ اور وحشی تھی  
 میرے قانون اور سزائیں بہت سخت ہوتی تھیں۔ مگر سال بسال  
 چون چون تعلیم اور امن اور اطاعت بڑھی اور رعایا کی حالت  
 میں تغیر ہوا ویسے ہی قانون میں اصلاح ہوتی گئی اور سزائیں  
 نرم کی گئیں۔ میرے جانشینوں کو چاہیے کہ اسی اصول پر چلیں اور  
 ملک کی ترقی اور تہذیب کے لحاظ سے قانون میں اصلاح کرتے  
 جائیں۔ اونکو یاد رکھنا چاہیے کہ مختلف ممالک میں پارلیمنٹ اور

مجلس وضع قوانین اسی لئے قرار دی گئی ہیں جو ہمیشہ دنیا کی ترقی کے  
 لحاظ سے قانون میں اصلاح و ترمیم کرتی رہتی ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں  
 کہ انشاء اللہ میرے یہاں کے لوگ ایک دانشمند گورنمنٹ  
 کی تربیت میں زیور تعلیم سے آراستہ ہو کر اوس پایہ کو پہنچینگے کہ  
 خود آپ اپنا قانون بنائیں گے البتہ قانون آہی جسپر ہمارا مذہب  
 ہماری عبادت۔ ہماری معیشت کا دار و مدار ہے یہ بدستور قائم رہیگا۔  
 میں نے اپنے زمانہ میں جو عدالتیں قائم کی ہیں ان کی تعداد  
 اون عدالتوں سے بدرجہا زیادہ ہے جو امیران ماسلف کے  
 عہد میں تھیں۔ مگر ابھی اور زیادہ عدالتیں قائم کرنے کی ضرورت  
 ہے۔ اور جہاں تک گورنمنٹ کی مالی حالت اجازت دیگی انشاء اللہ  
 یہ محکمہ اور زیادہ وسیع کیا جائیگا۔ مختلف اضلاع میں اگر اور زیادہ  
 عدالتیں قائم ہو جائیں تو رعایا کو اپنے مقدمات کی پیروی اور  
 انصاف کے لئے دور و دراز سفر کی زحمت باقی نہ رہے گی۔



چونکہ مقدمات کی تعداد زیادہ تھی اور عدالتین کم تھیں اور سرکاری خزانہ میں کافی روپیہ بھی نہ تھا جو اور عدالتیں قائم کر کے مقدمات کی باقاعدہ تحقیقات کیجاتی اس سبب سے بہت سے مقدمات زبانی فیصلہ کر دے گئے چند منٹ میں ساری کارروائی ختم ہو گئی مدعی اور مدعا علیہ اور کل گواہ جج کے سامنے حاضر ہوئے۔ اوسے دونوں کے بیانات سنے گواہوں کے اظہار لئے اور اوس وقت فیصلہ سنا دیا۔ کوئی روئداد قلب بند نہیں ہونی اوسکے بعد اسی طرح دوسرا مقدمہ لیا۔ اس طریقہ سے ایک دن میں کئی مقدمات کے فیصلے منادے گئے۔

اب کل مقدمات جو حق وراثت اور جائداد اور تجارتی معاملات وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں وہ درج حسب طے جاتے ہیں اور انکی مثلین مرتب ہوتی ہیں۔ مقدمات کی روئداد لکھنے کے لئے ضرور ہے کہ عدالتوں میں محرر نوکر رکھے جائیں تاکہ کوئی غلطی یا

بیجا فیصلہ نہ ہو۔ مرافقہ کے لئے یا حوالہ کے لئے دفتر میں فیصلہ کی نقل رہے۔ اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ کل عدالتی تغیرات یا انتظامی رد و بدل بتدریج کیا جائے۔ کیونکہ اگر دفعتاً نرم یا رعایتی اصول اختیار کیا جائے گا تو لوگ اوس کی قدر نہ کر سکیں گے۔ گویا یہ مثال صادق آئے گی کہ سرکش اور باغی لوگوں کو ترغیب دلا کر رعایا کی اور دل آزاری کی۔

مثلاً محکمہ منجبری و خفیہ پولیس جو میں نے جاری کیا ہے کل عہدہ داروں اور امرا کو ناپسند ہے۔ اس لئے کہ عہدہ دار رشوت لینے کے عادی تھے اور امرا اپنی رعایا سے بچہ روپیہ وصول کرتے تھے اور مجھے محکمہ خفیہ پولیس و محکمہ منجبری سے برابر اس کی اطلاع ہوتی تھی۔ میں سنتا ہوں کہ یہ عہدہ دار امرا میرے بیٹوں سے علمہ منجبری کی بہت کچھ نکالتے ہیں تاکہ وہ بھی اسکے خلاف ہو جائیں۔ مگر میں اپنے بیٹوں کو اور جانشینوں کو

بھی نصیحت کرونگا کہ ہمیشہ اس محکمہ کو اچھی حالتیں رکھیں کیونکہ یہ  
 ایک ایسا محکمہ ہے جو تمام مہذب سلطنتوں میں قائم ہے۔ اس کے  
 ذریعہ سے گورنمنٹ کو کل اندرونی و بیرونی معاملات کی خبر رہتی ہے۔  
 اور دشمنوں کی سازش و دغا بازی معلوم ہو جاتی ہے۔ ہمسایہ کی  
 سلطنتوں کا منشاء اور ان کے خیالات دریافت کرنے کے لئے  
 اور دوست و دشمن میں امتیاز ہونے کے لئے اس سے بہتر کوئی  
 اور ذریعہ نہیں ہے اسی کے ذریعہ سے مجھے غیر سلطنتوں کے  
 ساتھ مراسلت کرنے میں اور ان کی ہر ایک بات پر غور و لحاظ  
 کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ان کے متعلق جو رپورٹیں ہوتی ہیں  
 وہ میرے یہاں دفتر میں رکھی جاتی ہیں۔ میرے بیٹوں کو چاہیے  
 کہ کتاب انوار سہیلی بہت اچھی طرح سے پڑھیں۔ یہ کتاب تھوڑی  
 سی عقل و ہوشیاری کیساتھ بہت بکار آمد ہوگی۔ مگر کل ہمسایہ کی سلطنتوں  
 کا منشاء اور ان کے خیالات دریافت کرنے کے لئے اور دوست

اور دوست دشمن میں امتیاز کرنے کے لئے محض کتاب اور رپورٹ پڑھنے سے یا محکمہ مخبری کے رکبنے سے کام نہ نکلیگا اس کے لئے بہت کچھ غور و فکر کی بھی ضرورت ہے۔ تمام دنیا کی کتابیں پڑھنے سے کوئی شخص بچتہ کار و مدبر ہو شیار نہیں ہوتا۔ جب تک خداداد مادہ نہ ہو یہ کتابیں کچھ کام نہیں دیتیں۔ جیسا کہ حسب ذیل حکایت سے ثابت ہوگا۔

ایک بادشاہ نے اپنے بیٹے کو بغرض تعلیم ایک نہایت لایق منجم کے سپرد کیا اور اس سے کہا کہ میں تجھے اس قدر انعام و تمگا کہ کبھی کسی سے نہ پایا ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس لڑکے کو ایسی تعلیم دے کہ کسی اور شاگرد کو نہ دی ہو۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک دن بادشاہ نے ایک چاندی کی انگوٹھی اپنی مٹھی میں لی اور شاگردوں میں سے ایک سے پوچھا کہ بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ لڑکے نے ستاروں کا حساب کر کے یہ جواب دیا کہ کوئی گول چیز ہے۔ بادشاہ

نے پوچھا کہ اوسکا رنگ کیسا ہے۔ لڑکے نے کہا کہ سفید۔ پھر بادشاہ  
 نے پوچھا کہ کس چیز کی بنی ہوئی ہے لڑکے نے جواب دیا کہ  
 چاندی کی اور بیچ میں اوسکے خالی ہے۔ اسقدر بتانے کے  
 بعد وہ قیاساً دریافت کر سکا کہ چاندی کی انگوٹھی ہے۔ چنانچہ  
 اوس نے بادشاہ سے یہی کہا۔ اب بادشاہ کے لڑکے کی باری  
 آئی اور اوس نے بھی اپنے علم کی مدد سے وہی جوابات دے  
 یعنی وہ چیز چاندی کی بنی ہوئی ہے۔ اور بیچ میں خالی ہے مگر وہ  
 یہ نہ بتا سکا کہ کیا چیز ہے اور حساب کر کے بادشاہ سے کہنے  
 لگا کہ آپ کے ہاتھ میں انجن کا چرخ پڑا ہے۔ وہ یہ نہ سمجھا کہ  
 انجن کے لئے چاندی کے پہیہ کی کیا ضرورت ہے اور پہیہ ٹھہری  
 میں کس طرح سما سکتا ہے۔ بادشاہ نے بیٹے کا جواب اوستاد  
 کے سامنے دوہرایا۔ استاد نے یہ عرض کیا کہ جہاں تک تعلیم  
 سے تعلق تھا آپکے فرزند نے کل جوابات صحیح دئے مگر جہاں

تھوڑی سی عقل درکار تھی وہاں رہ گیا۔

ملک کے قیام اور قوم کی تقویت اور آسودہ حالی کے لئے  
 مذہب کی پابندی بھی ایک بڑی چیز ہے۔ جس قوم کے مذہبی  
 اعتقادات درست ہوں اور اس کے اخلاق جلد بگڑ جائیں گے اور  
 اوسپر زوال آجائیگا۔ مسلمان جو اس قدر بہادر ہیں اور کاسبب یہ ہے  
 کہ وہ ہمیشہ اپنے مذہبی اعتقادات میں بہت سخت پابند رہے اور  
 اپنے مذہبی اصول کی پیروی کی۔ سینے پابندی و حفاظت مذہب  
 کے متعلق کئی کتابیں لکھی ہیں۔ میں نے ایک کتاب جہاد پر  
 بھی لکھی ہے۔ منجملہ اون کتابوں اور رسالوں کے جو میں نے  
 اس مضمون میں لکھی ہیں۔ اور فارسی میں چھپی ہیں۔ دوکتا ہیں  
 موسوم بہ تقویت دین و پندنامہ نہایت ضروری ہیں اور ہر مسلمان  
 کو پڑھنا چاہیئے۔ اب مذہب کے متعلق زیادہ کچھ بیان کرنیکی  
 ضرورت نہیں البتہ جن صاحبوں کو اس میں مذاق ہے وہ

مذکور الصدر کتابین پڑھیں۔ میں اپنے جانشینوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ جو طریقہ میں نے افغانستان میں مذہب اسلام کے متعلق جاری کیا ہے اس کو منسوخ نہ کریں۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ کل زمین اور جاداد اور روپیہ جو پہلے ملاؤن کے ہاتھ میں تھا اب سرکاری ہو گیا ہے اور سرکاری خزانہ سے ملاؤن اور دوسرے لوگوں کو جو مذہبی خدمت پر مقرر ہیں ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔ مثلاً قاضی - مفتی - امام - موزن اور محتسب وغیرہ سب شاہی خزانہ سے معین ماہوار میں پاتے ہیں۔

یہ طریقہ جاری ہونے سے اسلام کا مذہبی قانون اور اس کا انتظام وغیرہ عہدہ داران امور مذہبی کے اختیار میں ہے جو گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں۔ اور حسب اختیارات شاہی وہ اپنی خدمتوں پر معین رہتے ہیں لہذا وہ نہیں خواہ مخواہ گورنمنٹ کی اطاعت کرنا پڑتی ہے جس سے کل مذہبی مباحثے اور جھگڑے

جو پہلے ہو کرتے تھے دور ہو گئے ہیں۔ اور عام اتفاق پیدا ہو گیا ہے۔ اسلام کی تقویت کا پہلا سبب اتفاق ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔

كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَآلَفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا  
ہمارے پاک نبی نے ہماری طرز معیشت میں جو یہ تغیرات نافذ کئے اس میں بڑی حکمت اور مصلحت تھی۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ ہم سب ملکر ایک ہو جائیں تاکہ ہمیشہ ایک دوسرے کے شریک حال رہیں۔ مثلاً آنحضرت نے یہ حکم دیا کہ تنہا کھانا کھانے کے عوض سلیمین باہم ملکر ایک جگہ کھانا کھائیں تنہا نماز پڑھنے کے عوض روزانہ نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھیں اور نماز جمعہ شہر یا قصبہ کی جامع مسجد میں پڑھیں۔ جس سے یہ مطلب

۱۵ تک معلوم نہیں کہ اسلام نے تہنیں کیا کیا برکتیں عطا کی ہیں۔ تمہارے منتشر قبیلوں اور گردہوں کو اخوت کا سبق پڑایا ہے۔

۱۶ انگریزی عبارت کا ترجمہ ہے جو اصل کتاب میں درج ہے۔ مترجم۔



ہے کہ شہر کے لوگ جو روزانہ نماز میں ایک دو سر سے تہ نہیں  
 اونھیں نماز جمعہ میں ایکجا ہونے کا موقع ملے۔ یا سال میں دو دنہ  
 عیدین تک راج اور بازار مجمع ہو۔ اس سے بڑا کچھ کی قید لگائی گئی  
 جہاں خواہ خواہ دنیا کے ہر نقطہ سے خواہ مشرق میں ہو یا مغرب  
 میں مسلمان ہر نقطہ آئیں اور ایک وقت میں ایک جگہ جمع ہوں  
 بعض لوگ یہ اسباب بھی کرتے ہیں کہ ان مجبوں کی وجہ سے طاعون  
 اور بیماری پھیلے۔ میں نے وقت خطا صحت کے مسئلہ پر بحث  
 نہیں کرتا ہوں۔ لیکن میں یہ عرض کر چھوٹا گا کہ کیا سبب ہے کہ لندن  
 اور دوسرے بڑے بڑے شہروں کے لوگ جو تعداد میں ان  
 طاعون سے زیادہ ہیں۔ کیون طاعون سے نہیں مرتے  
 اس کا سبب یہ ہے کہ ان شہروں میں اون قواعد کی پوری  
 پابندی کی جاتی ہے۔ جو دراصل مذہب اسلام نے بہت سختی کے  
 ساتھ حکم کیا ہے۔ وہ قواعد صفائی اور اصول حفظ صحت کے

متعلق ہیں۔ پس حاجیوں کو چاہیے کہ آنحضرت کے احکام کی پوری تعمیل کریں۔ اپنے تئیں صاف رکھیں۔ خوشگوار غذا کھائیں اور صاف پانی پئیں اس سے کچھ فائدہ نہیں کہ آنحضرت کے بعض احکام کی تعمیل کرنا اور بعض کو بغیر تعمیل چھوڑ دینا۔ آخرین میں یہ کہونگا کہ اگر خدا نے بیٹے چند سال اور زندہ رکھا یا میرے بعد افغانستان خانگی جگڑاؤں اور بیرونی حملوں سے محفوظ رہا اور میرے بیٹے اور بھائیوں میری ہدایت اور نصیحت کے موافق چلے تو دولت افغانستان کا انجام بہت اچھا ہوگا اور مجھے اُمید ہے کہ انشاء اللہ دنیا میں ایک عظیم الشان سلطنت ہوگی۔

ملک کا رقبہ وسیع۔ خوش آب و ہوا۔ بیشتر دولت کے ذرائع باشندوں کی تعداد۔ اون کی بہادری اور جسمانی قوت۔ ان سب باتوں کا اگر خیال کیا جائے تو اب یہی افغانستان دنیا کی بعض بڑی سلطنتوں سے کچھ کم نہیں ہے۔ ملک کی سرحد قائم ہونے

سے ہسایون کی دست درازیاں موقوف ہوئیں اور قبیلوں  
 کے باہمی جھگڑے اور بلوے ہمیشہ کے لئے دور ہوئے  
 فوج اور سامان جنگ اور خزانہ کی حالت درست ہوئی بلکہ ایک  
 حد تک مکمل ہو گئی ان سب باتوں کا خیال کر کے یہ کہا جاسکتا ہے  
 کہ اب ملک میں بہت کچھ ارادے پورے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً  
 تجارت اور تعلیم کو ترقی دیجائے۔ کانون سے معدنی دولت  
 نکالی جائے۔ غیر ملک کے تاجرون مسافرون اور سرمایہ داروں کو  
 ترغیب دیجائے اور حفاظت کا اطمینان دلایا جائے۔ اب وقت  
 آیا ہے کہ زراعت کے لئے ٹھہرنے والی زمینیں جاری کی جائیں اور  
 پانی کے خزانہ بنائے جائیں تاکہ جو پانی برف کا گھل کر آتا ہے  
 وہ جمع رہے اور دریاؤں میں بہکر ملک کے باہر نجانے پائے۔  
 اگر یہ پانی ملک ہی میں رکھا جائے تو جو قدر غیر مزروعہ اور افتادہ زمینیں  
 پڑی ہیں۔ وہ سب لہلہاتے ہوئے کہیت اور سرسبز باغ بن جائیں

اس لئے کہ وہ زمینیں نہایت شاداب ہیں۔ مین نے چند بہترین  
 بنوائی ہیں اور چند زیر تعمیر ہیں۔ استرخانی پوستیں آدن گھوڑے  
 گوسفندیں ان سب کی تجارت مین بہت ترقی ہوئی ہے۔ اور مین نے  
 افغانی تاجروں کو ترغیب دلانے کے لئے سرکاری خزانہ سے  
 بلا سودی روپیہ قرض دیا ہے سود کی جگہ مجھے درآمد و برآمد مال پر چوگی  
 وصول ہوتی ہے جو سود کی مقدار سے کہیں زیادہ ہے اور تاجروں کو  
 بھی منافع ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ غیر ملک کی بنکوں اور ساہوکاروں  
 سے خط کتابت کر کے یہ انتظام کر لیا جائے کہ جب قدر روپیہ افغانستان  
 کے خزانہ میں ہو اس کے موافق ہندوستان جانی ہو اگر مین۔ اس سے یہ  
 فائدہ ہو گا کہ جو روپیہ بیکار خزانہ میں رہتا ہے وہ تجارتی اغراض کے  
 لئے سال میں کئی دفعہ گھوم آئے گا۔ مین نے ہندوستان اور برسات کا  
 طریقہ جاری کر دیا ہے۔

مین خدی ٹرید کے فوائد سے ناواقف نہیں ہوں مگر

بالفضل اوس کی پابندی ہماری مصلحت کے خلاف ہے۔ غیر ملک  
 کا اسباب جو ہمارے ملک میں آتا ہے میں نے مجبوراً ایک حد تک  
 اوسکی روک کی ہے یہ ضروری چیز ہے کہ ہم ایسے اسباب کا آنا بلکل  
 روک دیں جو نقد روپیہ پر بکنے کے لئے لایا جائے۔ اس لئے کہ  
 ہمارے کوشش کرتا چاہیے کہ ایسا اسباب اور اس قسم کی چیزیں جو ملک  
 کے لئے درکار ہوتی ہیں خود اپنے ہی ملک میں بنائی جائیں۔ ہمارے  
 چاہیے کہ جو کچھ مال بنایا جائے وہ اپنی رعایا کی ضرورت سے زائد  
 ہو تاکہ ہم اوسے اپنے ملک سے باہر بھی بیچ سکیں اور غیر ملک  
 کا روپیہ ہمارے ملک میں آئے اور ہماری رعایا دولت مند ہو  
 جو تجارتی مال بکثرت ہمارے ملک سے باہر جاسکتا ہے اور  
 آمدنی کا بڑا ذریعہ ہے وہ کھٹان اور ترکستان کا غلہ ہے اور  
 افغانستان کے کانون کی پیداوار۔ میوے بھی ملک میں افراط  
 سے ہوتے ہیں کہ ہم جنہیں کما نہیں سکتے مگر چونکہ ملک میں بیل

یاجہاز یا تار مہین میں۔ اس لئے ہم شمار کو اس تجارتی مال میں  
 نہیں گنتے جس سے زیادہ آمدنی کی امید ہو۔ کیونکہ بوجہ نہونے  
 ریل یا تار کے پہلون کا باہر بھیجنا دشوار ہے۔

میں اپنے لڑکوں اور جانشینوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ  
 نئی سڑکیں بنوائیں جس طرح میں نے بنوائی ہیں مگر ریل کا بنانا  
 اوس وقت تک ملتوی رکھیں۔ جب تک کہ ہمارے پاس اپنے  
 ملک کی حفاظت کے لئے کافی فوج نہ ہو جائے مگر جو وقت  
 ہمارے پاس اتنی باقاعدہ فوج ہو جاوے کہ ہم اپنے ملک کی حفاظت  
 کر سکیں۔ تب ملک میں ریل اور تار جاری کئے جائیں تاکہ ہم ملک  
 کے معدنیات اور دوسرے ذرائع دولت سے فائدہ اٹھائیں  
 تب افغانستان دنیا کے سیاحوں اور دولتمندوں کا تفریح  
 گاہ ہوگا۔ لوگ بغیر تفریح یا حفظ صحت یہاں آئینگے  
 اور افغانستان کے عمدہ موسم اور تازہ میوہ اور شاداب

پہلون کا لطف اٹھائیں گے جو موسم بہار میں ہنود جنت  
 ہوتا ہے۔ سو سٹریٹ لینڈ اور افغانستان کی آب و ہوا ایک  
 ہے مگر یہاں کے پھل اور پہاڑوں کی مشرقی فضا بہ نسبت  
 سو سٹریٹ لینڈ کے زیادہ دل فریب ہے اور سیاح افغانستان کو سٹریٹ  
 لینڈ پر ترجیح دیا کریں گے۔ سیاح جس ملک میں جاتے ہیں وہاں  
 روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ وہاں کے گھوڑے اور گاڑیاں کرایہ پر لیتے  
 ہیں اور اس ملک کی بنی ہوئی چیزیں اور عجائبات خریدتے ہیں  
 سیاحوں کو افغانستان آنے کی ترغیب دلانا گویا ایک طرح پر اپنی رعایا  
 کو آسودہ اور خوشحال کرتا ہے۔

میں یہ بات اپنے بیٹوں اور جانشینوں کے ذہن نشین کرنا  
 چاہتا ہوں کہ کبھی کسی غیر ملک والے کو ریل یا معدنیات کا اجارہ نہیں  
 بلکہ خود ریل بنائیں اور معدنیات نکالیں اور جو کچھ روپیہ ممکن ہو اس میں  
 لگائیں اور ریل افغانستان کے اندر وہی حصہ میں کھولی جائے

اور اپنے ملک میں ایک شہر سے دوسرے شہر کو لیجائیں یہ سہا یہ کی  
سلطنتوں کی حدود سے بالکل دور رہے۔ مگر رفتہ رفتہ جب ملک  
میں اتنی طاقت آجائے کہ کل بیرونی حملوں کا مقابلہ کر سکے تب البتہ  
یہ ریل قریب کے دوسرے ملکوں میں بھی ملائی جائے۔ مگر اس طرح  
پر کہ جو سلطنت کم مخالفت ہو اوس کے ملک سے ریل کا اتصال  
کیا جائے۔

اگر غیر ملکوں کو اجارہ دینے کی ضرورت اور مصلحت ہو تو کم  
کم اجارے دئے جائیں اور اُن اقوام کو دئے جائیں جن کے  
ملک ہمارے ملک سے متصل نہ ہوں۔ مثلاً اہل امریکہ اہل اٹالیہ۔  
اہل جرمن وغیرہ جنکے ملک اور مقبوضات افغانستان سے متصل  
نہیں ہیں۔ میری رائے میں اگر یورپین ملازمین کی مثل انجینئر وغیرہ  
کی ضرورت ہو تو انہیں ملکوں کے لوگوں کو ترجیح دی جائے میرے  
لڑکوں اور جانشینوں کو چاہیے کہ اپنے قول اور وعدہ پر ثابت قدم



رہیں اور ہمیشہ جھوٹہ اور عہد شکنی سے احتراز کریں۔ خواہ اولن کا  
 عہد کسی متنفذ یا تاجر کے ساتھ ہو یا کسی سلطنت و گورنمنٹ کے  
 ساتھ بالضرر اگر ثابت قدمی میں نقصان اور عہد شکنی سے فائدہ  
 مقصور ہو تب بھی وہ عارضی نقصان گوارا کریں۔ اس نقصان سے  
 بھی فائدہ ہوگا اس لئے کہ اونکا اعتبار بڑے گا۔ اور صادق القول  
 مشہور ہونگے۔ وارد ہوا ہے۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوًّا  
 ہم کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے نبی برحق کی مثال پیش نظر رکھیں۔ ہمارے  
 پاک بنی محمد مصطفیٰ مبعوث ہونے سے پہلے بھی تمام عرب میں  
 الکافین کے لقب سے مشہور تھے۔ اونکی کامیابی کی اصل وجہ  
 یہی تھی۔ کیونکہ جب انہوں نے پینیری کا دعویٰ کیا تو اوسکے دشمن

۱۵ راستی کے سامنے جھوٹہ کو فروغ نہیں ہو سکتا۔ راستی یقیناً جھوٹہ پر غائب آئیگی۔

ترجمہ۔ عبارت انگریزی۔ مترجم۔

بھی اس بات کے مقرر تھے کہ اونکی راستی میں کچھ شک نہیں۔ وہ ایسے  
 راستباز ہیں کہ اگر فی الحقیقت پیغمبر نہ ہوتے تو کبھی پیغمبری کا دعویٰ  
 نہ کرتے۔ یہ اونکی راستی تھی جس نے حضرت خدیجہ کو ایسا گرویدہ کر لیا۔  
 حضرت خدیجہ عرب میں ایک بہت دولت مند بی بی تھیں۔ اور ہمارے  
 بنی اونکے صرف ایک نوکر اور تجارتی ایجنٹ تھے۔ مگر کل معاملات  
 کو ایسی راستبازی اور ایمانداری سے انجام دیا کہ حضرت خدیجہ  
 نے نہ صرف اونپر پورا بھروسہ کیا اور اپنا سارا کاروبار۔ روپیہ  
 پیسہ اونکے سپرد کر دیا کہ جیسا مناسب سمجھیں کریں۔ بلکہ حضرت  
 خدیجہ نے اونکے ساتھ شادی کر لی حضرت خدیجہ نے ہمارے  
 بنی کے دنیوی اور دینی معاملات میں پورا ساتھ دیا اور گوانحضرت  
 کا سن پچیس سال کا تھا اور وہ جب شادی ہوئی۔ اس وقت  
 پچاس برس کی ایک بیوہ تھیں۔ مگر شادی کے بعد پچیس برس  
 تک وہ زندہ رہیں اور اس درمیان میں آنحضرت نے کوئی

شادی نہین کی۔ آنحضرت کی وفاداری اور راستبازی ایسی تھی کہ حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد اونکی نوجوان بی بی حضرت عائشہ جب کبھی یہ سوال کرتی تھیں کہ مجھ اپنی مرحومہ بی بی سے زیادہ چاہتے ہو یا نہین۔ آنحضرت ہمیشہ یہ جواب دیتے تھے کہ میں اپنی مرحومہ بی بی کو زیادہ چاہتا تھا۔ ایک مشہور مثل ہے کہ راستی سے چلو ہر ایک دشواری تمہارے سامنے آسان ہو جائیگی۔  
آن حضرت فرماتے ہیں۔

الْصِّدْقُ يُبْنِي وَالْكَذِبُ يُهْلِكُ

ملک کی تجارت اور دولت کو ترقی دینے کے لئے ایک اور تجویز بیان کی جاتی ہے جو اگر زیادہ نہین تو مثل ریل وغیرہ کے ضروری ہے۔ بلحاظ پولیٹیکل مصلحت دنیا کی نظرون میں قوم کی تہذیب اور وقار بڑھانا ضروری ہے اور دوسرے ممالک کے مقابل

۱۔ راستی تقویت روح ہے اور جھوٹ زہر کا اثر کرتا ہے۔

پیدا کرنا لازمی ہے اس سے میری یہ غرض ہے کہ افغانستان  
 کو سمندر میں بھی قدم جما چاہیے اور اپنے جہازوں کے لئے  
 ایک خاص بندرگاہ ہونا چاہیے۔ افغانستان کا جنوبی اور مغربی  
 کوٹا خلیج فارس اور بحر ہند سے ملا ہوا ہے اور اوسى کے قریب  
 ایک چھوٹا سا بلند میدان قندھار۔ بلوچستان۔ ایران کرانچی کے  
 درمیان واقع ہے۔ تخت کابل پر بیٹھنے سے پہلے میری ہمیشہ  
 یہ نیت تھی کہ اس ریگستان کا تھوڑا سا حصہ لے لیا جائے۔ اگرچہ  
 اوس کی اس وقت کوئی قدر قیمت نہیں مگر جب افغانستان کیلئے  
 ایک بندرگاہ بنایا جائیگا تب اوس کی قدر معلوم ہوگی۔ لیکن ابھی  
 اس معاملہ میں زیادہ زور دینے کا موقع نہیں ہے۔ اگر برطانیہ عظمیٰ  
 اور افغانستان میں دوستانہ تعلقات قائم رہے اور اون میں زیادہ  
 ترقی ہوئی اور انگلستان افغانستان پر پورا پھر دوسہ کرنے لگا۔  
 اور یہ سمجھنے لگا کہ انگلستان اور افغانستان کے اغراض ایک ہیں۔

نہ جاری کر سکا اور دنیا کے دور دراز ملکوں سے سیاحوں اور سرمایہ داروں کو نہ بلا سکا اور افغانستان میں یونیورسٹیاں اور دوسرے فنون کے مدارس نہ کھول سکا تو مجھے اُمید ہے کہ میرے بیٹے اور جانشین میرے ان ارادوں کو پورا کرینگے اور جیسا میں چاہتا ہوں افغانستان کو ایک بڑی سلطنت بنائیں گے۔

## افغانستان کی فارن پالیسی اور ہمستا سلطنتوں کے ساتھ ڈپلومیٹک

### تعلقات

چونکہ اس حصّہ میں افغانستان کی گذشتہ موجودہ اور آئندہ حالت کا حوالہ دیا جائیگا اور ہمسایہ کی سلطنتوں کے ساتھ اس کے

اور وہ یہ چاہے کہ افغانستان کو روس اور ہندوستان کے  
 درمیان ایک مضبوط سد بنائے تو اس کے نزدیک گورنمنٹ  
 افغانستان کو یہ چھوٹا سا ٹکڑا زمین کا دیدینا کوئی بات نہ ہوگی۔ اس کے  
 عوض میں کوئی دوسری زمین یا کوئی اجارہ یا کچھ سالانہ روپیہ مقرر  
 کر لیا اور اس خطہ زمین پر حکومت اوسی کی رہیگی۔ اگر افغانستان  
 کو سمندر تک رسائی ہو گئی تو کوئی شک نہیں کہ ملک بہت جلد دولت مند  
 اور آسودہ حال ہو جائے گا۔ اور ہمیشہ برطانیہ اعظم کا ممنون رہیگا  
 اگر میری زندگی میں یہ موقع نہ آئے تو میرے بیٹوں اور جانشینوں  
 کو چاہیے کہ ہمیشہ اس کو نے کی تاک میں رہیں۔ ان کو چاہیے  
 کہ دریائے جیحون میں بھی چھوٹی چھوٹی کشتیاں رکھیں جو تجارت  
 کے لئے مفید ہوں گی اور شمالی مغربی سرحد کی حفاظت میں بھی کام  
 آئیں گی۔ اگر میں اپنی زندگی میں ریل نہ بنا سکا۔ تار اور جہاز نہ جاری  
 کر سکا معدنیات کا کام نہ چلا سکا۔ مینک نہ کھول سکا۔ ہندوستان

تعلقات بیان کئے جائیں گے۔ لہذا ضرور ہے کہ مختصر اگدشتہ  
تاریخی حالات کا ذکر کیا جائے۔ لہذا میں چند واقعات بیان کرتا  
ہوں۔

کل افغان سنی مسلمان ہیں اور مورخین افغان کے بیان کے  
موافق بنی اسرائیل کی نسل سے ہیں۔ اور نکاح نام افغان لفظ افغہ سے  
مشتق ہے۔ بعض اون مین سے افغہ کی نسل سے ہیں جو حضرت  
سلیمان کا کمانڈران چدیف تھا۔ اور بعض یورسیاہ پسر سال کی  
نسل سے ہیں۔ اہل افغان نشان مثل اسکاٹش ہائیلنڈرز یا دوسرے  
کو ہستانی لوگوں کے نہایت جبری اور ولیر سپاہی ہیں اور ہمیشہ سے  
حکمرانی اور جہانپانی کے خواستگار ہیں اور اپنی آزادی اور خود  
مختاری پر جان دیتے ہیں افغان نشان کے اکثر فرقوں اور قبیلوں  
اور بعض امرا نے ہندوستان پر حملہ کیا ہے اور وہاں حکمران  
رہے ہیں۔ مثلاً قبیلہ سغور۔ تغلق۔ خلجی اور دُرانی۔ جب کبھی

افغانستان کسی دانشمند جفاکش الٰہ العزیم بادشاہ کے زیر فرمان رہا  
افغان ہمیشہ فتیاب رہے اور اپنے بادشاہ کا لوہا نصرت بہت  
بند کیا۔ نہ صرف شاہان افغانستان کی فتوحات جو انہیں بہادروں  
کے ہاتھوں ہوئے قابل تعریف ہیں۔ بلکہ بابر نے بھی جو ہندوستان  
میں سلطنت منلیہ کا بانی ہوا اور دوسرے شاہان ایران نے بھی  
انہیں بہادروں کی بدولت کوں یلین الملائک بجایا افغانستان  
کے بہادر سپاہی جس سلطنت یا گورنمنٹ کا ساتھ دینا اوست مبارکیا  
دینا چاہیے اگر غنیم کے مقابلہ میں یہ سوراوس کی پشت پناہ ہو جائیں  
تو پھر فتح میں کوئی شک نہیں اور اس سلطنت کی قسمت کا خدا ہی  
حافظ ہے گو وہ دنیا میں کیسے ہی قوی کیوں نہ ہو جس کے مقابلہ میں  
افغان اس کے دشمن کے شریک ہو کر لڑیں۔ میں دعوے کے ساتھ  
کہہ سکتا ہوں اور جو شخص ایشیا کی تاریخ اور افغانوں کی بہادری سے  
کچھ بھی واقف ہے وہ میرے ساتھ اتفاق کرے گا کہ کوئی سلطنت



تہا اوس سلطنت کا مقابلہ نہیں کر سکتی جس کے ساتھ افغان  
 شریک ہوں۔ جو سلطنت ایسی متحدہ فوجوں کے مقابلہ کی جرات  
 کر لگی اوسے بجز شکست۔ ذلت پشیمانی کچھ نہ ہاٹھہ آئیگا۔ گو افغانستان  
 ابھی اتنا قوی نہیں ہے کہ تہا انگلستان یا روس کے مقابلہ میں  
 فتحیابی کا یقین کر سکے مگر کسیکا شریک ہو کر اگر لڑیگا تو یقیناً فتحیاب  
 ہوگا۔

تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان جو سکندر اعظم کے  
 وقت سے اس صدی کی ابتدا تک مغربی اور وسط ایشیا کے  
 حملہ آوروں کا جولان گاہ رہا سو لہوین اور سترہوین صدی میں  
 تقریباً دوسو برس تک بالکل امن میں تھا۔ اوسکی وجہ یہ ہے۔ کہ  
 سلاطین مغلیہ افغانستان پر حکمران تھے اور افغان اونکی پشت پناہ  
 رہے جب سلطنت مغلیہ کو زوال آیا نادر شاہ اور احمد شاہ درانی  
 افغانوں کی فوج لیکر ہندوستان پر چڑھ دوڑے۔

چونکہ ہمیں صرف اوس زمانہ کا حال لکھنا ہے جو احمد شاہ کے  
 عہد حکومت سے شروع ہوتا ہے لہذا میں اوس کی تاریخ تخت نشینی  
 سے شروع کرتا ہوں۔ اگر ناظرین کتاب اوس سے پہلے کے  
 تفصیلی حالات جانتا چاہتے ہیں تو اور مورخین کی کتابیں پڑھیں۔  
 نادر شاہ کی وفات کے بعد ۱۷۴۷ء میں افغانستان میں ایک  
 ندر کی سی حالت تھی تاہم خانہ دُرّانی کی سلطنت کی بنیاد پڑی جس کا  
 کامچہ فخر حاصل ہے اس سلطنت کا بانی احمد شاہ قبیلہ ابدالی کے ایک فرقہ  
 کا سردار تھا جسے سدوزئی کہتے تھے اوسے خواب میں ایک مشورہ ملی کی بشارت ہوئی  
 جسکی وجہ سے اوسے اپنا لقب شاہ دورہ دوران رکھا میرے دادا امیر  
 دوست محمد خان فرقہ برق زئی تھے جو قبیلہ دُرّانی کی ایک شاخ ہے  
 چنانچہ خانہ دُرّانی سدوزئی دُرّانی میں جس کا پہلا بادشاہ احمد شاہ  
 ہوا اور خانہ دُرّانی برق زئی دُرّانی میں جس کا پہلا بادشاہ امیر  
 دوست محمد خان ہوا اس طرح سلسلہ ملا ہے یہ دو اور برق ان دونوں

شاہی خاندان درانی کے جد حقیقی بہائی تھے۔ احمد شاہ ۱۷۴۷ء  
 میں بمقام قندہار تخت نشین ہوا اور اوس نے قندہار کو اپنا دارالسلطنت  
 قرار دیا۔ اسی سال سے تاج افغانستان میں بادشاہ کے انتخاب  
 کرنیکی اور باضابطہ سلطنت کی بنا پڑی۔ ۱۷۷۱ء میں جب نادر شاہ  
 قتل ہو گیا تو افغانستان کے مختلف قبیلوں اور فرقوں کے سرداروں  
 اور وکیلوں نے قندہار کے قریب شیر سرخ بابا کی مزار شریف  
 پر ایک کونسل کی کہ اپنے ہی لوگوں میں سے ایک بادشاہ منتخب  
 کریں تاکہ ملک میں امن قائم ہو۔ اس کونسل میں حاجی جال خان  
 برق زئی مہابت خان اور سردار جہان خان پوپل زئی۔ موسیٰ جان  
 اسحق زئی المعروف بہ ڈنگی۔ نور محمد خان غلجی۔ نصر اللہ خان نور زئی  
 اور احمد خان سدوزئی شریک تھے۔ سوائے احمد خان کے ہر ایک  
 سردار اپنے تئیں دوسروں پر ترجیح دیتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ میں  
 کیسکی حکومت گوارا نہ کروں گا۔ بہت دیر تک بحث رہی مگر کوئی نتیجہ

نہ نکلات ایک بزرگ مسمی صابر شاہ نے ایک خوشہ گندم ہاتھ  
 میں لیکر احمد خان کے سر پر رکھا اور اہل کونسل سے مخاطب ہو کر  
 کہا کہ تم آپس میں جھگڑا نہ کرو سلطنت احمد خان کے لئے موضوع ہی  
 اسپر کل سردار احمد خان کی طرف متوجہ ہوئے سب نے اقرار  
 کیا کہ احمد خان سے بہتر کوئی بادشاہ منتخب نہیں ہو سکتا اس لئے  
 کہ اس کا فرقہ بہت کمزور اور تعداد میں چھوٹا ہے اگر وہ ہمارے  
 مشورہ کے موافق نہ چلیگا تو ہم تخت سے اوتار دیں گے اگر کسی  
 بڑے مضبوط قبیلہ میں سے بادشاہ منتخب ہوتا تو یہ امر دشوار  
 تھا۔ اگر وہ ہماری رائے کے موافق چلیگا تو ہم سب اس کے  
 معاون ہوں گے اور انتظام سلطنت میں مدد دیں گے۔ اس بات پر  
 اتفاق کر کے سب نے کہا اس کے تنکے منہ میں دبائے۔ یہ  
 گویا ایک علامت تھی کہ وہ سب مثل مویشی کے ہیں۔ بعد ازاں  
 سب نے رد مالوں کو لپیٹ کر اپنی گردنوں میں ڈالا جس سے

یہ اظہار مقصود تھا کہ وہ سب اوس کے حکم کے مطیع ہیں جس طرح چاہے اون کی رہنمائی کرے اور اوسے جان و مال کا اختیار دیا غرض کہ اس طرح رعایا نے احمد شاہ کو اپنی بادشاہی کے لئے منتخب کیا۔ یہی وجہ تھی کہ کل سردار اور وکلاء ملک اوس کے شریک تھے اور وہ خوبھی نہایت مستقل۔ ہوشیار۔ جفاکش اور مصنف مزاج آدمی تھا چنانچہ وہ ایشیائین ایک بہت بڑا شہنشاہ ہوا اوس کا ملک مغرب میں مشہد یا ایران تک تھا۔ اور مشرق میں دہلی تک ماہ جون ۱۷۵۷ء میں بعارضہ سلطان اوس نے فضا کی۔

اوس کا بیٹا تیمور مرزا شاہ جانشین ہوا مگر وہ بہت کاہل اور عیش پسند تھا جس مرض میں عموماً کل مشرقی بادشاہ۔ شاہزادے اور امرا مبتلا ہوتے ہیں۔ اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور دولت کا نور ہو جاتی ہے۔ اوس میں اتنا مادہ تھا کہ اون قبیلوں کو مطیع کر کے جو اوس کے باپ نے فتح کئے

تھے۔ چنانچہ سلطنت کو زوال شروع ہوا۔ اوسنے اور بڑی غلطی  
یہ کی کہ اپنے بیٹوں کو افغانستان کے مختلف صوبوں کا گورنر مقرر کیا  
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ۱۹۳۲ء عرین بمقام کابل اوس نے وفات  
پائی تو اوسکے کل بیٹوں میں سلطنت کے لئے جھگڑا پڑا۔ آخر کار  
شاہ زمان تخت پر بیٹھا مگر سات برس حکومت کرنے کے  
بعد اوس کے سوتیلے بہائی شاہ محمود نے تخت سے اوتار کر  
اوسے اندھا کر دیا۔ شاہ محمود وزیر فتح خان برادر دوست محمد خان  
کی مدد سے بادشاہ ہوا۔ یہ حیرت انگیز شخص افغانستان کی تاریخ  
میں یادگار ہے۔ اٹھارہ سال تک بادشاہ گ رہا۔ تاریخ انگلستان  
میں ارل آف واروک جو مشہور بادشاہ گریٹا ہے میری رائے  
میں وزیر فتح خان زیادہ تر اس نام کا مستحق ہے کل اہل افغانستان  
اور یورپین مورخین جنھوں نے افغانستان کے متعلق کچھ لکھا  
ہے اوس کی قابلیت۔ جرات۔ سخاوت۔ سیاست کے قائل ہیں۔

ماہ ستمبر ۱۸۴۱ء میں شاہ معزول زمان کے حقیقی بھائی  
 شاہ شجاع نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر کے پشاور سے  
 کابل پر چڑھائی کی۔ مگر وزیر فتح خان سے شکست کھا کر خیبر بھاگ  
 گیا۔ ۱۸۴۲ء میں وہ تخت یسے میں کامیاب ہوا اور محمود کو تخت  
 سے اتار کر قید کر لیا بعد ازاں کشمیر فتح کیا۔ مگر یہ لکھنا بھی ضرور ہے  
 گو تفصیلی حالات بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ۱۸۴۳ء میں  
 تیمور شاہ کی وفات کے بعد بشمار لڑائیاں جوئیں اور بہت سے  
 سردار اور بادشاہ مارے گئے۔ احمد شاہ نے جو باضابطہ گورنمنٹ  
 قائم کی تھی وہ اس کے جانشینوں کی عیش پرستی۔ شرابخواری اور  
 لوگوں یا قبیلوں کی بیجا طرفداری کی وجہ سے خاک میں مل گئی۔  
 خاندان سدوزئی کی ان حرکتوں کی وجہ سے ملک اس کے ہاتھ  
 سے نکل گیا تھا اور افغانستان جو پہلے ایک بڑی سلطنت تھا  
 گہٹ کر ایک چھوٹی سی ریاست رہ گیا تھا۔

شاہ شجاعؒ نے عین تخت پر بیٹھا مگر وزیر فتح خان  
 کے ساتھ صلح کرنے سے انکار کیا۔ وزیر فتح خان نے سنہ ۱۸۰۹ء  
 میں او سے پھر شکست دی اور اپنے قدیم دوست محمود کے لئے  
 پھر تخت لے لیا۔ شاہ شجاع نے رنجیت سنگھ راجہ پنجاب کے  
 پاس پناہ لی اور وہاں سے تخت حاصل کرنے کے لئے کئی دفعہ  
 کوششیں کیں مگر بے سود ہوئیں اس لئے کہ وزیر فتح خان اور افغانوں  
 کی رعایا محمود کی کمک پر تھی۔ آخر میں رنجیت سنگھ نے شاہ شجاع  
 کے ساتھ بہت ظالمانہ برتاؤ کیا اور او سے قید کر لیا۔ اس سے  
 بھگت کوہ نور الماس لے لیا (جواب ملکہ معظمہ کے پاس ہے)۔  
 مورخین نے اس پارہ الماس کے متعلق عجیب و غریب واقعات  
 نقل کئے ہیں جس بادشاہ کے پاس سے یہ جدا ہوا وہ رنج و غم  
 میں مبتلا رہا اور کبھی خوش نہ ہوا اور جس بادشاہ کے ہاتھ لگا وہ غرط  
 طرب سے باغ باغ رہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو چیز نصرت



مخلوق عالم کے لئے باعث خوشی ہو وہ دوسرے حصہ کے لئے باعث حزن ہے اگر ایک گروہ فتح کی خوشیاں مناتا ہے تو دوسرا گروہ شکست کے آنسو بہاتا ہے۔ بڑی دشواری کے بعد شاہ شجاع مع محذرات حرم قید خانہ سے نکل گیا اور انگریزی عسکری مین پہنچ کر انگریزی وظیفہ خوار بن گیا۔

شاہ شجاع کی شکست کے بعد فتح خان شاہ محمود کی طرف سے حکمرانی کرتا رہا اوس نے حاجی فیروز سے ہرات لیکر اپنے بادشاہ کے ملک میں شامل کیا اور جب ایرانیوں نے ہرات پر حملہ کیا تو اوںہیں شکست فاحش دی۔ لہرانی یہ چاہتے تھے کہ خراج دیا جائے اور سکہ پر شاہ ایران کی ضرب ہو۔ ان وفاداریوں اور غیر خواہیوں کا صلہ وزیر فتح خان کو یہ ملا کہ اوس کعبخت طوطا چشم محمود نے اپنے کیا دبیلے کا مران اور دوسرے لوگوں کے مشورہ سے جو فتح خان کے رسوخ پر حسد کرتے تھے۔ فتح خان

کی آنکھیں نکلوالین اور جب فتح خان نے اپنے بہائیوں کا راز افشا کرنے سے انکار کیا تو محمود نے اپنے سامنے اور کا ایک ایک عضو کٹوایا۔ حالانکہ یہ فتح خان کی جوتیوں کا طفیل تھا جو محمود کو دوبارہ سلطنت نصیب ہوئی۔ غرضکہ واروک افغانستان کا یہ انجام ہوا۔ اوس کی دانائی اور بہادری کی یہ حالت تھی کہ جبکہ شریک ہوا اوس کا پایہ زبردست ہو گیا۔ اوسکی دلیری۔ کشادہ دلی۔ شریف النفسی کی شہرت نے اوسکے چھوٹے بھائی دوست محمد خان کو تخت دلانے میں بہت مدد دی۔

فتح خان کے والد وزیر پائندہ خان نے جو سردار سر فرات خان کے نام سے ملقب تھے اکیس فرزند چھوڑے جو سب کے سب لائق تھے اوسکے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) وزیر فتح خان۔ (۲) سردار محمد اعظم خان (۳) سردار تیمور  
(۴) قلی خان (۵) سردار پردل خان (۶) سردار شیردل خان۔

(۶) سردار کوہان دل خان (۷) سردار رحیم دل خان (۸) سردار  
 مہر دل خان (۹) سردار عطا محمد خان - (۱۰) سردار سلطان محمد خان  
 (۱۱) سردار پیر محمد خان (۱۲) سردار سعید محمد خان (۱۳) امیر  
 دوست محمد خان (۱۴) سردار امیر محمد خان (۱۵) سردار محمد  
 زمان خان (۱۶) سردار ضمیر خان (۱۷) سردار حیدر خان (۱۸)  
 سردار طرہ باز خان (۱۹) سردار جمعہ خان (۲۰) سردار خیر اللہ خان  
 جب ایسا بھا اور بادشاہ گراس ظلم و ستم سے مارا گیا تو اوس کے  
 بیٹے بھائیوں اور کل درانیوں نے شاہ محمود اور اوس کے فرزند  
 شاہزادہ کامران پر فوج کشی کی۔ جسکی ترغیب سے شاہ محمود نے  
 اپنے ایسے جرمی دوست کو قتل کیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ فتح خان کے  
 ایک چھوٹے بھائی دوست محمد خان نے محمود کی فوج کو شکست  
 دی اور ۱۸۲۶ء عین امیر افغانستان ہو گیا۔ اس شکست سے سلطنت  
 خاندان سدوزئی سے خاندان برق زئی میں منتقل ہو گئی۔ اور جب سراج ملک سی

خاندان میں چلی آتی ہے البتہ اس سلسلہ میں چند دن کے لئے خلل  
 پڑ گیا تھا۔ جب شاہ شجاع انگریزوں کی حمایت سے کابل میں آیا تھا۔  
 شاہ محمود ملک کہو کر ہرات میں مر گیا اور اس احسان فراموشی  
 کی یہ سزا پائی۔ اوسکا تالایق بیٹا کامران بھی ہرات میں اپنے ایک  
 ملازم وزیر یار محمد خان کے ہاتھ سے مارا گیا۔

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جب ملک پر کوئی قومی شخص حکمران  
 ہوتا ہے اور کل سردار اور رعایا کے ملک کو مطیع رکھتا ہے کوئی  
 غیر سلطنت مداخلت نہیں کر سکتی خواہ وہ انصاف سے حکمرانی  
 کرے یا بے انصافی سے مگر جو بہن ملک کسی کمزور حکمران کے  
 ہاتھ میں گیا اور اندرونی بد نظمیان پھیلین یار عایا کو اپنے بادشاہ  
 کا ڈر اور محبت باقی نہ رہی تب غیر سلطنتوں کو یہ موقع ملتا ہے کہ ایک  
 کے مقابلہ میں دوسرا عویداز کھڑا کریں یا اس بہانہ سے دخل  
 دین کہ کل رعایا کو مساوی حقوق ملنا چاہیئے اور اوسکے ساتھ

انصاف ہونا چاہیے۔ چنانچہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جب افغانستان کمزور بادشاہوں کے زیر فرمان ہوا اور اندرونی خانگی جھگڑے پہلے اس وقت سے اب تک افغانستان کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری ہوئی ہے کہ انگلستان اور روس دونوں نے ملک کے معاملات میں دخل دیا ہے اور اس طرح کے دعویدارانہ ملک میں رکھے ہیں کہ جب موقع ملے انہیں آگے بڑھائیں۔ زمانہ گذشتہ میں انگلستان بمقابلہ روس افغانستان سے قریب تر تھا اس سبب سے انگلستان نے بہ نسبت روس کے زیادہ دخل دیا۔ اب بدقسمتی سے افغانستان ایک پتھر کی جگہ دو پتھروں میں دبا ہوا ہے تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگلستان نے افغانستان میں زیادہ دخل دیا اور بہت غلطیاں کیں اس لئے زیادہ نقصان اٹھایا۔ روس نے کم دخل دیا اس لئے نقصان بھی کم اٹھایا۔ خیر گذشتہ راصلو اب آئندہ امید ہے کہ انگلستان اسے نقصان اٹھانے کے بعد

فائدہ اٹھائیگا مین کہہ سکتا ہوں کہ اگر انگلستان نے افغانستان  
کی دوستی کی قدر کی اور لاکھوں پاؤنڈ صرف کر کے اور ہزار ہا  
بیش قیمت جابین تلف کر کے یہ سبق حاصل کر لیا ہے کہ افغانستان  
سے لڑنے میں سراسر نقصان ہے اور افغانستان کے ساتھ  
دوست رہنے میں فائدہ تو البتہ انگلستان کے گزشتہ نقصانات  
کی بخوبی تلافی ہو جائے گی۔

جب میرے دادا امیر دوست محمد خان تخت کابل پر بیٹھے اگر  
میں اس وقت کے تاریخی حالات بالتفصیل بیان کروں تو مجھ پر الزام  
رکھا جائے گا کہ اپنے خاندان کی طرف داری کرتا ہوں اس  
خیال سے مین کچھ نہیں لکھنا چاہتا بلکہ انگریز مورخین کے بیانات قلمبند  
کرتا ہوں البتہ میں صرف اس قدر بیان کروں گا جو آئندہ طرز عمل  
کے لئے ضروری ہو۔

# خلاصہ کتاب

مصنفہ لارڈ کرزن و ایسراے ہند

موسوم بہ ریشیا ان سنٹرل ایشیا

صفحہ (۳۲۳-۳۳۴)

سالہا سال سے روسیوں کی یہ خواہش ہے کہ ہندوستان پر  
حکمہ کریں۔ ۱۸۵۷ء میں ملکہ کہترائن نے بھارا اور کابل کی طرف سے  
ہندوستان پر فوج کشی کی تجویز کی تھی۔ بعد ازاں ۱۸۵۷ء میں شہنشاہ  
روس اور نیپولین نے باہم یہ مشورہ کیا کہ دونوں ملکہ ہندوستان  
پر حملہ کریں۔ ۱۸۵۷ء میں شہنشاہ نیپولین اور زار روس نے پھر  
دوبارہ حملہ کا ارادہ کیا اور اس مرتبہ شاہ ایران کو بھی شریک کر لیا







DOST MAHOMED KHAN.

مگر چند دن بعد ان دونوں میں شکر رنجی ہو گئی جسکی وجہ سے وہ قصد  
ملتومی رہا۔ ۱۸۵۴ء میں روس اور ایران نے ملکر ہندوستان  
پر حملہ کرنے کی غرض سے ہرات پر دھاوا کیا مگر قلعہ ہرات فتح نہ کر سکے۔  
۱۸۵۵ء میں روس نے پھر ہندوستان پر حملہ کرنے کی کوشش  
کی مگر یورپین پیچیدگیوں کی وجہ سے وہ اپنے ارادہ کو پورا نہ کر سکا  
روسیوں نے دوست محمد خان کو بھی اپنی طرف لانے کی  
کوشش کی مگر ناکامیاب رہے ۱۸۶۲ء تک وہ انگریزوں  
کے خلاف امیر شیر علی کے ساتھ ایک عام سازش کرتے رہے۔

## خلاصہ کتاب سفر نامہ سندھ و افغانستان

مصنف مسٹر الین ۱۸۴۳ء صفحہ ۱۳

فتح خان کا بہائی دوست محمد کابل کا بادشاہ ہوا اور اسے منصف  
مزاج درویشن و مانع حکمران ہونے کی شہرت پائی۔ کامران ہرات

دبا بیٹھا۔ قندہار مختلف لوگوں کے قبضہ میں رہا بعد ازاں سرداروں  
 کے تحت میں آ گیا۔ امرائے سندھ خود مختار ہو گئے اور بنجیت سنگھ  
 نے اس عام ابتری کی وجہ سے موقع پا کر افغانستان پر دست  
 دراز سی شروع کی۔ ایک عرصہ تک یہی حالت رہی تا اینکه گورنمنٹ ہند  
 کو معلوم ہوا کہ وسط ایشیا میں روسی حکومت فروغ پر ہے۔ نوبت بایںجا  
 رسید کہ روسیوں نے ۱۸۳۷ء میں ہرات کا محاصرہ کیا۔ تب  
 اس بات کی کوشش کی گئی کہ دوست محمد خان کو روس اور ایران کی  
 شرکت سے علیحدہ کر لیں۔ دوست محمد نے انگریزوں کا ساتھ دینے  
 میں اپنی رضامندی ظاہر کی مگر اس شرط سے کہ انگریز اسکو بنجیت سنگھ  
 کی دست دراز یوں سے بچائیں جسے پشاوَر پر قبضہ کر لیا ہے  
 ورنہ اسے مجبوراً ایران کی حمایت میں جانا پڑے گا۔ مثل مشہور ہے  
 کہ بُرا وقت کہہ کر نہیں آتا۔ یہاں یہ رائے ٹھہری کہ بنجیت سنگھ  
 سے نہ بگاڑنا چاہیے اور ساتھ ہی اس کے دوست محمد خان

کو بھی ایران کے ساتھ نہ ملنے دینا چاہیے۔ پس یہ صلاح ہوئی۔  
 کہ دوست محمد کو تخت سے اوتار کر شاہ شجاع کو تخت پر بٹھانا چاہیے  
 جو اٹھائیس سال سے ہرزہ گرد ہے۔ اس چال سے یہ غرض تھی  
 کہ کل وسط ایشیاء میں اپنا اختیار قائم ہو جائے۔

چنانچہ ۱۸۳۸ء اور ۱۸۳۹ء میں سر جان کین کی فوج ڈرائی ملک  
 میں درآئے چلی آئی۔ کسی نے کچھ تعرض نہ کیا یہاں تک کہ غزنی میں  
 دوست محمد خان نے اپنے دشمن سر۔ ڈبلو۔ گناٹن کے حوالہ کر دیا۔  
 شاہ شجاع کابل واپس ہوئے۔ بقول شاعر۔ ع  
 لوٹا ہوا دانت پھر دہن میں آیا

ہر طرف امن و تسلط کے آثار نظر آنے لگے شاہ ایران کی  
 فوج ملک سے اٹھا دی گئی۔ ڈرائی احکامات جاری ہوئے سر جان  
 کین نے امارت کا درجہ پایا۔ ہر طرف سے ایڈرس اور مبارکباد  
 کی بوجھار ہوئی۔ مگر افسوس کہ یہ خبر نہ تھی کہ کس سرنگ پر استادہ

ہیں۔ ۱۸۳۱ء میں باہ نو مبر کے شروع میں یہ سرنگ اوڑی برٹش  
سفیر قتل ہوا۔ کل فوج چھین کئی ہندوستانی ٹرپ اور ملکہ معطلہ کا  
نمبر ۴۴ رجمنٹ شریک تھا سب خاک سیاہ ہوئی۔ توپین چھن گئیں۔  
انگریزی افسر اور لیڈیان اسیر ہوئیں۔ غرضکہ ایسی تباہی آئی کہ جسکی  
مثال ہماری تاریخ میں بشکل ملیگی اور وسط ایشیا میں انگریزی حکومت  
قائم کرنے کا سارا ظلم ٹوٹ گیا۔ اسی سال موسم بہار میں شاہ شجاع  
الملک کیپ کی طرف جاتیوں کو برق زہی کے ایک جرگہ کے ہاتھ  
سے مارا گیا اور اسطرح اسکی پڑا شوب زندگی کا خاتمہ ہوا۔ اس  
ناجاہز حملہ کے تباہی سے ہما کو بظرح سے خدا نے بچایا ہے اور کا  
سجدہ شکر بجالانا چاہیے اس میں شک نہیں کہ ہر منے اپنے کئے کی  
سزا پائی۔ خدا نکرے کہ ہم اپنے موجودہ فتوحات کے دلوے  
میں اس کے رحم و کرم کو بھول جائیں جیسا کہ ۱۸۳۹ء عرین بھول گئے  
تھے۔ ہمارے حکمرانوں کو خدا اس بات کی توفیق دے کہ وہ ہمیشہ

یاد رکھیں کہ محض فتوحات سے کسی قوم کا درجہ نہیں بڑھتا ہے بلکہ  
راست بازی سے اور گناہ و طمع مثل اور مصیبتوں کے ہر قوم کیلئے  
باعثِ ذلت ہے۔

## خلاصہ کتاب حالات سلطنتِ کابل مصنف مانٹاسٹو اٹالفسٹن۔ ماہ اکتوبر ۱۸۳۸ء

کابل قندھار پشاور معاً اضلاع بہائیون کے زیرِ حکومت تھے جو  
بہت جلد آپس میں آمادہ جنگ ہو گئے۔ ورائی اپنی اپنی جاگیروں  
کے لحاظ سے قندھار یا ہرات کے حکمرانوں کے محض پرانے  
نام مطیع تھے۔ دوسرے فرقہ خود مختار رہے۔ خاندانِ ورائی  
کے زمانہ زوال میں رنجیت سنگھ یورپین افسروں کی مدد سے  
اپنی فوج کو بہت آراستہ کر رہا تھا۔

بالفرض اگر قوم افغان مین اتحاد بھی باقی ہوتا جب بھی وہ اس  
 حالت مین افغانوں کے مالک ہند کے لئے ایک خوفناک  
 دشمن تھا۔ چہ جائے کہ گورنمنٹ مضطرب ہو اور سرحد کا کوئی ٹھکانا  
 نہ رہا ہو وہ افغانوں کیلئے گویا ننگ تھا جس سے مفروضہ تھی۔  
 اوس نے کشمیر ملتان لیا۔ سندھ اور دماؤن کے قریب  
 کے ملک پر قبضہ کر لیا اور اون قبیلوں کو جو کشمیر کے جنوب مین  
 رہتے تھے حلقہ بگوش بنایا بعد ازاں اوس نے پشاور اور تمام  
 حصہ اوس ملک کا جو دریائے سندھ تک چلا گیا ہے فتح کر نیکا  
 ارادہ کیا۔ چونکہ امیر کابل مین ابر اوس کے بہائی مین جو پشاور  
 کا حاکم تھا لڑائی چھڑی ہوئی تھی اور اوس کے ساتھ ہی ادھر شاہ  
 شجاع کی طرف سے قندھار پر حملہ ہو گیا۔ ان سب باتوں سے  
 اوسے اپنی فتوحات کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ اُدھر امرائے سندھ  
 نے بھی شکار پور چھین لیا۔ بلخ بھی خود مختار ہو گیا اور رئیس

بلوچستان کا تعلق بھی برائے نام لگیا و دوست محمد خان سردار کابل  
ایک نہایت منصف اور عالی دماغ حاکم تھا وہ اور اوس کا علاقہ  
بہائی حاکم قندھار و نو ن کا مران کے مخالف تھے جو اپنے  
باپ کے انتقال کے بعد ہرات کا حاکم ہو گیا تھا اور خاندان سدوزی  
کے دعویٰ کو باطل سمجھتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان انقلابات  
اور لڑائیوں کی وجہ سے شہر پشاور کو بہت نقصان پہونچا مگر باقی  
ملک میں کوئی زوال نہ آیا۔ علاوہ اوس مہم کے جس میں  
شاہ شجاع کو قندھار کا عارضی قبضہ لگیا وہ ملک کے مختلف حصوں  
میں اور دوسری مہم میں بھی مشغول رہا۔ مگر اب لُدھیانہ میں  
جلا وطن ہے اس عرصہ میں اوس پر عجیب و غریب واقعات  
گزرے جبکہ اوس نے قلب بند کیا ہے۔ ایک وقت میں برنجیت سنگھ  
نے دغا بازی سے اوس سے گرفتار کر لیا اور بہت بُری طرح پیش  
آیا۔ اوس کی غرض یہ تھی کہ کسی طرح کوہ نور ہیرا ہاتھ آئے۔



یہہ واقعات اور اوس کی رہائی جو اوس کی ملکہ کی جرات اور  
ہوشیاری کی بدولت نصیب ہوئی۔ افغانستان کے زمانہ  
حال کی ایک نہایت دلچسپ حکایت ہے جو سر۔ اے برنس اور  
مسٹر کنولی نے لکھی ہے جس کا یہ خلاصہ کیا گیا ہے۔

ان تمام آفتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ خراسان کا وہ حصہ جو افغانوں  
کے قبضہ میں تھا ایرانیوں کے قبضہ میں چلا جاتا۔ اگرچہ ایرانیوں  
نے ہرات لینے کی متواتر کوشش کی اور گو شاہ ایران کے پاس  
باقاعدہ فوج بھی تھی جس پر پورے افسر مقرر تھے مگر کچھ نہ ہو سکا۔  
اسمیں شک نہیں کہ کامران خود عیاشی اور بزدلی میں اپنے باپ  
سے بڑا ہوا تھا مگر اس کا وزیر یار محمد خان ایک بیدار مغز شخص تھا  
جس کی جرات اور طاقت ملک کو سنبھالے ہوئے تھی۔

سال بھر ہوتا ہے کہ شاہ ایران نے ہرات کا محاصرہ کیا ہے  
اور آخری جو خبر آئی ہے وہ یہ ہے کہ ہرات پر دبا داکر نے کی

کوشش میں نقصان عظیم اٹھانا پڑا۔ گیارہ کرنل - ۴۵ افسر اور  
 ۱۷۵۰ ابا قاعدہ سپاہی مارے گئے اور دوا واپس پیا ہوا۔ اگر دہلی  
 قندھار و کابل غنیم کے مقابلہ میں مستفق ہو کر کامران کے شریک  
 ہو جائیں تو ممکن ہے کہ سلطنتِ وِزانی کا نشان باقی رہے اور  
 اوسکے اتفاق و استقلال کا یہ ثمرہ ہاتھ آئے اگر ایسا ہوا تو ہماری  
 سلطنت ہند کی حالت میں بھی بکار آمد تغیر پیدا ہو گا۔ جس کا اثر غالباً  
 یورپ کے پائلٹس پر بھی پڑیگا۔

## خلاصہ جنگ افغان مصنفہ مسٹر ارجیلڈ

فارلس صفحہ ۱-۱۳

جو اسباب ۱۸۳۹ء میں افغانستان پر فوج کشی کے باعث  
 ہوئے وہ دراصل دولتِ برطانیہ اعظم اور دولتِ ایران کی پیچیدگیوں

کیونکہ یہ سب تھے اس لئے اس جنگ کا ذکر کرنے سے پہلے  
اون پیچیدگیوں کا مختصر بیان کر دینا ضرور ہے۔

۱۸۱۴ء میں انگلستان اور ایران کے درمیان ایک معاہدہ  
ہوا تھا کہ اگر کوئی یورپین سلطنت ایران پر قبضہ کرے گی تو انگلستان  
خواہ ہندوستانی فوج سے شاہ کی مدد کرے گا۔ یا معاہدہ  
جنگ میں سالانہ کچھ امدادی رقم سے کفیل ہو گا۔ یہ بہت ہی خوفناک  
معاہدہ تھا اگرچہ اس شرط کے ساتھ سہی کہ اگر ایران خود اس حملہ کا  
باعث ہو تو اس صورت میں انگلستان مدد نہ دے گا۔ ۱۸۲۵ء سے  
۱۸۲۷ء تک عباس میرزا اور روسی جنرل سمی پاسکیوچ میں جو جنگ  
و جدل رہی انگلستان بالکل الگ رہا نہ اسنے فوج سے مدد کی اور  
نہ روپیہ سے مگر جب ایران مالی وقتوں میں مبتلا ہوا جو حسب  
صلحنامہ ترکمانچہ اسے تاوان جنگ دینے کی وجہ سے عاید ہوئی  
تھیں تب انگلستان نے موقع پا کر تین لاکھ پاؤنڈ دیکر اس عہد نامہ

سے سبکدوشی حاصل کر لی جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ایران میں انگریزی  
 بسوخ کو زوال آئے اور یہ بھی ایک ہونے والی بات تھی کہ ایران  
 بوجہ اپنی کمزوری کے روس کے دائرہ اختیار میں چلا جائے۔  
 پیر ضیعتہ شاہ ایران فتح علی شاہ نے ۱۲۳۴ھ میں قضا کی اور  
 اوسکی جگہ اوسکا پوتا شاہ زادہ محمد میرزا تخت پر بیٹھا۔ محمد میرزا ایک  
 ہونہار نوجوان تھا۔ جس میں اپنے دلیر باپ عباس میرزا کے  
 بہت سے اوصاف پائے جاتے تھے۔ اوسکی عین خواہش  
 یہ تھی کہ ہرات فتح کرنا چاہیے جو افغانستان کی مغربی سرحد پر ایک  
 خود مختار ریاست ہے اس خواہش کو روسی مشیر دن نے اور بھی  
 اوسکیا صرف ہرات افغانستان کا ایک ایسا ٹکڑا باقی رہ گیا تھا جس پر  
 افغانستان کے قدیم شاہی خاندان کا ایک رکن حکمران تھا۔ یہ حکمران  
 شاہ کامران پسر محمود شاہ تھا محمود شاہ جب اپنے بھائی  
 شاہ شجاع کو تخت کا بل سے اوتا رکھا تو خود بھی دیان سے نکلا گیا

اور بھاگ کر ہرات میں پناہ لی۔ یہ نوجوان شاہ ایران بلاوجہ ہرات کا دعویدار نہ تھا۔ اس بات کو مسٹر ایلس نے بھی جو ایران میں انگلیروں کا سفیر تھا مان لیا ہے چنانچہ اس نے اپنی گورنمنٹ کو لکھا ہے کہ شاہ کو غزنی تک حکومت کا صحیح دعویٰ ہے اور جبکہ کامران نے ایران کے صوبہ سیستان کا کچھ حصہ دیا لیا ہے تو اس صورت میں شاہ کو لڑنے کا اور ہرات پر حملہ کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔

اس حملہ سے انگلستان اور افغانستان کے لئے یہ قباحت تھی کہ روسی زور بھی ایران کے ساتھ ساتھ تھا۔ چنانچہ مسٹر ایلس نے اپنی گورنمنٹ کو اس بات سے آگاہ کیا کہ ایران و روس میں ایسے تعلقات ہیں کہ اگر ایران افغانستان پر قابض ہو گیا تو یہ سمجھنا چاہیے کہ روس کا قدم بھی وہاں جما اور دشواری یہ تھی کہ ۱۸۱۳ء کے معاہدہ میں یہ شرط بدستور بحال رکھی گئی تھی کہ اگر افغانستان اور ایران میں جنگ واقع ہو تو انگلش گورنمنٹ کچھ دخل نہ دے تاوقتیکہ

دونوں اوس سے اس امر کی استدعا کریں کہ وہ بیچ بچاؤ کر دے  
 ایں اور اوس کے جانشین میکنگ نے ہر چند شاہ ایران  
 کو ہرات پر حملہ کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر ایک نہ چلی  
 تب برطانیہ اعظم کی طرف سے سینٹ پیٹرس برگ میں اس بارہ  
 میں تحریک کی گئی مگر وہاں سے بھی مذہب جواب ملا۔ حالت  
 جیسی کچھ سنگین ہو رہی تھی اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اپریل  
 ۱۸۳۶ء میں ایں نے لکھا تھا کہ ہندوستان میں حملہ کرنے کے  
 لئے روسیوں کا پہلا خط متوازی ایران ہو گا۔ ۱۸۳۷ء کے ابتدا  
 میں لارڈ آکلینڈ گورنر جنرل ہندوستان نے میکنگ کو لکھا کہ شاہ  
 کو ترغیب دے کہ اس حملہ سے باز رہیں اس لئے کہ وہ بحیثیت گورنر  
 جنرل ہند اس قسم کی مداخلت اور فتوحات اپنی مغربی سرحد پر  
 نہایت نارضا مند ہی اور ناخوشی کی نظر سے دیکھیں گے مگر شاہ  
 نے سفیر برطانیہ کے معروضات پر مطلق اعتنائے کی اور ہرات کی طرف

روانہ ہوا۔

۲۳ نومبر ۱۸۳۷ء میں محاصرہ شروع ہوا۔ میکینگ ایک عرصہ تک ہرات کے سامنے ایرانی کیمپ میں پڑا رہا مگر کچھ طے نہ کر سکا روسی سفارت کو شاہ کی مزاج میں بہت رسوخ تھا۔ آخر کار انگریزی سفیر کو متواتر امانت اوٹھا کر شکست فاش ہوئی اور وہ ایرانی کیمپ سے چلا گیا چھ دن گولہ باری کر کے ۲۳ جون ۱۸۳۸ء میں ایرانیوں اور روسیوں نے دھاوا کر دیا مگر پسا ہوئے اور بہت نقصان اٹھایا تب شاہ نے یابوس ہو کر محاصرہ اوٹھانے کا ارادہ کر لیا۔ اس عرصہ میں ایرانی کیمپ میں کرنل اسٹوڈٹس یہ خبر لایا کہ ایک جنگی فوج بمبئی سے جنگی جہازوں کو لئے ہوئے خلیج فارس میں جزیرہ کرک پر اتڑی ہے اور یہ الیٹیمم لائی ہے کہ شاہ فی الفور ہرات سے واپس ہوں۔ لارڈ پامرسٹن نے اس حالت میں عہد نامہ کی شرط کے خلاف یہ کارروائی کرنا واجبی خیال کیا اس لئے

کہ اول اول اکثر اوقات انگلستان اسکا پابند رہ چکا تھا۔ اب  
 رہے شاہ انہین اس الٹیمٹیم کا ایک عذر مل گیا۔ ۹ ستمبر کو وہ اپنے  
 گھوڑے پر سوار ہوئے اور ہرات سے روانہ ہو گئے۔ یہ محاصرہ  
 ساڑھے نو مہینے تک رہا اس واقعہ کو پچاس برس گزرے ہرات  
 توفیق نہ ہو سکا مگر ہرات کو سمار کر کے سامونک سفیر روس محمد شاہ  
 کے ہمراہ وہاں سے واپس گیا۔ وہی شہر آج افغانوں کے قبضہ  
 میں ہے جہاں ان کے سلاح خانہ بنے ہیں۔

شاہ شجاع الملک اوس نام آور احمد شاہ کا پوتا ۱۸۰۳ء سے  
 ۱۸۰۹ء تک افغانستان میں حکمران رہا۔ جب اوس کا ستارہ اقبال  
 زوال میں آیا تو کئی برس تک افغانستان میں بد عملی رہی۔ آخر کار  
 ۱۸۲۶ء میں دوست محمد خان کابل کے تاج و تخت کا مالک ہوا اور  
 یہ زبردست شخص تین برس تک جبکہ ملک پر انگریز قابض تھے  
 برابر حکمرانی کرتا رہا تین برس کے بعد زمانہ کے نشیب و فراز جہیل کر



یہہ نوجوان سپاہی اپنے کل دشمنوں پر غالب آیا اور ۱۸۲۶ء میں  
کابل کا بادشاہ ہوا۔ اوس کے دل میں انگریزوں کی بہت وقعت  
تھی اور اوس سے صرف دوسری جنگ پنجاب میں البتہ خلاف  
وفا داری یہ فعل سرزد ہوا کہ اوس نے سکھوں کو مدد دی۔

بیچارہ شاہ شجاع کدھیانہ میں مقیم رہا اور یہیں سے کابل  
کے تخت کے لئے برابر سازشیں کرتا تھا۔ اوس کی تدبیریں  
ایک عرصہ تک بیکار رہیں۔ یہاں تک کہ ۱۸۳۲ء میں مہاراجہ رنجیت  
کے اور اوس کے درمیان کچھ عہد و پیمان ہوا۔ شاہ شجاع نے  
گورنمنٹ ہند سے فوجی اور مالی مدد کی استدعا کی۔ گورنمنٹ ہند  
نے یہ جواب دیا کہ فوجی مدد دینا اصول نیوٹرلیٹی کے خلاف ہوگا  
جو گورنمنٹ ہند نے اختیار کیا ہے مگر گورنمنٹ ہند نے خلاف  
دانشمندی اوسے مالی مدد دیدی وہ بھی اسطرح کہ چار مہینے کا  
وظیفہ اوسے پیشگی دیدیا۔ اگرچہ سولہ ہزار روپیہ ایک تخت و تاج

حاصل کرنے کے لئے بہت ہی قلیل رقم تھی مگر شاہ شجاع ماہ فروری ۱۸۳۳ء میں کابل پر چڑھ دوڑا پہلے سندھ کے امیر ون سے سب سے پہلے ہوئی جس میں وہ کامیاب رہا۔ بعد ازاں اسے قندھار پر چڑھائی کی اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ قریب تھا کہ قندھار فتح ہو جائے مگر دوست محمد نے تعجیل تمام کابل سے آیا اور قندھار کو بچا لیا پھر اس نے قندھار میں فوج کے ساتھ ملکر شاہ شجاع کو ایسی شکست فاحش دی کہ وہ ٹوٹ کر ہو کر بہاگا اور اپنا توپخانہ اور سارا سامان کمپ دہین چھوڑ گیا۔ جنوبی افغان نشان میں دوست محمد کی غیبت میں رنجیت سنگھ کی فوج دریائے انکے کے پار اترتی اور پشاور پر قبضہ کر لیا افغانوں کو نکال کر درہ خیبر کی طرف بہکا دیا۔ دوست محمد نے بعد کو ہر چند کوشش کی کہ سکون کو پشاور سے نکال دے مگر نہ نکال سکا اور جب اسے یہ گمان ہوا کہ اس معاملہ میں رنجیت سنگھ کے ساتھ انگریزوں کی بھی سازش ہے تب اس نے بمقامائے مصلحت یہ مناسب سمجھا کہ ایران سے

استاد کرے۔ اب رہا شاہ شجاع وہ پھر رینگ کر اپنی پناہ گاہ (لہستان) میں آگیا۔

ماہ مارچ ۱۸۲۶ء میں لارڈ اکلینڈ بجائے لارڈ ولیم بیٹنگ گورنر جنرل ہند مقرر ہوئے۔ انہوں نے دوست محمد کے تہنیت نامہ کے جواب میں یہ لکھا کہ برٹش گورنمنٹ کی یہ عادت نہیں کہ دوسری خود مختار ریاستوں کے معاملہ میں دخل دے، مگر لارڈ اکلینڈ نے خود بہت جلد اس اصول کو توڑ دیا۔ وہ انگلستان سے بہت ہی بھرے ہوئے آئے تھے کیونکہ ایران اور روس کی سازشیں جن کی خبر ہمارے سفیر نے گورنمنٹ انگلستان کو برابر پہنچائی تھی ان سے بخوبی یہ واقف تھے مگر انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ نہ کیا کہ کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ بقول ڈیورنڈ انہوں نے ایک ایسے خطرے سے مخالف ہو کر جو محض خیالی تھا اور جس کا ڈر بہ نسبت ان کے دوسرے لوگوں کو زیادہ تھا تجارتی مشن کے پردہ میں ایک شخص سمس کپتان

برنس کو افغانستان روانہ کیا جو فی الحقیقت ایک مدبرانہ چال تھی  
 مگر غلطی یہ ہوئی کہ کپتان برنس کو کوئی قطعی اختیار نہ دیا۔ "ماہ ستمبر ۱۸۳۷ء  
 میں کپتان برنس کابل پہنچے یہ وہ زمانہ ہے کہ جبکہ دو مہینے قبل  
 ایرانی فوج نے ہرات کا محاصرہ شروع کیا تھا۔ کپتان برنس دوست محمد  
 کے بڑے حامی تھے۔ وہ ۱۸۳۷ء میں اونکے مہمان رہ چکے تھے  
 انہوں نے جس امر کی تائید کی تھی وہ یہ تھا کہ برٹش گورنمنٹ کا فائدہ  
 اس میں ہے کہ شاہ شجاع کی حمایت کرنے کے بدلے دوست محمد  
 خان کیساتھ اتحاد بڑھائے اونکو مدد دے تاکہ اون کی سلطنت  
 اور مستحکم ہو۔

کپتان برنس نے یہ خیال کیا کہ اچھے وقت کا بل آئے اسلئے  
 کہ شاہ ایران کا ایلچی مع تحائف قندھار پہنچ چکا تھا اور شاہ کی طرف  
 سے مدد کا پیغام لایا تھا۔ دوست محمد نے کپتان برنس سے کوئی  
 بات چھپائی نہ تھی بلکہ اوس سے صاف صاف کہہ دیا کہ جب

انگریزوں کی طرف سے مجھے مایوسی ہوئی تو میں نے ایران اور روس سے اتحاد بڑھایا۔ اسلئے کہ سکون کی دست اندازی کے مقابلہ میں مجھے سخت ضرورت تھی۔ لیکن میں اب بھی یہ تعلقات قطع کرنے کے لئے آمادہ ہوں اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ گورنمنٹ ہند میری مدد کرے گی۔ کپتان برنس نے اپنی گورنمنٹ کو ان مخلصانہ تجاویز سے آگاہ کیا اور خود بھی اوس کی بہت تائید کی بلکہ جوش میں آکر اوس نے اس بات کی کوشش شروع کی کہ والیان قندھار کو ایران کے ساتھ اتحاد بڑھانے سے باز رکھے اور اون سے یہ وعدہ کیا کہ اگر ایران کچھ تعرض کرے گا۔ تو گورنمنٹ ہند اوس کے مقابلہ کے لئے روپیہ سے اون کی مدد کرے گی۔ کپتان برنس کا یہ فعل گورنمنٹ ہند کو ناگوار ہوا اور اوس کی معقول تنبیہ کی گئی اور اوس سے یہ حکم ہوا کہ والیان قندھار سے اپنا قول واپس لے۔ کپتان برنس بیچارہ ایک تو یونہی دقتوں میں پھنسا تھا۔

اوس پر طرہ یہ ہوا کہ ایک روسی افسر کابل میں وارد ہوا جس کا بیان  
 یہ تھا کہ زار روس کا ایلچی ہے اوس کا اعتماد نامہ مشتبہ خیال کیا گیا۔  
 مگر کاؤنٹ نسلر وڈ نے اوس کی تصدیق کر دی دوست محمد نے  
 اس ایلچی کا کچھ خیال نہ کیا اور کپتان برنس کو برابر یقین دلاتا رہا کہ اوس  
 بجز انگریزوں کے کسی کی پروا نہیں چنانچہ کپتان برنس نے اپنی  
 گورنمنٹ کو اسکا پورا یقین دلایا مگر لارڈ اکلینڈ نے والی کابل کو جو  
 جواب لکھا وہ کچھ ایسے متحکمانہ اور سخت الفاظ میں تھا جس سے  
 کاتب کا یہ مشاطا ہر ہو کہ مکتوب الیہ کی توہین مقصود ہے چنانچہ  
 اوس خط کا نتیجہ یہ ہوا کہ کپتان برنس کو معاملہ کی یکسو ہونے کی کوئی  
 امید باقی نہ رہی۔ تاہم ایک آخری حجت دوست محمد نے خیم  
 کی کہ اپنے خلاف شان گورنر جنرل کو التجا کر کے لکھا کہ افغانوں  
 کی شکایات رفع کیجئے اور اوتھیں کچھ ترغیب و اختیار دلائے مگر  
 ان ملازم الفاظ کا کچھ اثر نہ ہوا۔ روسی سفیر جو دوست محمد کے ساتھ

ہر قسم کے وعدہ کرتا تھا۔ اب وہ رسوخ پا گیا اور اوس کی بہت  
 خاطر و مدارات ہوئی۔ واپسی کے وقت اوس نے والیان قندھار  
 سے ایک عہد نامہ لکھوایا جسکی سفیر روس نے ایران میں تصدیق  
 کرائی۔ جب کپتان برنس کابل میں بے اعتبار ٹھہرا تب وہ ماہ اگست  
 ۱۸۳۸ء میں وہاں سے واپس چلا آیا۔

کپتان برنس کی ناکامیابی کا سبب یہ تھا کہ اوسکے کابل روانہ  
 ہوتے ہی لارڈ اکلینڈ نے اپنی حکمت عملی بدل دی۔ لارڈ اکلینڈ جب  
 داروہندوستان ہوئے تین تب تو ایک صلح جو آدمی تھے چنانچہ  
 اون کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے جو انہوں نے ماہ اپریل ۱۸۳۷ء  
 میں لکھی تھی جسکا منشا یہ تھا کہ افغانستان کے معاملات میں وہ دخل  
 ندین گے اور گورنمنٹ نے یہ قطعی ارادہ کر لیا ہے کہ شجاع الملک  
 شاہ معزول افغانستان جب تک گورنمنٹ ہند کی حمایت میں رہے  
 اوس کی خاطر سے والیان کابل و قندھار کے مقابلہ میں کوئی مخالفت

کارروائی نہ کی جائے گی مگر تعجب ہے کہ باوجود اس تحریر کے ماہ  
 جون میں انہوں نے شاہ شجاع کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ  
 کیا اور انگریزی فوج اس کے ہمراہ کر کے اوسے کابل پہنچا اس تناقض کی  
 کوئی وجہ نہیں بیان کی گئی۔ کہان دریا سے تلج چان ہمارے سرحد  
 تھی اور کجاہرات جو وسط ایشیا کی سرحد پر واقع تھا۔ بارہ سو میل  
 کا فاصلہ طے کرنا اور وہ بھی ایسی سرزمین پر جو دنیا میں دشوار گزار  
 مانی گئی ہو کوئی آسان بات نہ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ گورنمنٹ  
 ہند کا یہ فعل باین نظر کسی قدر واجب تھا کہ فوج ایران باغات روس  
 ہرات کا محاصرہ کر رہی تھی اور ایرانی و روسی ایچی افغانستان  
 میں مشغول بکار تھے مگر یہ دونوں معاملے محض خیالی خطرے  
 تھے جبکہ ثبوت آج یہ موجود ہے کہ افغانستان کی سرحد ہرات  
 کے آگے قائم ہے اور کابل کی مسند پر دوست محمد خان کا پوتا  
 جلوہ افروز ہے۔ لیکن نہ تو انگلستان نے اور نہ ہندوستان



نے کرک کی دہلی دینے میں پس و پیش کیا جس سے ہرات کا محاصرہ رک گیا پس جو حکمت علی گورنمنٹ ہند کو افغانستان کے متعلق اختیار کرنا چاہئے تھی وہ یہی تھی کہ سازشوں کے نتیجہ کو بغور دیکھتے رہتے اگر کوئی نتیجہ ظاہر نہ ہوتا تو لاعلم رہتے یا اگر کوئی نادرک معاملہ پیش آتا تو ادھنہین چالوں کا تدارک کر دیتے۔

رجحیت سنگھ کے ساتھ ہمارے تعلقات مضبوط تھے اب رہا پشاور کے متعلق دوست محمد اور رجحیت سنگھ کا جھگڑا اوس کا فیصلہ بھی بہت آسان تھا۔

پہلی جنگ افغان کا غذاب کس کی گردن پر ہے۔ متوفی

لارڈ براؤن نے جب سر جان باب ہاؤس ۱۸۳۵ء سے ۱۸۴۱ء تک بورڈ آف کنٹرول کے میرمجلس تھے ۱۸۵۱ء میں ہاؤس آف کامنز کی کمیٹی کے روبرو یہ بیان کیا کہ جنگ افغان بغیر اطلاع بورڈ آف ڈائریکٹرز بالکل میری وجہ سے ہوئی جس کے

معنی یہ ہوئے کہ برٹش گورنمنٹ اس جنگ کی ذمہ داری اٹھہری اسلئے  
 کہ جو رکن سلطنت ہندوستان کے معاملات کا ذمہ دار تھا۔ وہ  
 اس جنگ کا باعث ہوا۔ گویا اسٹ انڈین کمپنی کے ڈائرکٹرز سے  
 اس بارہ میں کچھ رائے نہیں لی گئی۔ اور اس بیان کی توضیح  
 سر راب ہاؤس نے ۱۸۴۲ء میں ہاؤس آف سرکامنز میں اپنی  
 تقریر میں اس طرح کی کہ جو مراسلہ اس معاملہ کے متعلق ہندوستان  
 پہنچا گیا تھا وہ اور لارڈ ڈاکلینڈ کا مراسلہ جس میں انہوں نے یہ  
 اطلاع دی تھی کہ کابل پر فوج کشی ہو چکی دو نون مراسلے اثنائے  
 راہ میں لڑ گئے۔

۱۸۳۸ء میں جو معاہدہ گورنمنٹ ہند اور رنجیت سنگھ اور شاہ شجاع  
 کے درمیان ہوا تھا اس کا مضمون یہ تھا کہ شاہ شجاع ایک ہندوستانی  
 فوج اور گورنمنٹ ہند کے روپیہ سے برصا سندھی و اعانت ہمارا  
 پنجاب اپنا تخت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

بعد ازاں یہ سفارش کی گئی جو منظور بھی ہوئی کہ شاہ شجاع  
 کو انگریزی فوج سے مدد لینے کی ضرورت ہے اور اس کام کیلئے  
 صرف دو انگریزی جیمینٹ کافی ہونگے۔ لیکن مسٹر ہنری فن نے جو  
 اس وقت کمانڈر ان چیف تھے اس بارہ میں مخالفت کی اور یہ بیان  
 کیا کہ ایسے دور دراز خوفناک مہم پر تھوڑے سے انگریزی سپاہی  
 پہنچنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ آخر کار گورنر جنرل نے جو سہ ماہی  
 غلطی پر تھے اور اپنے مشیروں کی رائے پر عمل کر رہے تھے  
 یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ ایک انگریزی فوج جمع کر کے بہ ماتحتی تخت  
 شاہ شجاع افغانستان کے نامعلوم اور دور دراز کو ہستانوں  
 میں روانہ کریں۔ جب یہ قصد مصمم ہو لیا تو حسب قاعدہ گورنر جنرل  
 نے اس کو واجبی قرار دینے کیلئے ایک اظہار نامہ مرتب کیا۔  
 اس اظہار نامہ کی نسبت میں کچھ اور نہ کہوں گا۔ صرف ڈیپوراڈ کی  
 رائے کا حوالہ دیتا ہوں جو کہتے ہیں کہ لفظ انصاف اور ضرورت

اوس اظہار نامہ میں ایسے موقع پر استعمال ہوئے ہیں جس کی مثال انگریزی زبان میں نہیں ملتی۔ اور سٹر ہنری اڈورڈس نے بھی غضب کا اعتراض کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ دوست محمد کا برتاؤ اور اوس کے خیالات ایسی بیہرحی کے ساتھ غلط بیان کئے گئے کہ روسی حیلہ باز بھی جس سے شرمناک جاتے۔ جو جو لوگ تجربہ کار تھے سب نے ایک زبان ہو کر اس مہم کی مخالفت کی۔ سٹر الفنسٹن نے جو تیس سال پہلے بسر کردگی مشن کابل ہو آئے تھے یہ کہا کہ اگر فوج گھاٹیوں کی راہ کابل پہنچی جائے اور ہم اوس کی سربراہی کر سکیں تو البتہ ہم کابل فتح کر کے شاہ شجاع کو تخت پر بٹھا سکتے ہیں۔ مگر ایسے دور و دراز مفلس برستانی ملک میں جہان کی رعایا ایسی فتنہ انگیز ہو یہ غیر ممکن ہے کہ وہ تخت پر قابض رہ سکے۔

لارڈ ولیم بیٹنگ جو لارڈ اکلینڈ کے پہلے گورنر جنرل ہند رہ چکے

تھے انہوں نے اس مہم کو ایک اہلہانہ فعل سمجھ کر ترک کیا۔  
 مارکوس ولزلی یہ کہتے تھے کہ ایسے دور و دراز کو ہستانی  
 ملک میں جہان برت اور ریگستان ہو فوج پہنچنا جنون ہے۔  
 ڈیوک آف ولنگٹن نے یہ عاتلانہ پیشین گوئی کی تھی کہ اگر ہم  
 ایک دفع دریائے سندھ کو عبور کر کے افغانستان میں وہاں کی  
 حکومت کا انتظام کرنے گئے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ ہمیشہ کے لئے  
 فوج بھیجنے کا سلسلہ قائم ہوا۔

(صفحہ ۴۸ اظہار نامہ از شملہ)

شاہ شجاع کا ملک جانے میں ہمارا کوئی تعلق نہ تھا۔ البتہ ہم نے  
 دوست محمد کو تخت سے اتارا جس نے کبھی ہکوستا یا نہتا۔ محض ہماری  
 پالیسی کی تائید میں وہ بیچارہ مظلوم ہوا۔ برٹس اور گلٹاٹن نے  
 اپنے کئے کی سزا پائی جو ایک بد نصیب خاندان کے رکن کی حمایت  
 کے لئے کابل گئے۔

مین افغانستان کی تفصیلی تاریخ یا برطانیہ اعظم کے ساتھ  
 جو لڑائیاں ہوئی ہیں اون کا مفصل حال اس کتاب مین نہیں  
 لکھ سکتا۔ اوس کے لئے ایک علیحدہ کتاب چاہیئے علاوہ اس  
 مستند انگریزی مورخین اس باب مین قلم فرمائی کر چکے ہیں مگر یہ  
 باسعین ضرور کہو ننگا کہ دوست محمد خان کو بلا وجہ اور بغیر  
 قصور و اسرارے دگر بنٹ ہند نے تخت سے اتارا اور ماہ  
 نومبر ۱۸۴۲ء مین انہیں قید کر کے ہندوستان بھیجا اور برس  
 اور گناٹن اور دوسرے لوگ جو معاملہ سے بخوبی واقف  
 تھے کسی کی ایک نہ سنی۔ اس لیے الضافی کا نتیجہ یہ ہوا کہ کابل  
 مین انگریزوں کا قتل عام ہوا۔ شاہ شجاع مارا گیا اور اسی  
 دست محمد خان افغانوں کو واپس لے۔ وہ ۱۸۴۳ء مین پھر کابل  
 کے تخت پر بیٹھے اور ۹ جون ۱۸۶۳ء تک حکومت کی اسخون  
 نے اپنی طبعی موت سے بمقام ہرات وفات پائی جہاں اونکی

قریب تک موجود رہے۔ اونگھے انتقال کے وقت اون کے بڑے  
 بیٹے یعنی میرے والد مرحوم امیر افضل خان کی غیبت میں شیر علی  
 خان امیر بن بیٹھا۔ اسکا جو کچھ انجام ہوا وہ میری کتاب کے  
 گزشتہ بابوں میں بیان ہو چکا ہے صرف اس قدر کہنا باقی ہے  
 کہ اوس کے زمانہ میں گورنمنٹ ہند نے سخت غلطی کی اور اوس گورنمنٹ روس  
 کی ساتھ اسلٹ کی جاہل دی بعد ازاں اوس پر اولٹا الزام رکھا۔ شیر علی خان بھی الزام  
 سے بری نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اوس نے سر دربار ملکہ  
 معظہ کی نسبت گستاخانہ الفاظ کہے اور انگریزوں کے خلاف  
 گورنمنٹ روس سے سازش کی حالانکہ اپنے تئیں برطانیہ اعظم  
 کا سچا دوست کہتا رہا۔ گورنمنٹ ہند اور شیر علی دونوں کی غلطیوں  
 سے دوسری جنگ افغان ہوئی جس میں شیر علی خان کی فوج پسا  
 ہوئی اور وہ خود اس غرض سے روس بہاگ گیا کہ وہاں سے اپنے لئے  
 روسی کمک لے آئے۔ اُس زمانہ میں افغانستان اور گورنمنٹ روس







کے درمیان بڑا فاصلہ تھا اور یہ ممکن نہ تھا کہ گورنمنٹ روس  
 سرحد افغانستان پر اپنی فوج لاسکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امیر  
 شیر علی خان اثنائے راہ مین گھٹیا کے مرض سے ناچار  
 ہو کر دل شکستہ راہی عدم ہوا۔ تب گورنمنٹ ہند نے ایک اور  
 تیسری غلطی کی جسکی وجہ سے سرلوی کناری تمام ہہراہیون سمیت  
 مارے گئے۔ باوجودیکہ امیر شیر علی خان کے ماہون  
 گورنمنٹ ہند کو ایسا ہنر چھو پچا تھا۔ مگر اس پر بھی گورنمنٹ ہند  
 نے اس کے بیٹھے یعقوب کے ساتھ معاہدہ تحریری کیا۔ اور  
 سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ یعقوب پر بھروسہ کر کے سرلوی  
 کناری کو چند انگریزوں کے ساتھ کابل پہنچایا اور ان کی حفاظت  
 کے لئے کوئی معقول باڈی گارڈ بھی ساتھ نہ کیا۔ حالانکہ گورنمنٹ  
 ہند خوب واقف تھی کہ مگنائن اور برنس کا کیا انجام ہوا اور  
 اسکو اس بات کا بھی علم نہ تھا کہ آیا یعقوب اتنا مضبوط ہے

کہ انگریزوں کی حفاظت کر سکے گا۔ یا اوس نے کتنا سی اور  
 اوس کے بھرا ہون کے لئے دکھار ملک کے اجازت حاصل  
 کر لی ہے کہ وہ ملک میں داخل ہوں۔ اس کارروائی کا نتیجہ  
 یہ ہوا کہ یعقوب قید ہوا سارے ملک میں غدر ہو گیا جسکی وجہ  
 سے دوسری جنگ افغان کی نوبت آئی جس میں بہت خونریزی  
 ہوئی اور روپیہ کا خباہہ اٹھانا پڑا۔ اسی زمانہ میں مین روس  
 سے آکر کابل میں تخت نشین ہوا اور مین نے انگریزی فوج  
 بحفاظت تمام افغانستان کے باہر پہنچا دی۔

اس طرح افغانستان و گورنمنٹ ہند کا نقشہ کہیں چکر اس میں  
 اس معاملہ میں بحث کرونگا اور میرے ملک کو جہاں تک گورنمنٹ  
 ہند اور روس سے تعلق ہے اوس کی نسبت آئندہ حکمت  
 علی کی بابت اپنی رائے دوں گا۔ قبل اسکے کہ میں کچھ کہوں مابقی  
 میں ناظرین کو اوس نقشہ کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو اس کتاب

میں شامل ہے اور اون تاریخی واقعات کو یاد دلانا چاہتا ہوں جو  
 زمانہ گذشتہ میں انگلستان اور افغانستان کے تعلقات کے  
 متعلق گذرے ہیں۔ اون سے صاف معلوم ہو گا کہ میرے دادا  
 دوست محمد خان کے زمانہ میں جب سلطنت کمزور تھی انگریزوں  
 نے بعض شہر سرحد افغانستان سے جدا کر کے اپنے اختیار میں  
 کر لئے بعد ازاں امیر شیر علی خان اور یعقوب کے زمانہ میں  
 انہوں نے افغانستان سے کرم خیمبر پاس - کچھ حصہ پیشین کا  
 اور چند دوسرے مقامات لے لئے میرے زمانہ میں باوجود اس  
 روک ٹوک کے لارڈ لیس ڈاؤن کی گورنمنٹ نے میرے  
 ہمدرداروں کو بلند خیل وزیرستان اور دوسرے مقامات  
 سے یہ دہکی دیکر نکال دیا کہ اگر نہ جاؤ گے تو انگریزی سنگینوں  
 کا رخ میری طرف پھیرا جائیگا اسکے علاوہ میرے ملک میں بغیر  
 میری اجازت یا میری رعایا کے اجازت کے نیوچمن ریلوے

اسٹیشن بنایا گیا۔ گو سسرمارٹر ڈیور انڈ کی مشن نے بھیجے اس کا  
 کچھ معاوضہ دیکر معاملات کو سلجھا دیا اور مین بالکل مطمئن اور خوش  
 ہون کہ مجھے گورنمنٹ ہند کی دوستی سے بجائے نقصان کے  
 بہت کچھ فائدہ ہوا ہے۔ مین نے یہ واقعات محض اس لئے  
 بیان کئے کہ ناظرین کتاب کو معلوم ہو جائے کہ گو گورنمنٹ  
 ہند کا یہ قول ہے کہ افغانستان کا کوئی حصہ لینا نہیں چاہتی۔ مگر  
 جب موقع آتا ہے تو چوکے نہیں اور ہمارے دوست گورنمنٹ  
 ہند نے بہ نسبت روس کے افغانستان کا زیادہ حصہ دیا لیا  
 یہ تاریخی واقعات جو اوپر بیان ہوئے بعض انگریز سرخین  
 اور مدبرین کی قصاصت سے لئے گئے ہیں۔ اب میں اپنی قوم  
 اور اپنے جانشینوں کے لئے نصیحت کے پیرائے میں اپنی  
 رائے ظاہر کرتا ہوں۔ میرا مقصود اس سے کسی قسم کا مکاریہ یا سبائش  
 نہیں ہے تاکہ یہ ثابت ہو کہ میرا بیان اور غیر ملک والے مصنفین

کے مقابلہ میں زیادہ عاقلانہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو کچھ میرے  
دل میں ہے اسکو عام طور پر اظہار کرنا غلاتِ مصلحت اور دانشمندی  
سے بعید ہے میں صرف کنایتہ کچھ کہوں گا میرے جانشینوں  
کو چاہیئے اس سے نتیجہ نکال لیں۔ العاقل تکفیه۔ الاشارہ۔

غیر ملکوں میں یہ دستور ہے کہ جب پارلیمنٹ یا کونسل وغیرہ  
کا افتتاح ہوتا ہے تو حسب دستور بادشاہ کی طرف سے ایک ایجنٹ  
دیجاتی ہے جس میں یہ بیان ہوتا ہے کہ ہماری گورنمنٹ کے  
تعلقات اور گورنمنٹوں کے ساتھ نہایت مخلصانہ اور دوستانہ  
ہیں۔ اگرچہ دل میں خوب جانتے ہیں کہ بعض گورنمنٹوں کے  
ساتھ قطعی عداوت اور نفرت ہے۔ اس کا نام ڈپلومسی یا حکمت  
عملی رکھا ہے۔

میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں یہ طریقہ اختیار کروں اور اس طرح  
کے دو جہین جملہ منہ سے نکالوں تو میرے مخاطب سمجھ سکیں گے۔

بلکہ دہو کہ مین آجائیں گے مجھے چاہیئے کہ جو کچھ کہوں بالکل سنا  
اور بے لگاؤ ہو اوس خدا کا ہزار ہا شکر ہے جس پر سب کے  
دلوں کے راز ہویدا ہیں اور جو دشمنوں کے دل کو نرم کر کے دوست  
بنا سکتا ہے بقول شاعر۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

الحمد للہ کہ میری گورنمنٹ کے تعلقات انگلستان۔ روس۔  
ایران۔ اور چین کے ساتھ مخلصانہ اور اطمینان بخش ہیں فی الحال  
یہ خصوصیت کی کوئی وجہ ہے اور جنگ کا اندیشہ ہے۔ ہمارے  
ان دوستوں میں کسی کے پاس کوئی دستاویز یا تحریری ثبوت  
نہیں جس کے ذریعہ سے وہ گورنمنٹ افغانستان پر بد عہدی  
کا الزام رکھ سکے البتہ جو افواہیں وقتاً فوقتاً اڑا کر تی ہیں۔ مین  
اوپکا ذمہ دار نہیں ہوں اور نہ کوئی غیر سلطنت افغانستان پر یہ  
الزام لگا سکتی ہے کہ اوس نے خود کوئی چہرہ چھاڑا کی۔ گو مجھے

یقین نہیں کہ کوئی گورنمنٹ میری گورنمنٹ سے مخالف ہے  
 میں نے ابتداً سخت نشینی سے آج تک نہ کبھی کوئی خوف ظاہر کیا  
 اور نہ بزدلا پن۔ میں نے اپنی جوار کی سلطنتوں میں سے کسی  
 خوشامد کر کے اپنی قوم کو یا اپنے تئیں کبھی ذلیل نہیں کیا۔  
 میں نے کسی سلطنت کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے اسکی  
 ساتھ بیجا رعایت نہیں کی میں نے کسی سلطنت کے ساتھ ایسے  
 وعدے نہیں کئے جکا ایفا کرنا میرے اختیار سے باہر ہو جیسا کہ  
 اگلے امیرون نے کیا۔ میں نے اپنے پاک نبی کے حکم کی پوری  
 پابندی کی خیر الامور اوسطہا۔ اگر کوئی گورنمنٹ یا عہدہ دار ان  
 گورنمنٹ میرے ساتھ اخلاق سے پیش آئے تو میں نے بھی  
 ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا۔ اگر میرے ساتھ بے ہنڈی  
 کی گئی تو میں نے بھی اوس کا ویسا ہی جواب دیا۔ اور اوسکے  
 ساتھ ہی یہ خیال رکھا کہ میرا سلوک حد سے تجاوز نہ ہو۔ میں مان



باتون کو حقارت کی نظر سے دیکھتا رہا

کندتحمل بسیار مرد را بقتدر

کمان چو تن بہ کشیدن و بہ کبادہ شود

میں کسی خاص سلطنت کا نام نہیں لینا چاہتا مگر اشارتاً میں اپنے  
لوگوں کو آگاہ کرتا ہوں تاکہ وہ مختلف سلطنتوں کے اوصاف  
میں امتیاز کر سکیں۔ بعض سلطنتوں کی مثال جو تک کی سی ہے جو  
برابر خون پیسے چلی جاتی ہے یہاں تک کہ انسان ہلاک ہو جاتا  
ہے مگر اسے کوئی درد یا تکلیف نہیں محسوس ہوتی اور بعض مثل  
بھڑکے ہین کے جکے کاٹنے سے تکلیف تو بہت ہوتی ہے مگر  
جان جانے کا خطرہ نہیں۔ بعض سلطنتیں آڑکے نئے ملک فتح  
کرتی ہیں اور بعض دغا بازی و سازشی اور فتنہ سازی کے ذریعہ  
سے ملک کے سرداروں میں نفاق ڈال کر آپ الگ رہتی ہیں  
اور ان بیوقوفوں کے باہمی جھگڑوں سے فائدہ اٹھاتی ہیں

ایسی سلطنتوں کے ساتھ معاملات رکھنا بہت دشوار ہے اور اسے  
 بمقابلہ اور سلطنتوں کے بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت  
 ہے جو کھلم کھلا حملہ کر کے ملک فتح کرنا چاہیں یہ ایک نہایت  
 پیچیدہ اور نازک معاملہ ہے میں اپنے لوگوں کو یہ مشورہ دوں گا کہ وہ  
 اپنے نئے کل معاملات میں بہت ہوشیار اور متنبہ رہیں۔ میرے  
 لوگ کبھی آپس میں نا اتفاقی نہ کریں ورنہ وہ اپنے ہمسایوں کی  
 حیلہ سازی کا شکار ہو جائیں گے اور ان کے ہمسایوں کو ان کے  
 باہمی جھگڑوں سے دست اندازی کا موقع ملے گا۔ اب اور آگے  
 بڑھنے سے پہلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ مجھے اچھی طرح  
 واقف نہیں وہ مجھے ظالم۔ روپیہ کا لالچی اور مزاج کا شکنجہ کہتے ہیں  
 اور میں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ان الزامات کا جواب جو  
 مجھ پر لگائے جاتے ہیں بہت سے اہل قلم جو مجھے اچھی طرح  
 جانتے تھے لکھ چکے ہیں۔ مثلاً سروسٹ رجوسے سر پل گریفن

وغیرہ جو بڑے واقف کار عہدہ دار گئے جاتے ہیں انہوں نے  
 اس بارہ میں یہ کہا ہے اور صحیح کہا ہے کہ گو امیر سختی سے حکومت  
 کرتے ہیں مگر ان کا یہ فعل جائز ہے اس لئے کہ ان کا یہ حکومت  
 بھی ایسے لوگوں پر کرنا ہوتی ہے جو بڑے سرکش ہیں سرافراز لائل نے  
 ان اشعار میں میری حالت کی تصویر کھینچی ہے۔

راہ دکھلائی ہے مالک کی مشیت اور کچھ

بندہ عاجز ہے سر تسلیم ہے ہر وقت خم  
 کافروں سے کیا اعانت لیکے میں ذمی بنوں  
 کیا سمجھ کے منہ میں اذہر کے بھلا رکھوں قدم

اوس سے بڑھ کر مستحق تائید غیبی کا نہیں  
 سابقہ جبکو پڑے کابل کے حل و عقد سے  
 جو مصیبت اوس پر ہے کب ہے وہ عالم کہیں  
 حکمران جو قوم افغان پر ہو دم بہر کے لئے

دیکھتا ہوں میں جہان تک کام کرتی ہو نظر  
قلعہ کا پل سے لیکر دامن کہسار تک

چو بیٹوں پر جن پہاڑوں کے ہیں تو پین شعلہ زرا  
برفت کی جن کو ہساروں سے نمایاں ہو چمک

جس قدر وادی ہیں سب شاداب ہیں سیراب ہیں  
چہپ گئے ہیں وار بستہ تک سے میدانِ برب  
لوگ اپنے دل میں کہتے ہو گئے جنت ہی یہ ملک  
سچ اگر پوچھو تو دوزخ کا سا مجھ پر ہے لقب



اگر میں اس اصول کو بدل کر کوئی نرمی کی راہ اختیار کروں تو یہ  
معترض کیا کہیں گے۔ اس کا نتیجہ وہی ہو گا جو اب خلیفہ پارس میں ہو  
رہا ہے جہاں اب تک مسافر بغیر ایک قوی باڈی گارڈ ہمراہ لئے  
سفر نہیں کر سکتے حالانکہ وہ مقام ساٹھ برس سے انگریزوں کے

قبضہ میں۔۔۔ ہے۔ اب تک مسافروں اور کاروانوں کو لٹنے اور  
 مارے جانے کا خطرہ درپیش رہتا ہے۔ مگر میری تمام قلمرو میں  
 کہیں کاروانوں کو سفر کرنے کے لئے گارڈ کی ضرورت نہیں  
 ہوتی۔ مرد و عورت۔ یہاں تک کہ انگریزوں کی شب و روز آمد  
 رہتی ہے مگر کہیں خطرہ کا نام نہیں حالانکہ کوئی باؤسی گارڈ اونکے  
 ساتھ نہیں رہتا جب میں اپنے ملک کی آمدنی کو تحصیل کرتا ہوں  
 تو مجھ پر طبع کا الزام لگایا جاتا ہے اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر میں  
 عہدہ داروں اور دوسرے چور و نکو ملک کی مالگذاری چکے جانے  
 و ذون تو میرے معترض دوست میری فوج کی تنخواہ اور ملک کے  
 اخراجات کے لئے کچھ روپیہ دے سکیں گے۔ میں کس طرح مزاج  
 کا شکی ہوں اس لئے کہ جب میں افغانستان کے گذشتہ تاریخی  
 واقعات یاد کرتا ہوں تو مجھے خواہ مخواہ بدگمانی ہوتی ہے مثلاً  
 میں دیکھتا ہوں کہ گذشتہ زمانہ میں بیان کے اکثر بادشاہ قتل ہوئے

یابے انصافی کے ساتھ تخت سے اوتارے گئے اور دغا بازی  
 کے ساتھ قید کے گئے اور یہ سب کچھ انہیں اندرونی اور بیرونی  
 دوستوں کے ہاتھوں ظہور میں آیا۔ سعدی شیرازی کا حسیل  
 قطعہ اپنے حسب حال ہے۔

گلے خوشبوئے درخام روزے	برسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکى یا عبیری	کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گئے ناچیز بودم	ولیکن دستے با گل نشستم
جمال ہنشین در من اثر کرد	وگر نہ من ہمان خاکم کہ ہستم
اس قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میرے ہمایون کے سلوک	

کی وجہ سے مجھ پر اور ان لوگوں پر جو اس جوہن اُلٹا اثر پڑا ظاہر  
 ہے کہ جو شخص ایسے خود غرض لوگوں سے گھرا ہوا ہو جو اس بات  
 کے منتظر ہوں کہ موقع پاتے ہی افغانستان کا کوئی ٹکڑا لے  
 بہا گین تو کس طرح ممکن ہے کہ وہ بدگمان نہ ہوا و تکی حالت بالکل چورون

کی سی ہے جو کسی دربان کو تاک رہے ہوں۔ ادھر ادسکی آنکھیں  
 بند ہوئیں اور وہ گھر میں گھس گئے۔ اگر اتفاق سے وہ جاگ  
 پڑا اور پوچھا کہ کیا کرتے ہو تو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ کچھ نہیں  
 دل لگی تھی۔ ہم تو تمہارے دوست ہیں۔ اگر دربان کی نظر چوک  
 گئی تو یہ دوست ایسے ہی دل لگی دل لگی میں مال بیکر چلے جاتے ہیں  
 ہمیشہ بدگمان رہنا ہمیشہ دغا بازی یا قتل کے اندیشہ سے کثیر الحذر  
 رہنا کوئی خوشگوار زندگی نہیں ہے مگر جس حالت میں میں ہوں  
 اوس کے لئے یہ سب باتیں ضروری ہیں۔ میں اکثر اپنے دوستوں  
 سے اور اہل دربار سے یہ کہا کرتا ہوں کہ ہم سبہوں کی کیسی کہجنت  
 زندگی ہے۔ جب تک تم لوگ میرے سامنے رہتے ہو میں نہیں  
 بغور دیکھتا رہتا ہوں کہ کہیں تم میں سے کوئی اپنی حافقت کی وجہ سے  
 مجھ پر حملہ تو نہیں کرتا۔ بخلاف اسکے تم لوگوں کو بھی اس قدر تشویش  
 رہتی ہے کہ تمہاری بی بیان اور بچے تمہارے گھروں میں

تمہارے انتظار میں اس بات کے متروک رہتے ہیں کہ دیکھا  
چاہیے تم میں سے کون زندہ اور سلامت گھر واپس آتا ہے  
اور کون اپنے اعمالوں کی سزائیں یا اپنے دوستوں کے ساتھ  
سازش کرنے کے صلہ میں یہاں سی پاتا ہے۔  
سعدی فرماتے ہیں۔

خوش است زیر زحمتان براہِ بادِ نیفت	شبِ جیل و لے ترکِ جانِ بایگفت
------------------------------------	-------------------------------

اب میں اس معاملہ میں زیادہ بحث کر کے وقت ضائع کرنا  
نہیں چاہتا۔ صرف اس قدر اور کہو نکما کہ گوہر گورنمنٹ میں بہلائی  
اور برائی دونوں ہوتی ہیں اور اعتراض و مکتہ چینی کے لئے  
تو بہت گنجائش ہے مگر سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ کوئی  
غلطی نہ کرے اس میں شک نہیں کہ جو گورنمنٹ ایسے اراکین  
سے مرکب ہو جو ملک کی رعایا سے منتخب ہوئے ہوں وہ بہت  
ہی عمدہ گورنمنٹ ہوگی۔ مگر جن اقوام پر غیر قومی حکمران ہوں انہیں



غلط فہمی ضرور ہوگی اس لئے کہ جب حاکم و محکوم دو مختلف قوموں سے ہوں تو اون کے خیالات بھی مختلف ہونگے۔ پس میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں اپنے لوگوں کو بہ نسبت اور ملک کے حکمرانوں سے بہتر جانتا ہوں۔

## کابل میں اور ملکوں کی سفارت اور دوسرے ملکوں میں کابل کی سفارت کا قائم ہونا

چونکہ افغانستان ایک خود مختار سلطنت ہے اور آئندہ بہت کچھ ترقی کرنیوالا ہے اس لئے ضرور ہے کہ اس کی سفارت کل غیر سلطنتوں میں قائم ہو اور غیر سلطنتوں کے سفیر کابل میں آئیں

مگر جس طرح اور چیزوں کے لئے ابھی وقت کا انتظار ہے اسی طرح  
 اس بات کے لئے بھی ابھی افغانستان کو ذرا تامل کرنا چاہیے  
 میں اپنے بیٹوں کو۔ اپنے جانشینوں کو اپنی قوم کو یہ نصیحت  
 کرتا ہوں کہ ہمیشہ اس بات کی کوشش میں رہیں تاکہ ایک دن یہ  
 مقصد پورا ہو اور میرے دل کی آرزو برآئے۔ اس بات میں جو  
 فوائد یا نقصانات ہیں۔ میں اون میں سے چند یہاں بیان کرتا  
 ہوں۔ ایک معنوں میں تو افغانستان اس وقت کئی دجہہ سے  
 دنیا میں ایک نہایت خود مختار اسلامی سلطنت ہے مثل اور  
 بعض اسلامی سلطنتوں کے وہ مجلس شورہ دول یورپ کی  
 اذیت وہ حکومت کی تابع نہیں ہے بلکہ آزاد ہے۔ اوس پر  
 دول خارجہ کے عہد و پیمان کا کوئی بار نہیں ہے۔ اوس سے نہ کوئی  
 تادان بھرتا ہے اور نہ کوئی قومی قرضہ ادا کرنا ہے۔ ہلکی وچھلے  
 وہ سامان جنگ خریدنے سے پہلے غیر ملکی تاجر کو اور نئے

اجارے دینے پر مجبور ہو۔ انگلستان نے ایماناً عہد کیا ہے کہ افغانستان کی خود مختاری کو کل حملہ آوروں کے مقابلہ سے بچائیگا مگر باوجود ان سب باتوں کے انگلستان میرے ملک کے اندرونی مصالح ملکی میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہے انگلستان کے ساتھ یہ بھی عہد ہے کہ ہر سال میرے دربار میں ایک مسلمان بغیر بھیجا کرے اور ضرور ہے کہ یہ مسلمان سفیر ہندی نژاد ہو اور اس کا تقرر بھی میری منظور میں کرنا منظور ہے۔ یہ اختیار انگلستان نے دیا میں کسی اور اسلامی سلطنت کو نہیں دیا ہے اور دنیا میں کسی سلطنت کو یہ حق نہیں کہ افغانستان کے اندرونی یا بیرونی معاملات میں دخل دے۔ البتہ برطانیہ اعظم کے ساتھ صرف یہ شرط ہے کہ افغانستان غیر سلطنتوں کے ساتھ جو کچھ مراسلت کرے اس کی اطلاع برطانیہ اعظم کو دیتا رہے۔ غرض جس حالت میں کل اسلامی سلطنتوں کی سفارت غیر

ملکوں میں قائم ہے کوئی وجہ نہیں کہ افغانستان اس سے  
مستثنیٰ کیا جائے۔

میرے لوگ بغیر سمجھے بوجھے کہیں میری نصیحت کے خلاف  
عمل نہ کر بیٹھیں۔ اس سے میری غرض یہ ہے کہ فی الحال میں ہرگز  
اس بات کو گو ارا نہ دوں گا کہ غیر ملک کے سفر امیر یہاں آئیں  
اس لئے کہ ابھی سفارت قائم ہو نیکا وقت نہیں آیا ہے تو غیر ملک  
کے سفر کو ابھی سے کابل میں بلانا سخت غلطی ہے اس لئے  
کہ جب تک ہم اس قدر قوی نہ ہوں کہ غیر سلطنتوں کے حملہ سے  
اپنے تین بچا سکین اور وقت تک غیر ملک کی سفارت اپنے  
یہاں قائم کرنا حماقت ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو ریل اور  
تار کے پہلو پہ پہلو رہیگا۔ جب کہ ملک میں مکافقہ فوجی سامان درست  
ہو جائیں گے۔ دوسرا خطرہ اس قسم کی سفارت قائم ہونے سے  
یہ ہے کہ میرے لوگ ابھی ایسے تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ جو اپنی

اچھائی اور بُرائی سمجھ سکیں۔ اون میں ابھی اتنی حسب الوطنی نہیں  
 آئی ہے۔ جو اپنے ہم قوم و ہم ملت حکمران کی قدر و قیمت سمجھ سکیں۔  
 اگر غیر ملک کی سفارت یہاں قائم ہوئی تو یہ نتیجہ ہوگا کہ وہ میری  
 رعایا کو ترغیب دیکر جوٹی افواہیں پھیلائیں گے۔ بعد ازاں میری  
 گورنمنٹ کے خلاف غیر عدالتوں میں اون سے استغاثہ دلائل  
 اور خود جج بنکر اسکا فیصلہ کرنے کو تیار ہونگے حالانکہ جن جہگڑوں کا  
 فیصلہ کیا جائیگا اوس کے بانی وہ خود ہونگے اور میرے ملک کو  
 تقسیم کرنیکی غرض سے یہ فتنہ برپا کریں گے۔ تیسرا خطرہ اس سفارت سے  
 یہ ہے کہ ملک میں سازش پھیلے گی۔ اور مختلف قبیلوں کو آپس میں  
 لڑانے کی فکر کی جائے گی تاکہ ملک منقسم ہو جائے۔ اسکے علاوہ  
 یہ اندیشہ ہے کہ ہر ایک سلطنت کچھ نہ کچھ اجارہ چاہے گی۔ اور  
 مختلف معاملات کی نگرانی کا دعویٰ کرے گی۔ الغرض اگر یہ موقع  
 دیا تو وہ ہر طرح پر ملک میں دھچل ہونگے۔ غرض یہ چیز ملک کی ترقی

مین بہت مانع اور ہاج ہوگی۔ البتہ جب رعایا اس بات کے لئے  
پوری تیار ہو جائے تب سفارت قائم ہونے میں کچھ مضائقہ  
نہیں۔

مگر آئندہ جب افغانستان اعلیٰ درجہ کی ترقی کر لے اور اپنے  
دشمنوں کے مقابلہ میں کافی فوج میدان جنگ میں لاسکے اور  
اوسکے مدبر ایسے تعلیم یافتہ اور فن سیاست میں اس قدر تجربہ کار ہولیں  
کہ غیر سفر کی سازشوں کا تدارک کر سکیں تب البتہ وہ وقت ہوگا کہ  
غیر ملک کے سفیر یہاں بلائے جائیں۔ اس سفارت سے بہت  
فوائد بھی حاصل ہونگے مثلاً اگر غیر سلطنتوں کے سفیر افغانستان  
میں مقرر ہوئے تو کسی سلطنت کی یہ مجال نہ ہوگی کہ افغانستان  
پر دست اندازی کرے یا بغیر معقول وجہ بیان کئے افغانستان  
سے لڑے۔

علاوہ برین افغانستان کے سفر اچھ غیر ممالک میں جائینگے

۱ نہین بہت تجربہ حاصل ہوگا اور یہ چیز میری قوم کے لئے عموماً بہت مفید ہوگی اس لئے کہ مختلف اقوام کے لوگوں سے میرے لوگوں کو سابقہ اور اون سے ربط ضبط بڑھے گا۔ اس سے تجارت کو بھی بہت ترقی ہوگی۔

سیاح اور اہل دول میرے ملک کی فضا اور پیداوار کی طرف مائل ہونگے۔ ملک میں جس قدر زیادہ دولت مند لوگ ہوں اوتنے ہی کم بلوہ اور فساد کا اندیشہ ہوتا ہے کیونکہ اہل دول ہمیشہ پیچھے چاہتے ہیں کہ اسن قائم رہے تاکہ اوتنے مال واسباب کی حفاظت ہو۔

اس سفارت سے ایک اور فائدہ یہ ہوگا کہ دنیا کی نظروں میں میری گورنمنٹ کی وقعت اور شہرت بڑھے گی۔ مشرقی شہنشاہ نسبت کسی اور چیز کے اپنی عزت اور توقیر کی زیادہ قدر کرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ دنیا ایک دن میں نہین خالق ہوئی۔ خدا نے

سارے عالم کو ایک ہفتہ میں خلق کیا تاکہ ہمارے لئے ایک  
مثال ہو اور ہم بھی اپنے کاموں میں استقلال اور صبر سے کام  
لیں۔ پہلے ہم نے یہ معقول انتظام کیا کہ گورنمنٹ ہند کی طرف سے  
ایک ہندوستانی مسلمان ایچی ہمارے ملک میں آئے اور اس کے  
عوض میں ہمارا سفیر گورنمنٹ ہند کے یہاں جائے لیکن اب یہ  
امر نہایت ضرور ہے کہ ہمارا سفیر کورٹ آف سینٹ جیمس میں بھی  
مقرر ہو۔ میں نے اس بارہ میں کئی کوششیں کیں چنانچہ ایک  
کوشش ۱۸۹۵ء میں کی گئی۔ جب میں نے اپنے بیٹے نصر اللہ  
خان کو اس غرض سے انگلستان بھیجا۔ اس کوشش کی ناکامی  
سے مجھے بہت زیادہ ملال ہوا۔ خیر اب اس معاملہ میں زیادہ طول  
دینا عبث ہے۔

میں اپنے بیٹوں کو اور جانشینوں کو یہ نصیحت کر رہا ہوں  
کہ وہ دولت برطانیہ کے اس انکار سے زیادہ ملول نہ ہوں اور



ایک عاشق کی یہ حکایت یاد رکھیں جو ہر روز اپنے معشوق کے  
 ہاتھ سے ایک شیریں خربوزہ پاتا تھا۔ اوسکی معشوقہ بڑے  
 تکلف سے چھوٹی چھوٹی قاشین کاٹ کر ایک خوبصورت پلیٹ  
 میں رکھتی تھی اور جب وہ آتا تھا اوس کے سامنے پیش کرتی  
 تھی۔ لیکن ایسا اتفاق ہوا کہ غلطی سے ایک تلخ خربوزہ اوس کے  
 ہاتھ لگا اوس نے خود اوسے چکھنا نہ تھا حسب معمول اوس کی قاشین  
 کاٹ کر اپنے عاشق کے سامنے پیش کیں۔ وہ اوسے کھانے  
 لگا۔ مگر کوئی کلمہ شکایت زبان پر نہ لایا۔ جب صرف ایک قاش  
 پلیٹ میں باقی رہ گئی اوسوقت حسب اتفاق اوسکا ایک دوست  
 وہاں آگیا اور اوٹھا کر کھانے لگا۔ جب اوسے کڑوی معلوم ہوئی  
 تو اپنے دوست سے کہنے لگا۔ کہ تم نے اپنی معشوقہ سے اس  
 خربوزہ کی کڑواہٹ کی شکایت کیوں نہ ظاہر کی۔ اوس نے  
 جواب دیا کہ ”بہائی مہینوں ہر روز بیٹھے خربوزے کھائے۔ آج

ایک دن کے لئے کرٹو سے خبر بوزہ کی شکایت کرنا بڑی ناشکری کی بات ہے۔ اس چیز سے او سکی مستحقہ کے دل میں اور زیادہ جگہ ہوئی بلکہ معظّمہ و کٹوریہ اور اونکے اہل خاندان اور گورنمنٹ نے میرے اور میرے اہل خاندان اور میری گورنمنٹ کے ساتھ بہت کچھ احسانات کئے ہیں۔ پس ہکو بھی چاہیے کہ ایک جواب تلخ سے ناراض نہوں۔ لندن میں افغانستان کی سفارت کا قائم نہوتا نہ صرف افغانستان کے لئے مضر ہے بلکہ انگلستان کے لئے بھی خطرناک ہے اگر زیادہ نہیں تو اوسی قدر جتنا کہ افغانستان کے لئے خطرناک ہے۔

افسوس ہے کہ انگلستان سرحد ہندوستان کی حفاظت کو ایک کھیل سمجھتا ہے حالانکہ اگر دیکھا جائے تو ہندوستان کی بدولت انگلستان ایک سلطنت عظیم الشان ہو گیا۔ ساراعالم واقف ہے کہ صرف انہین بلکہ معظّمہ کے عہد میں شہنشاہ کا

خطاب اختیار کیا گیا اور گورنمنٹ برطانیہ ایک امپریل گورنمنٹ  
 کھلائی۔ جب ہندوستان پر قبضہ ہوا تب انگلستان کا درجہ ہالینڈ  
 اور دوسری چھوٹی سلطنتوں سے بڑھا ہے اگر ہندوستان برطانیہ  
 اعظم کے ہاتھ سے نکل گیا تو یہ سمجھنا چاہیے کہ شہنشاہی  
 گئی۔ اس صورت میں برطانیہ اعظم کو چاہیے کہ ہر طرح پر ہندوستان  
 کی حفاظت کرے اور اسے غیر سلطنتوں کے حملوں سے  
 بچائے۔ باوجود ان سب باتوں کے اہل انگلستان ہندوستان  
 کے حالات سے اس قدر کم واقف ہیں اور ہندوستان کے  
 معاملات میں اس قدر کم توجہ رکھتے ہیں جس سے خواہ مخواہ یہ  
 خیال پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا یہ بیان قرین قیاس ہی  
 جو یہ کہتے ہیں کہ انگلستان کو ہندوستان کی کچھ پروا نہیں۔  
 وہ اس قابل نہیں ہے کہ انگلستان اس کے لئے اتنا دوسرے  
 گوارا کرے اور اس کا جو کچھ حشر ہونا ہو۔ ہو جائے انگلستان اس سے

اوس کی قسمت پر چھوڑ دے گا۔ مین چاہتا ہوں کہ اہل برطانیہ کو  
 ہرگز ایسا خیال نہ ہو اور خدا نہ کرے ایسا ہو کیونکہ اگر اہل برطانیہ  
 نے ہندوستان کو چھوڑ دیا تو اوسکے پاس تو اور ملک موجود  
 ہیں مگر اون ریاستوں کا کیا حشر ہوگا جنھوں نے اور سلطنتوں  
 سے قطع تعلق کر کے برطانیہ اعظم کی حمایت پر بھروسہ کیا  
 ہے۔ اگر ادھما ملک ہمایون نے چہین لیا تو اوہنیں پاؤں  
 ٹھکانے کو کہیں بٹھکانا نہ ملے گا لیکن اگر بدقسمتی سے انگلستان کا  
 یہی ارادہ ہے کہ ہندوستان کو یوہنیں چھوڑ دے اور اوسکی  
 حفاظت کے لئے نہ لڑے تو اس صورت میں بہتر ہوگا کہ بہت  
 جلد وہ اپنے دوستوں کو اس ارادہ سے آگاہ کرے تاکہ وہ اپنی  
 حفاظت کا کوئی معقول بندوبست کر لیں مین بہنیں سمجھتا کہ روس  
 کو افغانستان کے ساتھ کوئی عداوت ہے۔ وہ اسے محض ہندوستان  
 کا سدراہ سمجھتا ہے اور فی الحقیقت اگر روس نے کبھی افغانستان

پر حملہ کیا تو وہ حملہ محض ایسوجہ سے ہوگا۔ خیر میں اس مسئلہ پر دوسری جگہ بحث کروں گا۔

جو مصنائین افغانستان کے متعلق وقتاً فوقتاً اخباروں میں اور رسالوں میں شائع ہوتے ہیں یا وہ اسپیشین جو بعض ممبران پارلیمنٹ افغانستان کے متعلق دیا کرتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ میرے ملک سے محض لاعلم ہیں اور میرے ملک کو جو ہندوستان سے تعلقات ہیں اس سے بھی واقفیت نہیں رکھتے اور میری دوستی کی قدر بھی نہیں جانتے مثلاً روس ہر قسم کی کوشش کر رہا ہے کہ برصغیر میں انجمنستان سے دوش بدوش ہو جائے اور اوکلی سرحد ہندوستان کی سرحد سے مل جائے ممبران پارلیمنٹ کی اسپیشین پڑھ کر کبھی ہنستا ہوں اور بعض وقت افسوس کرتا ہوں۔ ان اسپیشیوں سے ان کی جہالت اور لاعلمی ظاہر ہوتی ہے مثلاً وہ کہتے ہیں۔ ”ہم کو چاہیے کہ افغانستان

کو اپنی راہ میں حائل نہ ہونے دین۔" ہلکو چارہریئے کہ اپنی ریل روس  
 کی ریل سے ملا دین۔" ہلکو چارہریئے کہ اس غیر مہذب مقام کا نام  
 مٹا دین۔" ہلکو چارہریئے کہ کوہ ہندو کش کی ایک طرف قندھار تک  
 اپنا غل و دخل کر لیں اور دوسری طرف روس کو دیدین۔" افسوس  
 ہے کہ روس کے یہ سچے دوست امن کے بانی۔ برطانیہ اعظم کے  
 نادان دوست یہ نہیں سمجھتے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے  
 سراسر انگلستان کا نقصان اور روس کا فائدہ ہے۔ روس کی تو  
 یہی تمنا ہے جو وہ کہہ رہے ہیں۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جب  
 دو قومیں ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتیں  
 اور آپس میں ربط ضبط نہیں پڑتا تو غلط فہمیوں کا واقعہ ہونا  
 ایک لازمی چیز ہے اور یہ غلط فہمیاں دوستانہ تعلقات  
 اور مخلصانہ معاملات کے لئے سخت مضر ہیں۔ تمدنی کارروائیوں  
 سے کچھ کام نہیں نکلتا جس حالت میں کہ بدگمانی پہلی ہو اس لئے

کہ جو لفظ منہ سے نکلتا ہے وہ شبہ اور بدگمانی کی نظر سے  
 دیکھا جاتا ہے اور اس میں غلط معنی پہنائے جاتے ہیں پس  
 اہل افغانستان اور برطانیہ اعظم کا باہمی ربط ضبط کس طرح ممکن  
 ہے جب اراکین سلطنت بلکہ یون کہنا چاہیے کہ گورنمنٹ ہند  
 ہمیشہ اس کوشش میں ہے کہ اونکو الگ الگ رکھے اور افغانی  
 سفارت نہ قائم ہونے دے۔

ابھی اس بات کے لئے بہت عرصہ درکار ہے کہ افغانستان  
 اس قابل ہو کہ انگلستان کے سوا دوسری سلطنتوں کے سفر کو  
 کابل میں قیام کی اجازت دے یا اپنے یہاں کے سفر کو  
 لندن کے اور ملکوں میں بھیجے۔ جہاں تک انگلستان سے  
 تعلق ہے یہ چیز اس کے تعلقات اور ربط و ضبط افغانستان  
 کے ساتھ بڑھانے میں اور زیادہ معین ہوگی۔ اس سے  
 وہ اتحاد مضبوط ہوگا جو بالفعل قائم ہے اس سے ساری بدگمانی

اور شکوک رفع ہو جائینگے۔ اسے افغانوں کو برطانیہ اعظم کی قوت کا صحیح اندازہ معلوم ہوگا۔ اور اوس کی تعلیمی ترقی اور ایجادوں سے واقف ہونگے اس سے نوجوان افغانوں کو جرأت ہوگی کہ تحصیل علم کے لئے یورپ اور انگلستان جائیں اور ان کی تعلیم کے لئے گویا راہ کھلیگی۔ اس سے گورنمنٹ انگلستان کو مشرقی معاملات اور مشرقی حکمت عملی کا صحیح علم ہوگا اور ان غلط بیانات کی تردید ہو جائے گی جو غیر ملکیوں میں ہماری قوم سے بدگمانی کا باعث ہیں اس سے دنیا کی نظروں میں بالخصوص دوسرے اسلامی بادشاہوں کی نظروں میں افغانستان کی وقعت بڑھیں گی اور وہ ایک خود مختار سلطنت مانا جائے گا۔ گو خود برطانیہ اعظم درحقیقت اب بھی اوسے ایک خود مختار سلطنت تسلیم کرتی ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ علماء اوسے ایسا کیوں نہ تسلیم کرے جہاں تک مجھے تجربہ ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ جب کبھی میں نے بڑی



دشواری سے اپنے خطوط اراکین سلطنت انگلستان تک پہنچائے تو ہمیشہ مجھے ہنایت نرم مگر مستحکم الفاظ میں یہ جواب ملا کہ اپنا معاملہ گورنمنٹ ہند سے رجوع کروں۔ کیا خوب بات ہے کہ جو شخص کسی جج کے خلاف شکایت پیش کرے اس سے یہہ کہا جائے کہ اسی جج کے سامنے اپنا معاملہ لیجاؤ۔

گو انگریز مصنفین اور مدبرین سب ایک زبان ہیں کہ افغانستان کے ساتھ جنگ کرنا غلطی ہے۔ مگر جب اونکے وائسرائے کی وجہ سے جنگ چھڑ جائے تب اسکا تدارک لا حاصل ہے۔ اسلئے کہ لُنڈ کے ہوئے دووہ کو بچانا بے فائدہ ہے۔ سعدی کہتے ہیں۔

انچہ وانا کند کسند نادان

بیک بعد از خرابی بسیار

زہر کہا کرتیاق کے لئے طبیب کے پاس جانے سے بہتر یہ ہے کہ زہر ہی نہ کھائے جو تغیرات انگلستان کی حکمت عملی میں

افغانستان کی نسبت واقع ہوئے ہیں اون سے صاف ظاہر  
 ہوتا ہے کہ اہل انگلستان کبھی اس بات کو نہ سمجھے کہ افغانستان  
 کے ساتھ کیسے تعلقات رکھنا چاہیے مین بالتفصیل تو سارے  
 معاملات نہیں بیان کر سکتا مگر چند ضروری تغیرات کا ذکر کرتا ہوں۔  
 پہلا تغیر میرے دادا دوست محمد خان کے زمانہ میں واقع ہوا  
 جب اونہوں نے افغانستان کے شاہی خاندان کے خانگی  
 جھگڑوں میں دخل دیا اور ایک شخص کو تخت پر بٹھایا دوسرے کو  
 تخت سے اتارا اور سوقت انگریزوں نے یہ کوشش کی کہ میرے  
 دادا دوست محمد خان کو تخت سے اتار کر قید کر لیں حالانکہ دوست  
 محمد خان سے اونکو کوئی ضرر نہ پہونچا تھا تو اس فعل کے وہ کسی طرح  
 مجاز نہ تھے۔ علاوہ برین یہ اصول راست بازی انصاف سے بعید  
 تھا کہ افتخانون کے خلاف مرضی محض انگریزی سنگینوں کے زور  
 سے شاہ شجاع کو تخت پر بٹھایا۔ اس اصول کا انجام یہ ہوا کہ انگریزی

فوج کابل میں مبتلائے بلا ہوئی۔ اس کارروائی سے انہوں نے یہ سبق حاصل کیا کہ تخت کابل کے دعویداروں کے خانگی جھگڑوں میں کہی دخل نہ دینا چاہیے۔

دوسرا تغیر یہ ہوا کہ انگریزوں نے متواضع اور غیر عامل اصول اختیار کئے یعنی افغانستان کو یہ نہیں چھوڑ دیا۔ اس اصول کو انگریز لوگ ایک قومی اصول کہتے ہیں مگر میری رائے میں ایک کمزوری اور بزدلے پن کا اصول تھا۔ امیر شیر علی خان کو روس کے اختیار میں دیدیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری جنگ افغان کی نوبت آئی۔ یہ عجیب بات ہے کہ انگلستان نے روس سے یہ نہ پوچھا کہ خلا

معاہدہ اوس نے شیر علی کو کیوں پناہ دی اور افغانستان کے معاملات میں کیوں مغل ہوا بلکہ شیر علی کو اور اولٹی سٹاڈی حالانکہ اس نے حسب الحکم لارڈ لیٹن جنرل کاف میں کے ساتھ مراسلت کی تھی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ امیر شیر علی عہد شکنی کے الزام

سے برسی تھا مگر یہ ضرور کہو ننگا کہ گورنمنٹ ہند کی کمزور اور متزلزل اصول کی بدولت یہ بات ظہور میں آئی یا دوسرے الفاظ میں یون کہتا چاہیے کہ گورنمنٹ ہند نے افغانستان کو اس کی قسمت پر چھوڑ دیا۔

تیسرا تغیر یہ واقع ہوا کہ لارڈ لیٹن نے افغانستان کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منقسم کرنے کی کوشش کی اور چاہا کہ قندھار اور بعض دوسرے صوبے برطانیہ اعظم کے قبضہ میں آجائیں۔ اور ملک کے دوسرے حصے اور حکمرانوں میں تقسیم ہو جائیں مگر یہ تجویز ناپسند ہوئی لیکن یہ پیشہ اصول جسے فاروار ڈپالسی کہتے ہیں۔ لارڈ لیٹن کے منصوبہ کا نتیجہ ہے۔

اوسکے بعد جو چوتھا اصول اختیار کیا گیا وہ یہ ہے کہ افغانستان کو سلطنت ہند کی حفاظت کیلئے ایک مضبوط سدا راہ اور خود مختار سلطنت بنائے رکھیں اس لئے کہ وہ روس اور ہندوستان

کے درمیان حائل ہے۔ مین خوش ہون کہ گورنمنٹ انگلستان اور گورنمنٹ ہند دونوں بالفضل اسی اصول کے پابند ہیں اور یہ ایک دانشمندانہ اصول ہے مگر افسوس ہے کہ ہدسی چاہیے ویسی اسکی پوری طور سے پابندی نہیں کی جاتی۔

لنڈن مین میری سفارت قائم ہونے کے خلاف جو وجوہ بیان کئے جاتے ہیں وہ اسنے ہیں جتنے کہ اینگلو انڈین کے مسئلہ میں زبانیں بلکہ کچھ اور زاید اس لئے کہ انگلستان مین بھی چند لوگ فار وارڈ پالسی (اصول پیشروی) کے موکدہ ہیں مین اول مین سے چند وجوہ کا ذکر کرتا ہوں۔

اولاً مجھے یہ کہا جاتا ہے کہ مین لنڈن مین اپنا وکیل نہیں رکھ سکتا اسلئے کہ پھر روسی سفیر کابل مین رکھنا ہو گا۔ مجھے اس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی اسلئے کہ میرا سفیر گورنمنٹ ہند کے وہاں اور گورنمنٹ ہند کا سفیر میرے یہاں موجود ہے اور کوئی روسی

سفیر کابل میں نہیں۔ اس کے علاوہ برطانیہ اعظم کے ساتھ جو  
 میں نے معاہدہ کیا ہے اس میں صاف یہ شرط موجود ہے  
 کہ بحر انگلستان کے میں کسی غیر سلطنت کے ساتھ کچھ تعلقات  
 نہ رکھوں گا پس نہ روس اور نہ کسی اور سلطنت کو کوئی حق ہے کہ مجھے  
 اپنی سفارت کے لئے مجبور کرے۔ اور محض اس بنا پر کہ میں نے  
 اپنا ایک سفیر لندن میں رکھا ہے۔ میں نے کسی غیر سلطنت کے  
 ساتھ نہ کوئی معاہدہ کیا ہے اور نہ اس قسم کا کوئی وعدہ کیا ہے  
 کہ اگر میں اپنا سفیر لندن میں رکھوں گا تو وہ مغل ہونگے۔ اگر میں  
 بخوشی و رضا مندی محض برطانیہ اعظم کے ساتھ تعلقات رکھنا چاہوں  
 تو روس یا کسی اور سلطنت کو میرے فعل سے کچھ سروکار نہیں  
 المختصر میں اس میں جیسا چاہوں کروں کوئی سلطنت دخل دہی  
 کی مجاز نہیں۔

مجھ سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ میں لندن میں اپنی سفارت نہیں

رکھ سکتا جب تک کہ کابل میں ملکہ معظمہ کا سفیر بھی نہ رہے اور ضرور  
 ہے کہ وہ سفیر انگریز ہو۔ میں ملکہ معظمہ کے سفیر کی اس تعریف کو  
 نہ سمجھا کوئی وجہ نہیں کہ یہ عذر کیوں پیش کیا جاتا ہے۔ ایک  
 مسلمان سفیر تو کابل میں موجود ہے جس کے نام سرکاری طور پر  
 برٹش ایجنٹ مقیم کابل کے لقب سے مرادست ہوتی ہے۔ کوئی  
 یہ نہیں لکھتا کہ ایجنٹ وائسرائے مقیم کابل جس سے ثابت ہوتا ہے  
 کہ یہ عذر صرف ایک بہانہ ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ وقت  
 بھی آئیگا جب ایک انگریز برٹش ایجنٹ کابل میں رہے گا۔ مگر  
 فی الحال یہ چیز دشوار ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اینگلو انڈین اس  
 بات کے عادی ہو گئے ہیں کہ ہندوستانی رییسون اور والینا  
 ریاست کو بازیچہ طفلان سمجھیں جیسا کہ ہندوستان کے دیسی  
 ریاستوں میں رزیدنٹ سمجھتے ہیں۔ میری رائے میں یہ رزیدنٹ

ہی حقیقی حکمران ہوتے ہیں اور والیان ریاست ان رزیدنٹوں  
 کے دست نگر یہ رزیدنٹ اپنے تئیں والیان ریاست  
 سمجھتے ہیں اور اسطرح کا سلوک کرتے ہیں کہ مغزور افغان کہی اوسکی  
 برداشت نہیں کر سکتے۔ پس بمصلحت مناسب یہی ہے کہ کابل  
 میں برٹش ایجنٹ مسلمان رہے اور یہ عذر جو پیش کیا جاتا ہے  
 کہ ملکہ معظمہ کا سفیر انگریز ہو اوس کا رد اس دلیل سے ہو سکتا ہے  
 کہ کل برٹش ایجنٹ انگریز نہیں ہیں اور نہ برٹش عہدہ دار و مدبر  
 ہمیشہ انگریز ہی ہوا کرتے ہیں۔ اس بات سے دوسرے وفادار رعایا  
 ملکہ معظمہ جو انگریز نہیں ہیں یہ خیال کرینگے کہ وہ قابل اعتبار  
 نہیں حالانکہ وہ بیچارے ایسے وفادار ہیں جیسے کہ انگریز بلکہ  
 اون سے زیادہ سچے بالذات انگریز رزیدنٹ قبول کرنے  
 میں کوئی عذر نہیں بشرطیکہ انگلش گورنمنٹ اوس کی حفاظت  
 اور خوش اطواری کی ذمہ دار ہو۔ اہل انگلستان میرے اس



بیان سے یہاں کی حالت بخوبی سمجھ سکیں گے کہ میرے اکثر  
 تجارتی ایجنٹ جو میرے ملازم رہے اور گو انہیں میرے ملکی  
 معاملات میں کبھی کچھ دخل نہ ہوا بلکہ میری اندرونی یا بیرونی حکمت  
 علی سے بالکل ناواقف تھے مگر انگلستان میں جا کر انہوں نے یہ  
 مشہور کیا کہ ہم امیر کابل کے خانگی دوست مشیر بلکہ ادب و سخاوت  
 راست تھے بلکہ بعض اوقات میں نے یہاں تک سنا کہ اہل  
 انگلستان کو ان لوگوں نے یہ یقین دلایا کہ میں بالکل اونکے  
 اختیار میں تھا۔ اب خیال کرنا چاہیے کہ جب مہمولى دوکاندار یوں  
 بڑائی مانگے تو ملکہ مظہر کے پولیٹیکل ایجنٹ سے (اگر وہ بھی انگریز  
 ہوا) کیا توقع ہو سکتی ہے۔

ایک اور وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ گورنمنٹ ہند سے مجھے  
 سالانہ اٹھارہ لاکھ روپیہ ملتے ہیں اس وجہ سے میں لندن میں اپنا  
 سفیر نہیں رکھ سکتا۔ اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ رقم میں نے

ان بشرایط پر ہنہین منظور کی بلکہ اور مختلف وجوہ سے مجھے دیجاتی ہے۔ جسہین کوئی وجہ خواہ بہ لحاظ لندن یا بہ لحاظ ہندوستان اس معاملہ کے متعلق ہنہین ہے۔ اس رقم سے میری کوئی وقعت ہنہین گہٹتی ہے بلکہ میری دوستی کی قدر و قیمت بڑھتی ہے۔ اور انگلستان اپنا روپیہ بیکار ہنہین دیتا ہے۔ تاریخ میں ایسی مثالیں بہت سی ملین گی جہان ایک بادشاہ نے دوسرے بادشاہ سے امدادی رقم لی ہے اور اس کے سفیر بھی برابر شاہ مدد دہندہ کے ملک میں رہے ہین۔ زمانہ قدیم میں خود برطانیہ اعظم نے اس قسم کی امدادی رقم بعض شاہان یورپ کو دی ہے اور اس کے سفیر بلا عذر اپنے یہاں رہتے دئے ہین۔

ایک اور دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ اگر میرا سفیر لنڈن میں رہے گا تو گورنمنٹ برطانیہ کو میرے ساتھ ایک خود مختار بادشاہ کی طرح برتاؤ کرنا ہوگا۔ میں ایک خود مختار بادشاہ تو اب بھی ہوں جس کا

اعلان بارہا کیا گیا ہے۔ مین بادشاہ سلطنت خدا داد افغانستان کے لقب سے خطاب کیا جاتا ہوں۔ خود میری قوم نے مجھے ضیاء الملتہ والدین کا خطاب دیا جسپر وائسرائے نے کمال خوشنودی ظاہر کی۔

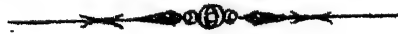
بعض معترض یہ کہتے ہیں کہ اگر لنڈن مین افغانی سفارت قائم ہوئی اور گورنمنٹ انگلستان سے بلا واسطہ مراسلت کی گئی تو میری گورنمنٹ اور فارن آفس شملہ کے درمیان پیچیدگیان واقع ہونگی۔ مین خود ایسا نہیں سمجھتا۔ میرا کینٹ جو وائسرائے ہند کے پاس رہتا ہے بدستور ہوگا۔ اور اگر کسی معاملہ مین میری گورنمنٹ کے اور وائسرائے کے درمیان کوئی نقیض پیدا ہوگی تو وہ اور میرا سفیر چرلٹن مین ہوگا دونوں مل کر اوس معاملہ کو سکرٹری آف اسٹیٹ کے سامنے پیش کر سکیں گے جس سے وزراے کینٹ اوس معاملہ کے دونوں پہلوؤں کو مستند و جہی

فیصلہ کر سکیں گے اور اس غلط اصول کی پوری نگرانی رہیگی جسکی وجہ سے ہر معاملہ کا صرف ایک پہلو اُنہیں معلوم ہوتا ہے بالفعل افتخارستان کو اصلی واقعات بیان کر نیکا کوئی موقع نہیں ہے۔

میں اپنے لوگوں کو اس بات کی ترغیب دینے میں بہت کوشش کرتا ہوں کہ وہ اپنے قدیم مخالفانہ خیالات انگریزوں کی طرف سے دور کر دیں۔ آپس میں سچے دوست اور مخلص بن جائیں ایسی حالت میں اگر اُن میں سے کوئی اون کا ہوطن سفیر مقرر ہو اور لنڈن میں رہے تو آپس کے ربط مضبوط سے دونوں قوموں کے دلوں میں دوستانہ خیالات بڑھیں گے اور اہل برطانیہ کو بہ نسبت آج کل کے افتخارستان سے اور زیادہ واقفیت ہوگی اس حالت میں تو اُنہیں کچھ نہیں معلوم ہو سکتا۔ بعض انگریز مدبرین اور جنرلوں کی رائے سے میں اتفاق نہیں کرتا جو اپنے مضامین میں یہ لکھتے ہیں کہ جس قدر کم وہ افتخارستان سے ملین اور تنازعہ

انہیں پسند کریں گے۔ میری رائے میں انگریزوں اور افغانوں  
 میں جتنی زیادہ ربط و ضبط بڑھے بہتر ہوگا۔ اس لئے کہ وہ نخل اتحاد  
 جو میں نے لگایا ہے خوب سرسبز اور شاداب ہو سکیگا۔ لیکن  
 اگر ان انشا پر دازون کی مراد اس سے یہ ہے کہ افغانوں کے  
 ملک میں حملہ کرنے یا اونکی اندرونی حکمت عملی میں دخل دینے  
 کی غرض سے جتنی کہ وہ افغانوں سے ملیں تو بہتر ہے تو  
 بیشک اونکا کہنا بجا ہے۔ مگر میں نہیں خیال کرتا کہ افغان بغیر ستائے  
 کیو کاٹ کہا سینگے۔ بہر حال میری یہ نصیحت ہے کہ قوم برطانیہ  
 کے ساتھ دوستانہ تعلقات اور وسیع کئے جائیں اور میرے  
 بیٹوں کو اور جانشینوں کو چاہیے کہ اسپر عمل کریں۔ اگر گورنمنٹ برطانیہ  
 میرے بیٹوں کی اور جانشینوں کی ارادت و اتحاد کو دوستانہ نظر  
 سے دیکھے تو اونکو چاہیے کہ اسکی شکایت نہ کریں ورنہ جو کچھ  
 اتحاد اب قائم ہے وہ بھی نہ رہے گا۔

اس موقع پر مجھے ایک نقل یاد آئی۔ ایک شخص نے خواب  
 میں دیکھا کہ خداوند عالم نے اسے کچھ پیسے عطا کرنا چاہے۔  
 اس شخص نے انکار کیا اور کہا کہ میں جواہرات لوٹنگا تب خدا نے  
 اسے روپے عطا کرنے چاہے مگر وہ شخص اسی بات پر اڑا رہا  
 کہ جواہرات لوٹنگا تب خدا نے چند اشرفیاں دینا چاہیں مگر  
 اس نے اور زیادہ مانگیں دفعتاً اس کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کہ خالی  
 ہاتھ پڑا ہے۔ تب اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور ہاتھ پہنچا کر  
 یہ کہنے لگا کہ دے جو کچھ تو دینا چاہے دیدے میں بہت شکر  
 گزاری کے ساتھ اسے لوٹا مگر پھر کیا ملتا وقت تو گزر گیا تھا۔



# باب ہشتم

## انگلستان - روس - افغانستان

میری رائے میں اس کتاب کا یہ آخری حصہ نہایت پیچیدہ اور  
مشکل ہے اور اس کا لکھنا آسان نہیں مگر اس میں جو کچھ میں کہونگا  
وہ میری ساری عمر کے تجربہ کا لب لباب ہوگا میری عمر صد ہا مصیبتوں  
تشویشوں - مہمون - سفرون اور انواع اقسام کی ذمہ داریوں  
میں گزری ہے بچپن سے ۱۸۸۰ء تک تقریباً چالیس سال کا  
زمانہ روس میں یا روس کی سرحدوں پر یا روس و چین اور روس  
و ایران کی سرحدوں پر سفر کرنے میں گزرا ہے ۱۸۸۰ء سے  
اس وقت تک میں نے سارا زمانہ ان دو زبردست ہمسایوں کی

یعنی انگلستان اور روس کی حکمتوں اور پالون پر غور کرنے میں  
بسر کیا ہے۔ جن ذریعوں سے مجھے ان کے حالات معلوم ہوئے  
اور اب بھی معلوم ہوتے ہیں اونکا افشا کرنا خلاف مصلحت ہوگا  
انہیں ذرائع کی بدولت جو تجربہ مجھے حاصل ہوا ہے اس کے  
لحاظ سے میں اس مسئلہ پر بحث کر سکتا ہوں۔ میں محض واقعات بیان  
کر دینگا مگر ان کے اسباب یا اس قسم کی تفصیل نہ لکھوں گا جس سے  
میری گورنمنٹ کے راز افشا ہو جائیں۔ میں مختلف ممالک کے اہل قلم  
وسایح اور مدبروں کی رائے یا تحریروں کا مطلق خیال نہیں کرتا۔  
میرا یہ منشا نہیں ہے کہ ان کی رائے کو رد کروں یا اپنی تحریر کا ان  
سے جواب چاہوں۔ میں جو کچھ اپنے بیٹوں جانشینوں اور اپنی  
قوم کے لئے مناسب سمجھتا ہوں وہ لکھوں گا اور انہیں اسکی  
پیروی کرنا چاہیے۔ البتہ میری رائے بالکل صاف اور منصفانہ  
ہوگی اور میں اس بات کی کوشش کروں گا کہ روسیوں کا نہ مخالفت



ثابت ہوں اور نہ طرفدار۔ اسی طرح انگریزوں کا نہ طرفدار معلوم  
ہوں اور نہ مخالف۔

# ایشیا کی اسلامی سلطنتوں کے متعلق برطانیہ اعظم اور روس کی پالیسی (حکمت عملی)

ایشیائین روس کی یہ فکر ہے کہ جس طرح ہوسکے حق یا ناحق دوستانہ  
یا مخالفانہ صلح سے یا بذریعہ جنگ اسلامی سلطنتیں اس بڑا عظم  
سے نیست و نابود کر دی جائیں۔ وہ بہت خوش ہوگا اگر ترکی اور ایران  
اور افغانستان کی حکومت معدوم ہو جائے اور روس کے دست نگہ  
ہو کے رہیں اور اونکا وجود و عدم یکساں ہو اور جب تک

روس کو اونکی ضرورت ہو قائم رکھے اور اسکے بعد جب چاہے  
 مٹا دے۔ یہ روس کی خواہش ہے کہ رفتہ رفتہ ایران اور سرائیکی  
 اور افغانستان کو ہضم کر جائے۔ اگر اس تدبیر میں ناکامیاب ہوا تو  
 وہ یہ کوشش کریگا کہ انگلستان اور اسلامی سلطنتوں میں دوستی  
 نہ رہے اور انکو اپنی طرف کھینچے گا تاکہ انگلستان سے لڑیں۔ یہ صورت  
 میں بھی اسلامی سلطنتیں روس کا شکار ہو جائیں گی روس کا خیال ہے کہ اگر یہ پانسہ بی اوٹا  
 پڑا تو تیسری تدبیر یہ اختیار کی جائے گی کہ انگلستان اور اسلامی سلطنتوں  
 میں اس طرح نا اتفاقی ڈال دی جائے کہ روس کو انگلستان کے ساتھ  
 ساز و باز کر نیا موقع ملے اور برطانیہ اعظم کی مدد سے سنٹرل ایشیا  
 کے مسلمانوں کا قلع قمع کر کے اسلامی سلطنتیں آپس میں تقسیم  
 کر لی جائیں۔ آخری چال یہ ہے اور کچھ کم قابل غور و لحاظ نہیں کہ روس  
 کے دل میں یہ بات ٹھنی ہوئی ہے کہ ایشیا کی اسلامی سلطنتوں  
 اور اسلامی گروہوں میں ہمیشہ نفاق پڑا رہے اور انگلستان سے

بالکل جدارہین۔ روس خوب جانتا ہے کہ اگر کسی وقت برطانیہ اعظم  
 یا کسی اسلامی سلطنت سے جنگ ہوئی تو اوس کی کل مسلمان رعایا  
 مین بلوہ عام ہو جائے گا اور یہ چیز اوس کے لئے بہت ہی خطر  
 ملک ہے کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اوسکی وسیع سلطنت ٹکڑے ٹکڑے  
 ہو کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں مین تقسیم ہو جائے گی جو عموماً کل  
 ایسی سلطنتوں کا انجام ہوتا ہے جو ظلم و جبر کی بنا پر قائم ہوں اگر  
 کسی کو میرے اس بیان کی راستی کا ثبوت درکار ہو کہ آیا روس کی پینیت  
 ہے یا نہیں کہ اسلامی سلطنتوں کو تباہ کرے یا اون مین نفاق  
 ڈلوائے یا کم از کم اوہنیں کمزور کر دے تو ایشیا کے پولیٹیکل  
 معاملات اور تاریخ کے گذشتہ واقعات حوالہ کے لئے کافی ہیں  
 مجھے روس کے اثنا رقیام مین جنرل کا فنان گورنر جنرل  
 ترکستان اور دوسرے روسی مدیرین سے پولیٹیکل معاملات مین  
 گفتگو کرنے کا بارہا اتفاق ہوا۔ اوس وقت مجھے روسیوں کے

اس اصول کا جواو ہونے نے اسلامی سلطنتوں کو تباہ کرنے کے  
 متعلق اختیار کیا ہے پورا یقین ہو گیا۔ روسیوں کو اوس وقت یہ فہم  
 و گمان بھی نہ تھا کہ مین افغانستان کا بادشاہ ہو گا اور ان کے اس  
 اصول کی سخت مخالفت کرونگا۔ تمثیلاً مین ایک واقعہ بیان کرتا ہوں  
 جس سے روس کی دغا بازی اور متذکرہ بالا اصول کا اندازہ ہو سکیگا  
 ۱۸۷۵ء مین جب مجھے جنرل کافان سے ملنے اور اونکی خانگی  
 و سرکاری معاملات سے واقف ہونیکا موقع حاصل تھا انہوں  
 نے اپنی گورنمنٹ کو بذریعہ کاؤٹ شو ویلاٹ سفیر روس مقیم  
 لندن حسب ذیل تحریر لکھی۔

”ایشیائین انگلستان اور روس کی ایک ہی غرض اور ایک  
 ہی دشمن ہے۔ وہ غرض یہ ہے کہ تہذیب پہیلیائی جائے اور مذہب  
 عیسائی جو دونوں ملکوں کا مذہب ہے رائج کیا جاوے اور وہ  
 دشمن اسلام ہے جس سے بڑھ کر ہندوستان مین بڑھ

حکومت کے لئے خطرناک چیز نہیں۔ دوسرے خطرے محض خیالی ہیں۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے لئے اسلام بہت خوفناک دشمن ثابت ہوگا اور موقع پاتے ہی ہندوستان کے مسلمان رعایا عام بلوہ کر دے گی۔ مناسب یہ ہے کہ انگلستان اور روس میں مضبوط اتحاد قائم ہوتا کہ افغانستان اور دوسری اسلامی سلطنتیں جو وسط ایشیا میں واقع ہیں روس و انگلستان میں اس طرح تقسیم ہو جائیں کہ سلطنت ہند اور دولت روس کی سرحدیں ایک دوسرے سے مل جائیں۔ اس تدبیر سے انگلستان کو پھر کوئی تشویش باقی نہ رہے گی۔ اس لئے کہ روس جو اس کا دوست صادق عیسائی ہوگا اور سے وقت پر مدد دینے کے لئے اس قدر قریب ہو جائیگا۔ اگر ہندوستان میں غدر ہوا یا کوئی اور وقت پیش آئی تو اس کی کمک کریگا۔ اس بنا پر انگلستان کو چاہیے کہ روس کی دوستی پر اور اس کے وعدوں پر بالکل بہروسہ کرے۔

اوس طرف تو لندن میں روسی سفیر برطانیہ اعظم کو اس بات  
 کا یقین دلایا ہوتا کہ روس کو انگلستان کے ساتھ صداقت اور عقیدت  
 ہے اور افغان کی طرف سے سخت نفرت اور ادھر خفیہ طور سے شیر علی  
 خان کے ساتھ خط و کتابت جاری تھی اور نرم نرم الفاظ میں  
 اوسے یہ ترغیب دی جا رہی تھی کہ انگلستان کا مخالفت ہو کر روس سے  
 مل جائے۔ چنانچہ اس طرح سے روسیوں نے انگلستان اور افغانستان  
 کے درمیان تخم مخالفت بویا جسکی وجہ سے ایک جنگ عظیم  
 واقع ہوئی جس میں انگلستان اور افغانستان دونوں کو مالی نقصان پہنچا  
 اور بہت سے آدمی ضائع ہوئے۔ روسیوں کی اس چال پر مجھے  
 ایک نقل یاد آئی۔ ایک شخص چورون کا ایجنٹ تھا جو چورون سے  
 کمیشن لیتا تھا اور اون لوگوں سے بھی جنکے گھروں میں چورنی  
 ہونے والی ہو۔ چورون سے کہتا تھا کہ جاؤ اور شوق سے فلان  
 مکان میں جتنا جی چاہے چراؤ اسوقت وہاں کوئی بیدار نہیں ہے

چور او سے اس دوستانہ مشورہ پر کمیشن دیتے تھے۔ اس کے بعد فوراً وہ مالک مکان کے پاس جاتا تھا اور اسے جگا کر یہ کہتا تھا کہ ہوشیار ہو جاؤ چوری ہوئی والی ہے۔ اس طرح اس سے بھی کمیشن وصول کرتا تھا۔

امیر شیر علی خان ایسا بوقوت تھا کہ اسے روسیوں کے وعدوں کا یقین آ گیا۔ مگر جو نہیں انگلستان سے لڑائی چھڑی روسی ایجنٹ صاحب کابل سے چلے گئے اور امیر شیر علی تباہ ہوا وہ ایجنٹ صاحب محض اس لئے تشریف لائے تھے کہ شیر علی خان اور انگلستان میں جنگ کر دیں انگلش گورنمنٹ نے بھی روس سے کچھ اس خلاف عہد کا سوا خدہ نکلیا کہ اس نے افغانستان کے معاملات میں کیوں دست اندازی کی اسکے بدلے کہ روس کی اس چال کی (کہ افغانستان کمزور ہو) مخالفت کرتے انگریزوں نے اور اس کی تائید کی یعنی ملک افغانستان سے قند ہار کر م

ختیہر۔ اور بعض صوبے لئے۔ اس سے بیشک ہندوستان  
کی سرحد روسی مقبوضات ایشیا سے قریب تو ہو گئی مگر افغانستان  
کمزور ہو گیا جو روس کا اصل منشا اور اسکے دل کی خواہش تھی  
اور جنرل کافان کی تحریر کا یہی منشا تھا۔

المختصر گورنمنٹ روس کی پالیسی امیر نبارا و دیگر میران وسط ایشیا  
اور ترکستان اور افغانستان کی نسبت ہمیشہ یہی رہی ہے کہ وہ  
قومی نہ ہونے پائین جو اسکی دائمی پیش قدمی میں محمل ہوں۔  
ایشیائی سلطنتوں کی وقتوں اور کمزوریوں سے روس برابر  
فائدہ اٹھاتا ہے۔ بعض اسلامی ریاستوں پر وہ بالکل قابض  
ہو گیا ہے اور بعض پر کم کم تسلط ہے وہ دیکھ نہیں سکتا کہ کوئی  
اسلامی بادشاہ فوجی تیاریاں کرے۔ جنرل کافان کی تحریر میں  
ایک بات بالکل صحیح تھی وہ یہ کہ اسلام روس کا جاتی دشمن ہے اور  
یہ بلا وجہ نہیں۔



بخلاف اسکے انگلش پالیسی عموماً اسلام اور کل اسلامی سلطنت  
 ہائے ایشیا کے ساتھ دوستانہ ہے اور انگلستان کی دلی  
 خواہش ہے کہ یہ سلطنتیں قائم رہیں اور قوی و خود مختار ہوں۔  
 مگر کبھی کبھی اس پالیسی میں عارضی تغیرات ہوا کرتے ہیں۔ انگلش  
 پالیسی روس کی طرح مضبوط اور مستقل نہیں ہے۔ جب کوئی مدبر  
 انگلستان میں با اختیار ہوتا ہے تو اوس کی رائے پر سلطنت  
 چلتی ہے اور ہر امر میں وزیر اوس کی پیروی کرتے ہیں۔ جب  
 وہ اپنی جگہ سے الگ ہو جاتا ہے اور دوسرا شخص برسر کار ہوتا ہے  
 تو اوس کے خیالات اور اوس کی رائے پر سلطنت کا دار و مدار ہوتا ہے  
 گو اس کی رائے پہلے شخص کی رائے کی بالکل عکس کیون نہ ہو  
 غرض برطانیہ اعظم کی کوئی پالیسی مستقل یا دیر پا نہیں کہی جاسکتی مگر  
 اس قدر تو یقین ہے کہ ایک عرصہ دراز سے برطانیہ اعظم کی عام  
 پالیسی یہ ہے کہ اسلامی سلطنتیں جو ہندوستان اور ایشیائی روس

کے درمیان مثل دیوار کے حائل ہیں باقی رہیں اور اوکلی خود بخود بھی  
 بخوبی قائم رہے تاکہ روس کی راہ میں ایک آہنی دیوار بن جائیں  
 بخلاف اسکے روس کی پالسی بالکل اسکے برعکس ہے نہ صرف  
 اسوجہ سے کہ اسکے ملک کے حدود ہندوستان کی سرحد سے  
 لجاؤں بلکہ اس سے ہمیشہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر بڑی یا ایران  
 یا افغانستان یا ہندوستان کے ساتھ جنگ ہوئی تو اس کی  
 مسلمان رعایا میں عام غدر ہو جائیگا۔

اس میں شک نہیں کہ تمام دنیا کے مسلمان سلطنت برطانیہ  
 کی دوستی کو روس کی دوستی پر ترجیح دیتے ہیں اس لئے کہ  
 وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی باہمی دوستی اور صلح برطانیہ اعظم کے دوستی  
 پر منحصر ہے یہی وجہ ہے کہ اگر نسبت روس کے انہیں انگلستان  
 سے شکایت بھی ہو تو وہ کہیں انگلستان کے خلاف ہو کر روس کا  
 ساتھ نہیگے اور اگر بالفرض کہیں ایسا ہو ابھی تو سمجھنا چاہیے کہ وہ

اس بات کے کرنے پر مجبور کئے گئے۔

وجہ بالا پر لحاظ کر کے ایک امر برطانیہ اعظم و سلطنت ہند کے  
فائدہ کے لئے بہت ضروری ہے جس سے ترکی و ایران و افغانیہ  
کا بھی فائدہ ہے۔ یہ محض ایک رائے ہے اور اگر ان سلطنتوں  
کے مدبر اسے منظور کریں تو سب کے لئے نہایت مفید ہو گا وہ  
رائے یہ ہے کہ ترکی و ایران و افغانستان جو تین سلطنتیں انجوت  
اسلامی اور ایک دین ملت برکھتی ہیں آپس میں متحد ہو جائیں اور  
اگر ممکن ہو تو اپنے اپنے دار السلطنت ریل اور تار کے ذریعہ سے  
متصل کر دیں اس سے یہ ہو گا کہ روسیوں کا قدیم ہندوستان کی  
طرف نہ بڑھنے پانیکا اونکی راہ میں ایک مستحکم دیوار حاصل رہیگی اور  
اسلامی سلطنتیں بھی محفوظ رہیں گی۔ چونکہ اس اتحاد و ملائمت کی بنا برطانیہ  
اعظم کے لئے مفید ہے اور زیادہ تر برطانیہ اعظم کی مرضی اور  
اعانت پر منحصر ہے تو انگلش گورنمنٹ کو چاہیے کہ جس قدر جلد اسکی

بنا قائم ہو بہتر ہے۔ ترکی اور ایران تو دوستانہ تعلقات آپس میں  
 بڑا ہی رہے ہیں لیکن افغانستان مجبور ہے کہ ترکی یا ایران  
 کے ساتھ مراسلت نہیں کر سکتا اس لئے کہ اوس معاہدہ کی  
 رو سے جو برطانیہ اعظم کے ساتھ ہوا ہے وہ بغیر اطلاع و مشورہ  
 برطانیہ اعظم کسی غیر سلطنت کے ساتھ پولیٹیکل مراسلت نہیں کر سکتا  
 ورنہ افغانستان تو ایران و ترکی کے فوائد و اغراض کو عین اپنے  
 فوائد و اغراض سمجھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سلطان المعظم  
 شاہ کجکلاہ یا خود میری پالیسی تو یہی ہے کہ اپنی خود مختاری  
 اور اپنے ملک کی سلامتی قائم رکھیں۔ نہ روس کو دخیل ہونے  
 دین نہ انگلستان کو اپنے ملک کا کوئی حصہ لینے دین اور اپنے  
 ہمسایوں میں اوسکا ساتھ جو ہمارے سلامتی اور خود مختاری کی وقعت  
 کرے اور اوس سے لڑیں جو ہماری قوت کو کمزور کرنا چاہے۔  
 چونکہ ہم جانتے ہیں کہ انگلستان ہمارا کوئی ملک لینا نہیں چاہتا بلکہ

حتیٰ الوسع روس سے دور دور رہنا چاہتا ہے اسوجہ سے ہم  
خواہ مخواہ برطانیہ اعظم کے دوست بنکر رہیں گے اور جب تک  
وہ ہمارے ملک کو تقویت دیگا اور کوئی دست اندازی نہ کرے گا ہم اسکو  
دوست بننے رہیں گے۔

میں دلیلاً یہ ثابت کرتا ہوں کہ برطانیہ اعظم کا فائدہ اسی میں ہے  
کہ مسلمان سلاطین ایشیا آپس میں ملے جلے رہیں۔ ۱۸۵۷ء  
میں جب امیر شیر علی خان انگریزوں کے مقابلہ میں جہاد کا  
اعلان دے رہے تھے اور اپنی فوج ہندوستان کی سرحد  
پر جمع کر رہے تھے اسوقت سلطان ٹرکی کی طرف سے ایک  
شخص بحیثیت سفیر امیر شیر علی خان سے ملنے آیا اور امیر کو منع کیا  
کہ انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد نہ دیجئے چنانچہ امیر نے  
سرحد ہندوستان پر فوجوں کا جمع ہونا روک دیا۔ امیر کے ارادہ  
میں یہ فوری تغیر گورنمنٹ ہند کو بھی محسوس ہوا جو انگریزوں کی تائید

مین تھا اور جو دراصل سلطان کی خاطر سے وقوع میں آیا تھا۔  
 مگر افسوس ہے کہ چونکہ سلطان اور امیر بین پیشتر سے کچھ خط و کتابت  
 نہ ہوئی تھی اس لئے روس کے ہوا خواہوں نے جو امیر کے  
 دربار میں موجود تھے امیر کو بدگمان کر دیا اور اس سے کہا کہ آپ  
 تو بالکل موم کی ناک ہیں۔ بلکہ یہاں تک جڑا کہ وہ مصنوعی سفیر  
 سلطان انگریزوں کا بھیجا ہوا مخبر ہے اور اس لئے آیا ہے  
 کہ آپ کو دھوکا دے۔ امیر بیوقوف تھا فقرہ میں آگیا یہ نہ سوچا کہ  
 سلطان بڑی کو لکھ کر اس کی تحقیقات کر لے کہ جو کچھ یہ لوگ کہتے  
 ہیں سچ ہے یا جھوٹ۔ غرض کہ سفیر کا آنا غیبث ہوا۔ اگر ان دونوں  
 اسلامی سلطنتوں میں متصل راہ و رسم قائم ہوتی تو انگریز اور  
 افغانستان دونوں کے لئے مفید ہوتا۔

المختصر جب تک انگلستان اور افغانستان ایک ہیں اور آپس  
 نفع و نقصان کو سمجھتے ہیں۔ روس کبھی افغانستان یا ہندوستان

پر حملہ کرنے اور کامیاب ہونے کا خواب و خیال بھی نہ کریگا۔  
 اگر بالفرض روس نے حماقت سے افغانستان یا کسی اور اسلامی  
 سلطنت پر حملہ کیا اور برطانیہ اعظم و فاداری اور سپانی کے ساتھ  
 اس کا حامی و مددگار رہا تو دیکھنا کہ روس کی سی آفتون میں پھنستا  
 سامنے تو اسلامی سلطنت کا مقابلہ ہوگا۔ اور پچھلے سارے ملک  
 میں اسلامی رعایا غدر کر دیگی۔ اور کیا عجیبے کہ برٹش نیوی (بحری  
 فوج) برطانیہ اعظم اسینٹ پیٹرس برگ یا کسی اور مقام پر حملہ کرے  
 جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ عظیم الشان سلطنت جو محبت سے ہمیں  
 بلکہ محض خوف کی وجہ سے ہمیں ہوتی رہے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر  
 بالکل ابتر ہو جائے گی۔

یہ دیکھ کر بہت افسوس آتا ہے کہ دولت برطانیہ اعظم  
 اس کے عوض کہ مسلمان سلاطین کی کمک کرے اور انہیں مضبوط  
 بنائے تا وہ بجائے خود روس کا مقابلہ کر سکیں یا ایشیائی

ریاستوں پر روس کی دست اندازی اور مزاحمت کو روکین  
 اپنے عہد ناموں اور قولوں اور وعدوں کے خلاف اس طرح  
 عمل کرتی ہے کہ جب کبھی روس مشرقی ممالک کا کوئی حصہ دہا لیتا  
 ہے تاکہ ہندوستان کے سرحد سے اور قربت ہو جائے تو  
 انگریز بھی کوئی ٹکڑا لیکر روس کے فاصلہ کو کم کرتے ہیں۔ اس  
 طرح روز بروز اسلامی سلطنتیں اور ریاستیں تقسیم ہوتی جاتی ہیں۔  
 اور ہندوستان و روس کی سرحدیں جو بیشتر ہزار میل دور واقع  
 تھیں اب قریب قریب ایک دوسری سے ملی ہوئی ہیں۔

اگر روس اور برطانیہ اعظم میں جنگ ہوئی تو ہر حالت میں مسلمان  
 سلاطین اور عام مسلمان انگلستان کا ساتھ دیں گے۔ اول تو انہیں  
 ملکہ معظمہ کی عداوت میں اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی پوری  
 آزادی ہے دوسرے وہ یہ جانتے ہیں کہ روس کے ظلم  
 و جور سے اسی وقت تک نجات حاصل ہے جب تک کہ انگلستان



سی عظیم الشان سلطنت مشرق میں اس کا مقابلہ کرنے کے لئے  
 موجود ہے۔ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ اگر مشرق میں انگلستان کو زوال  
 آیا تو کل اسلامی سلطنتیں روس کے نوالہ ہون گی۔ جو لوگ یہ  
 سمجھتے ہیں کہ ایران بقابلہ انگلستان زیادہ تر روس کے اختیار  
 میں ہے وہ غلطی پر ہیں۔ اونکو جاننا چاہیے کہ ایران جو چھپا  
 روس کے ناز اوٹھاتا ہے وہ محض بحالت مجبوری ہے۔ اس  
 ہر وقت روسی فوجوں کا ڈر لگا ہوا ہے۔ اگر کبھی روس کو انگلستان  
 کے مقابلہ میں مصیبت کا سامنا پیش آیا تو دیکھنا کہ پہلی سلطنت  
 جو اپنے تئیں ریچھ کے پنجے سے رہا کر لگی وہ ایران ہوگا۔  
 یہاں تک روس و انگلستان کے اون تعلقات کا ذکر کر کے  
 جو دونوں سلطنتوں کو ایشیا کے اسلامی سلطنتوں اور مذہبی  
 گروہوں کے ساتھ ہیں۔ میں اب چند ایسے امور کا ذکر کرتا ہوں  
 جو خاص افغانستان سے تعلق رکھتے ہیں۔

# ہندوستان پر روس کی حملہ آوری اور افغانستان کی نسبت روس کی پالیسی

مین اس باب کے شروع میں بیان کر چکا ہوں کہ وسط ایشیا کے اسلامی سلطنتوں کی نسبت جن میں افغانستان بھی شامل ہے روس کی کیا پالیسی ہے جو کچھ مین لکھ چکا ہوں اس کے علاوہ چند امور اور ایسے بیان کئے جائینگے جنکو خاصکر افغانستان سے تعلق ہے۔

اس زمانہ کے حالات پر نظر کر کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان پر روس کا حملہ کرنا دشوار بلکہ غیر ممکن بات ہے۔

اس سے یہ مطلب نہیں کہ روس ہندوستان پر حملہ کرنے کی  
 نیت ہی نہیں رکھتا بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ روس ہندوستان پر حملہ  
 کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوا ہے۔ اس میں ذرا بھی شک  
 نہیں کہ وہ صرف موقع کا منتظر ہے۔ اس بارہ میں بدبراہنگریوں  
 کی مختلف رائیں ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن کا یہ خیال ہے  
 کہ روس ہندوستان میں انگلستان سے لڑنے کا ارادہ ہی نہیں  
 رکھتا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان یا مشرقی سلطنت برطانیہ  
 پر روس حملہ کرنا ہی نہیں چاہتا میں نے ان کی چار تقسیم کی ہیں۔  
 اولاً وہ جو صاحب رائے نہیں ہیں۔ یہ لوگ کچھ ایسے  
 سادہ لوح ہیں کہ متواتر روس کی عہد شکنیوں اور وعدہ خلافیوں کو  
 دیکھتے ہیں اور پھر دیدہ و دانستہ اس کے چھوٹے عہد و پیمان پر  
 اعتبار کرتے ہیں۔ وہ روس کی اس پالیسی کو نہیں سمجھ سکتے کہ  
 سارے عہد و پیمان اس لئے کئے جاتے ہیں کہ جب کوئی موقع

ہو تو رڈ سے چائین جب کوئی نیا ملک وہ لیتا ہے تو از سر نو تجدید  
 خیر ہوتی ہے اور بعض انگریز عہدہ دار ادنیٰ یقین کر لیتے ہیں میں  
 دیکھتا ہوں کہ ان لوگوں کا حلقہ بہت خراب ہے کہ وہ اس کے  
 اگلے وعدے یا وہ نہیں رہتے۔

ثانیاً۔ وہ لوگ ہیں جو بالذات یا بالواسطہ روسیوں کی طرف ذرا کرنے  
 کیلئے روسیوں کی طرف سے معین ہیں۔

ثالثاً۔ وہ لوگ جنہیں برطانیہ اعظم کی عظمت کا بڑا گھنڈہ ہے  
 اور یہ سمجھتے ہیں کہ روس کی کیا مجال ہے جو ایسی بڑی سلطنت کے  
 مقابلہ میں آئے۔

رابعاً۔ وہ لوگ جو اپنے تئیں صلح جو یا صلح پسند کہتے ہیں وہ دیکھتے  
 ہیں کہ روس وسط ایشیا کو ہضم کرتا ہوا۔ شہر پر شہر لیتا۔ ہندوستان  
 کی سرحد کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ ادنیٰ معلوم ہے کہ ہندوستان  
 پر حملہ کرنے کے لئے روسی چالین بارہا ظاہر و ثابت ہو گئے ہیں

مگر پھر بھی انہیں اس بات کا یقین ہے کہ اگر انگلستان روس کی  
دست انداز می بین دخل نہ دے اور اس خیال کو دل سے نکال دے  
کہ روس ہندوستان پر حملہ کر نوا لاسے تو روس کبھی ہندوستان  
پر حملہ نہ کرے گا۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

چو خضم دید بجنکش تو نیستی تیار  
پی شکست تو خود حملہ آورد یکبار

ان آخر الذکر حضرات کے حسب حال مجھے ایک کبوتر کی نقل یاد آئی  
جس نے بلی کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر آنکھیں بند کر لی تھیں  
اور یہ خیال کیا تھا کہ اگر وہ بلی کو نہ دیکھے گا تو بلی بھی اسے نہ دیکھ لے گی  
مگر بلی نے اسے دیکھ لیا اور پکڑ کر چٹ کر گئی۔

اس بارہ میں جو کچھ مین اینک بیان کر چکا ہوں اس کے علاوہ  
ناظرین کی معلومات کے لئے مین یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مین بارہ  
برس تک روس میں رہا اور اس مدت قیام میں مجھے بخوبی معلوم

ہو گیا کہ بلا شک روس ہندوستان پر حملہ کرنے کی فکر میں ہے  
 اب رہا کل وجوہ بالتفصیل بیان کرنا کہ کیا چیز روس کو ہندوستان  
 پر حملہ کرنے کے لئے ترغیب دیتی ہے اس کے واسطے ایک  
 علیحدہ کتاب چاہیے پس اس قدر کہنا یہاں کافی ہو کہ روس بالطبع  
 ایک ملک گیر زوردار الموالعزم قوم ہے اور یہ خوب جانتی ہے  
 کہ ایشیا کی سلطنتوں میں کسی میں اتنا دم نہیں کہ تنہا اس کا مقابلہ  
 کر سکے البتہ برطانیہ اعظم ہندوستان میں ہے اور یہی اس کا مد  
 مقابل ہے۔ پس ضرور ہے کہ روس برطانیہ اعظم کو ایشیا میں اپنا  
 رقیب اور خطرناک دشمن سمجھے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اگر برطانیہ اعظم  
 حائل نہ ہوتا تو روس ایران و افغانستان و چین و ترکی کی مطلق  
 پر واکم کرتا اور نہ اون کی خود مختاری کو اس نے عرصہ تک وقعت کی  
 نگاہ سے دیکھتا۔ سو برطانیہ اعظم کے اور کسی پوربین سلطنت کے  
 مقبوضات مشرق میں ایسے نہیں جو قابل بیان ہوں پس وہ رکے

سب الگ رہتے اور روس کو اپنی راہ جانے دیتے اگر انہیں  
 بھی اس لوٹ میں کچھ حصہ ملتا تو اسے غنیمت سمجھتے اور مطمئن  
 رہتے۔ بمقابلہ روس کے مشرقی سلطنت میں انگلستان کی رعایا  
 کی تعداد بہت زیادہ ہے پس یہ انگلستان کا فرض ہے کہ روس  
 کی دست درازیوں پر مزاحمت کرے جو وہ ایشیا کے کمزور سلطانوں  
 کے ساتھ کرتا ہے اور اسے ہندوستان کی سرحد سے دور  
 رکھے۔ روس کو جو برطانیہ اعظم کی سی عظیم الشان سلطنت سے  
 نفرت ہے وہ بالکل ایک طبعی چیز ہے۔ جنگ کریمیا میں برطانیہ  
 اعظم کے ہاتھوں جو اسے نقصان پہنچا ہے وہ اتنا جلد بھول  
 نہیں سکتا اس کے علاوہ اور بہت سے پہلوئے ہیں جو ابھی پہنچنے  
 باقی ہیں۔

روسی ہندوستان کو لوٹنے کے لئے ایک سونے کی  
 چڑیا سمجھتے ہیں اور میں نے اکثر روسی سپاہیوں کو اس بات پر فرط

خوشی سنسنے ٹاچتے دیکھا ہے کہ کسی دن وہ بھی ہندوستان کی  
 لوٹ میں شریک ہوں گے۔ وہ آرزو کرتے ہیں کہ وہ دن آئے کہ  
 انگلستان اور روس میں ہندوستان کی سرحد پر لڑائی چھڑے۔  
 روسی اس قدر جاہل ہیں کہ ادھنیں یقین ہے کہ ہندوستانی انگریزوں  
 کو پسند نہیں کرتے بلکہ روسیوں کے طرفدار ہیں اور جس زمین پر  
 روسی گزرے وہاں آنکھیں بچھانے کو تیار ہیں۔ یہاں تک  
 کہ بعض بڑے بڑے روسی مدبروں کو بھی یقین ہے کہ جو وقت  
 روس کو ہمالیہ اور ہندو کش کی چوٹیوں پر سے ہندوستان  
 کی طرف نگاہ کرے گا سارے ہندوستانی بہڑوں کی طرح اٹھیں گے  
 اور انگریزوں کو اپنی نیش زنی سے تباہ کر دیں گے اور روسیوں  
 کے حامی ہوں گے فی الحقیقت ان کی جہالت اس درجہ بڑھی ہوئی  
 ہے کہ ان کا یہ عام عقیدہ ہے کہ روس کو دیکھتے ہی انگریزوں کو دم  
 بہاگ جانیٹے اور اپنی حفاظت کے لئے ایک گولی بھی نہ چلائیں گے



مجھے انیشہ ہے کہ روسی کسین اپنی حماقت کی سزا پائیگی۔

روسی یہ ٹھانے ہوئے ہیں کہ خوب عہد و پیمان توڑتے  
جاؤ آگے بڑھتے جاؤ ملک لیتے جاؤ انگریزوں کی دست درازیاں  
پر بے اعتنائی ظاہر کرتے ہیں یا خود بھی کوئی حصہ لیکر مطمئن ہو جاتے  
ہیں یہ چیز انگلستان کی کمزوری کا بڑا ثبوت ہے اور اس سے  
معلوم ہوتا ہے کہ اسے روس کا کقدر ڈر ہے اور انگلستان کے  
اس نفل سے کہ روس برابر بڑا آتا ہے اور وہ اسے روکنا نہیں  
روس کی وقعت مشرقی بادشاہوں کے نظروں میں بہت بڑھ گئی  
ہے اور انگلستان کی وقعت اور اعتبار گھٹ گیا ہے۔ روسیوں  
کے اختیار میں متصل ترقی ہونے سے روسیوں کو یقین ہے  
کہ مشرقی سلطنتیں بخوشی یا بجبوری روس ہی کا ساتھ دینگیں یا پانچویں  
وجہ یہ ہے اور غالباً یہ ایک معقول وجہ معلوم ہوتی ہے کہ روسیوں کا  
خیال ہے کہ انگلستان سے بحری لڑائی لڑنا بہت مشکل ہے مگر برٹش لڑائی

میں انگلستان کے پاس اتنی زیادہ فوج نہیں کہ اپنی سلطنت کے  
 دوسرے مقامات کو غیر محفوظ چھوڑ کر ہزار ہا میل تک سرحد کی حفاظت  
 کے لئے جمع کر سکے کیونکہ جب روس کی سرحد ازبکستان تاٹار کی انگلستان  
 سے جا ملے گی تب سرحد کا طول اتنا ہی ہوگا اور روسیوں کے خیال اور  
 انکی استعدادی جو ریل اور سڑکوں کی تعمیر سے ظاہر ہے اس کے لحاظ سے  
 تو وہ دن بہت دور نہیں معلوم ہوتا۔ یہ بیان کرنے کے بعد کہ روس کبھی  
 نہ کبھی ہندوستان پر ضرور حملہ کرے گا وہ محض موقع کی تاک میں ہے اسباب  
 میں ہمارے غور و لحاظ کے لئے کئی سوال پیدا ہوتے ہیں۔

میں کوئی نئی نہیں ہوں اور یہاں یہ مذہبی عقیدہ ہے کہ آئندہ  
 کا حال خدا ہی جانتا ہے اور سارے پوشیدہ اسرار اوس پر  
 عیان ہیں۔ کوئی شخص یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ کل کیا  
 ہوگا۔ مگر حالات پر نظر کر کے میں اپنی رائے ظاہر کرتا ہوں۔

لفظ غیر ممکن پر میرا اعتقاد نہیں اور فی الحقیقت دنیا میں کوئی چیز

غیر ممکن نہیں اگر کسی چیز کا ہونا خدا کو منظور ہو تو ضرور ہوگی گو ہمیں وہ  
 غیر ممکن معلوم ہو۔ خدا کے نزدیک کچھ غیر ممکن نہیں۔ اگر وہ کسی امر  
 کا ہونا نہ چاہے تو کوئی دنیوی قوت اسے وقوع میں نہیں  
 لاسکتی۔ پس یہ بات امکان سے باہر نہیں۔ یہ کہ روس ہندوستان  
 پر حملہ کرے مگر وہ تنہا بغیر کسی دوسری سلطنت کے شہکت یا نہ کرے  
 ایسا نہیں کر سکتا اور کسی دوسری سلطنت کا اس حمایت میں روس  
 کا ساتھ دینا بعید از قیاس ہے اگر ایسا ہوا تو کوئی اور سلطنت انگلستان  
 کی شریک ہو جائے گی۔ پس روس کے یہ منصوبے بے محض خواب  
 و خیال ہیں جو کبھی پورے نہ ہوں گے۔ یہ ممکن ہے کہ روس کا یہ  
 خواب و خیال کسی حد تک پورا ہو جائے جیسا کہ ایک ڈاکٹر کا  
 خواب تھا جس نے عالم رویا میں یہ دیکھا کہ ایک مریض کو اچھا  
 کیا ہے جس کے صلہ میں اس سے یہ کہا گیا ہے کہ جس قدر اشرافیان  
 وہ اٹھا کے خزانہ سے لیلے اس لالچی ڈاکٹر نے اتنی اشرافیان

اپنے اوپر لادین کہ اوسکے وزن سے اوسکے شانے اوکڑ گئے اور جب درد معلوم ہوا تو آنکھ کھل گئی دیکھا کہ اشرفیان تو نہیں ہیں مگر درد باقی ہے اسے تیراج روس بھی ہندوستان پر حملہ کرنے کیلئے اور اوسکے خزانے لوٹنے کے لئے بہت کچھ بیکار کا بوجہ اور دقتیں اپنے سر لگا جیسا کہ ڈاکٹر نے خواب میں کیا مگر نتیجہ بجز ناکامیابی اور کچھ نہ ہوگا اور اس مہم کا صدمہ باقی رہیگا۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ ہندوستان کے حکم میں کوئی اور سلطنت روس کا ساتھ دیگی یا نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض یورپین سلطنتیں دولت برطانیہ کی عظمت و شان کو بڑے رشک و حسد کی نظر سے دیکھتی ہیں اور اس حسد کی وجہ سے انہیں انگلستان کے ساتھ ایک بغض شدہ ہے مگر اس کے ساتھ ہی میں نہیں سمجھتا کہ ان سلطنتوں کو روس کے ساتھ کوئی خاص عشق ہے اور اس میں شک نہیں کہ انگلستان کے مقابلہ میں اوسکا روس کی طرف

ہونا اونکے لئے مضر ہے اس لئے کہ انگلستان روس کی طرح  
 ایسا دست دراز اور ظالم نہیں۔ چند سال سے قوم فریج کا میلان  
 روس کی دوستی کی طرف بڑھ رہا ہے اور انگلستان کی طرف سے  
 نفرت روز بروز ترقی پر ہے اس بات سے مجھے خیال ہوتا ہے  
 کہ شاید فرانس ہندوستان اور وائٹ نو کے گذشتہ واقعات یاد  
 کر کے روس کا شریک ہو جائے جسکو خود بھی انگلستان سے  
 کچھ پیمانہ عوض لینا ہے مگر ڈپلومیٹک واقعات کی رفتار پر نظر  
 کر کے کوئی بھی ہوشیار مبصر یہ کہہ سکے گا کہ اگر فرانس نے روس کا  
 ساتھ دیا تو جرمنی انگلستان کو مدد دے گا۔ اس میں شک نہیں کہ  
 جرمنی اور انگلستان کی باہمی قوت روس اور فرانس سے بدرجہا  
 بڑھی ہوئی ہے اس لئے کہ انگلستان دنیا میں اول درجہ کی بحری  
 طاقت رکھتا ہے اور جرمنی کی بری فوج نہایت مکمل اور آراستہ  
 میں سمجھتا ہوں کہ آسٹریا۔ اٹلی اور امریکہ کو بظاہر نہ روس کے

دشمن ہیں اور نہ انگلستان کے خاص دوست اس لئے وہ نہ ٹھل  
 خیال کئے جاتے ہیں مگر اونکا میلان زیادہ تر انگلستان کی  
 طرف ہے اور یہ چیز انگلستان کے لئے مفید اور روس کے  
 حق میں مضر ہوگی۔ ان سب باتوں کا خیال کر کے میں نہیں سمجھتا  
 کہ کوئی یورپین سلطنت یا امریکہ ہندوستان کے حملہ میں روس کا  
 شریک ہو اور دوسری بد مقابل سلطنتیں انگلستان کا ساتھ نہ دیں۔  
 اگر ایسا ہوا کہ بعض سلطنتیں روس سے مل گئیں اور بعض انگلستان  
 کی شریک ہوئیں تو ایک ایسی جنگ عظیم واقع ہوگی کہ دنیا میں کبھی  
 نہیں ہوئی اور یہ جنگ کسی خاص مقام پر محدود نہ رہے گی بلکہ سارے  
 عالم میں پھیلے گی۔ اسکے متعلق بعض مستند لوگوں نے بھی پیشین  
 گوئی کی ہے۔

خیر اب اس مسئلہ کو قطع نظر کر کے ہم ایشیا کی سلطنتوں کی  
 نسبت رائے زنی کرتے ہیں بجز جاپان کے ایشیا کی ہر سلطنت

صرف یہ چاہتی ہے کہ اپنا ملک محفوظ رہے۔ کسی کو ملک گیر عی کی  
 ہوس نہیں۔ انہیں کسی کی یہ نیت نہیں کہ انگلستان کے مقابلہ میں  
 روس سے مل جائیں یا روس کے مقابلہ میں انگلستان کا ساتھ  
 دیں۔ یہ لوگ روس اور انگلستان دونوں کو کم و بیش ملک گیر  
 زیر دست غاصب سلطنتیں سمجھتے ہیں۔ وہ فقط یہ چاہتے ہیں کہ  
 ان سے الگ الگ رہیں اور جہاں تک ممکن ہو اپنا ملک  
 بچائیں اور اپنا وقار قائم رکھیں۔ انہیں وجوہ سے ان میں کوئی  
 ایسا نہیں کہ ہندوستان کے حملہ میں روس کے شریک ہوں۔  
 بلکہ اونکا خیال ہے کہ انکی حفاظت روس اور انگلستان دونوں  
 کے قوی رہنے میں ہے اس لئے کہ جب دونوں ہم پلہ رہیں گی  
 تو ایک دوسرے کی دست درازیوں پر مزاحمت کر نیگی۔ غرض  
 ایشیا کے بادشاہوں کا تحفظ ان دونوں سلطنتوں کی رقابت  
 پر منحصر ہے ورنہ وہ جانتے ہیں کہ اگر یہ بات باقی نہ رہی تو اونکے

ملک دونوں آپس میں تقسیم کر لین گے۔ لہذا یہی بہتر ہے کہ ہر دونوں  
 راہوساکی کا معاملہ قائم رہے۔ ایک شاعر کہتا ہے کہ

شغال ہمیشہ مازندان را	انگیر و جز سگ مازند رانی
-----------------------	--------------------------

سلطنت جاپان وسط ایشیا میں نہیں واقع  
 ہے۔ روس کی راہ میں حائل نہیں۔ اسے کچھ فرض نہیں کہ ہندوستان  
 کے حملے میں روس یا انگلستان کا ساتھ دے مگر افغانستان  
 کی حالت دوسری ہے اس میں شک نہیں کہ سلطنت جاپان برطانیہ  
 کی بحری قوت سے خوش ہوتی ہوگی۔ اس لئے کہ اس کا فائدہ اسی  
 میں ہے۔ علاوہ برین اس کی خواہش بھی یہ ہے کہ دونوں ملکوں میں  
 دوستانہ تعلقات قائم رہیں اور دونوں کو ہمیشہ روس کی دست  
 دراز ہون کا ڈر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر روس نے  
 ہندوستان پر حملہ کیا تو ایشیا میں کوئی سلطنت اس کا ساتھ نہ دے گی  
 لیکن افغانستان کی سلطنت جو روز بروز ترقی کر رہی ہے وہ البتہ



ایک ایسی سلطنت ہے کہ جسکی نسبت روس اور انگلستان دونوں بیک  
اپنی اپنی چالوں میں ہمیشہ لحاظ رکھتا چاہیے ان دونوں بڑی  
سلطنتوں کے لئے ایشیائین کسی اور بڑی سلطنت کی نسبت افغانستان  
کی دوستی یا دشمنی بہت قابل غور ہے اسلئے کہ افغانستان کے پاس  
ایک ہزار فوج ہے جسین اگر کوکما اسلامی بہادر ہین جو فطرتی سپاہی  
ہین اور جب تک ایک شخص بھی اون میں سے باقی رہیگا وہ اپنے  
خدا اپنے نبی۔ اپنے گم۔ اپنے خاندان۔ اپنی قوم اپنے بادشاہ  
اپنی آزادی۔ اپنی خود مختاری کے لئے جان فدا کریگا۔ ملک  
کی پولٹیکل اور جغرافیائی حیثیت سے افغانستان کا بادشاہ بھی  
بہت قابل قدر ہے۔ اگر روس اور انگلستان میں جنگ ہوئی  
اور اسوقت تک افغانستان باقی رہا تو یاد رکھنا کہ وہی سلطنت  
فتح یاب ہوگی جو افغانستان کو اپنا شریک کر لگی۔ دراصل میرا تو یہ  
خیال ہے کہ جب تک افغانستان قائم ہے۔ اور برطانیہ اعظم

کے ساتھ اتحاد باقی سے یہ امر غیر ممکن ہو کہ روس کبھی ہندوستان پر حملہ کر نیکا قصد کرے یا ایشیا میں انگلستان سے لڑے۔ روس اس بات کو خوب جانتا ہے کہ جب تک افغانستان قومی اور خود مختار ہے ہندوستان پر حملہ کرنا غیر ممکن ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ افغانستان کو اپنی طرف ملا لے یا کسی حکمت سے اس کا وجود ہی مٹا دے۔ مدبرین روس کی ان چالوں پر غور کرنا بہت ضرور ہے جو اس کوشش میں ہیں کہ افغانستان کو نیست و نابود کر دیں۔ شاہ افغانستان واراکیں دولت برطانیہ کو لازم ہے کہ اس معاملہ میں بہت ہوشیار ہیں۔

یہاں پر یہ بیان کرنا مناسب ہوگا کہ روس اور ان وقتوں سے واقف ہے جو افغانستان کے مقابلہ میں پیش آئینگی۔ اور ان دشواریوں کو بہ نسبت اور لوگوں کے بہتر جانتا ہے جو محض کسی کتاب یا مضامین اخبار سے اپنی معلومات حاصل کرتے ہیں۔ یہہ

کتابین یا مصناہین ایسے لوگوں کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں  
 جو بغرض سیاحت ہفتہ عشرہ کے لئے ملک میں آتے ہیں اور  
 اور ہر چلنے دیتے ہیں۔ نہ انہیں اہل ملک کی زبان آتی ہے اور  
 نہ ان کی حالت سے واقف ہوتے ہیں۔ بڑی بڑی کتابیں تصنیف  
 کرتے ہیں جن میں ملک کے راز خفیہ تدابیر اور اہل ملک کے  
 خیالات درج کرتے ہیں۔ عوام ان کتابوں کو اور مصناہین کو بڑی  
 سند سمجھتے ہیں اور دراصل انہیں زیادہ تر تحقیق چاہیے اور جو کچھ  
 ان کتابوں میں لکھا ہے اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیے کیونکہ ایسی  
 کتابیں اور مصناہین پڑھنے سے بہ نسبت فائدہ کے نقصان ہوتا  
 ہے۔ ایسے کہ ملک کے حالات و انتظامات یا دیوان کے بادشاہ  
 و اہل ملک کے خیالات بالکل غلط درج ہوتے ہیں۔ ان مصنفین  
 کی جہالت پر مجھے اکثر ہنسی آتی ہے مثلاً میں ایک مثال لکھتا ہوں  
 بہت سے مصنفین نے اس چالیس سال کے عرصہ میں

افغانستان کے حالات لکھے ہیں جس میں یہاں کی آبادی پچاس  
 ہزار اور فوج پینتیس ہزار دکھائی گئی ہے یہ تعداد اونکے بیان کے  
 مطابق نہ کبھی کہلتی ہے نہ بڑھتی ہے بلکہ پچاس برس سے ایک  
 ہی طرح قائم ہے۔ میں اون کی اس لاعلمی پر الزام نہیں رکھتا۔  
 اس لئے کہ انہیں ملک کی حالت یا جو کچھ تغیرات ملک میں  
 ہوئے ہیں اوسکے دریافت کرنے کا کوئی وسیلہ نہیں۔ مگر میں لہذا  
 اس بات کا الزام دوں گا کہ غلط واقعات لکھ کر لوگوں کو مغالطے  
 میں ڈالتے ہیں اور جو چیز معلوم نہیں اوسکے جاننے کا ادعا کرتے  
 ہیں۔ خیر یہی شکر ہے کہ وہ آبادی یا فوج کی تعداد کو گھٹاتے  
 نہیں گو یہ امر یہی اون سے کچھ بعید نہ تھا۔

افغانستان ابھی ایسا قوی نہیں ہے کہ تنہا کسی کا مقابلہ کر سکے  
 اوسے اپنی حفاظت کیلئے فرض ہے کہ اپنے دوزبردست  
 ہمسایوں میں سے کسی ایک پر سہارا کر کے دوسرے کی دست

درازیوں کا تدارک کرے۔ جو شخص بغرض عبور دریا دو  
 کشتیوں میں پاؤں رکھیکا وہ ضرور پانی میں گر پڑیکا اور ڈوب  
 جائیکا اوسکو چاہیے کہ دونوں کشتیوں میں سے جسے وہ زیادہ  
 محفوظ خیال کرے اوسپر کھڑا ہو جائے۔ لیکن تاوقتیکہ ضرورت  
 نہ پیش آئے کوئی وجہ نہیں کہ وہ ایک کشتی پر سوار ہو اور دوسرے  
 پر گولی چلائے یہ کیونکر ممکن ہے کہ افغان کی سی چھوٹی طسی  
 سلطنت جو دوشیرون کے بیچ میں مثل ایک گوسفند کے ہے  
 یا چکی کے دو بہاری پتھروں کے درمیان مثل ایک دانہ گندم کے  
 ہے اوسے اتنی جرأت ہو سکے پسکر سرمہ نہ ہو جائیگی۔ پس  
 یہ لازمی بات ہے کہ اوسکی دونوں قوی ہمسایوں میں کوئی نہ کوئی  
 اوسکی مدد کرتا رہے اور اوسے اپنے رقیب کے پنجے سے بچائے  
 افغانستان بالکل آزاد اور خود مختار ہے اپنے دو ہمسایوں میں  
 سے جسکو چاہے ترجیح دے اور دوستانہ تعلقات بڑھائے

تاکہ فریق ثنائی خواہ مخواہ اوس پر حملہ نہ کرے۔ مین جانتا ہوں کہ ریل  
 اور سڑک جو روس تعمیر کر کے میرے ملک کے قریب تک لایا ہو  
 اوس سے نہ کو بہت تشویش ہے اور ہم بہت ہوشیار رہتے ہیں  
 مگر ایک لحاظ سے روس کی اتنی قربت افغانستان کے لئے  
 مفید بھی ہے اسلئے کہ اگر انگلستان بلا وجہ اور بلا تصور افغانستان  
 کو لینا چاہے تو وہ جانتا ہے کہ روس اس کے مقابلہ کے لئے  
 بہت قریب ہے۔ اس لئے اب افغانستان کی حالت وہ نہیں رہی  
 جو شاہ شجاع اور امیر شیر علی کے وقت میں تھی جب روس اتنی  
 دور تھا کہ اوسے اپنی فوجیں افغانستان کی سرحد پر لانا غیر ممکن  
 تھا۔ صحرا حایل تھے جہاں نہ ریل تھی اور نہ پانی کا نشان تھا۔

یہ بات بیان کر نیکی بعد کہ افغانستان بضرورت مجبور ہے  
 کہ اپنے ہمسایوں میں سے کسی ایک کا شریک ہو جائے  
 اب میں یہ بیان کرتا ہوں کہ بالفعل اوسکا فائدہ اسی میں ہے

کہ انگلستان کو ترجیح دے اور انگلستان کی دوستی و اعانت پر  
بہروسہ کرے۔

اولاً انگلستان کا یہ ارادہ نہیں کہ ایران یا ترکستان پر حملہ کرے  
جبکہ لئے اسے ایک ایسی سڑک بنانیکی ضرورت ہو جو افغانستان  
میں سے ہو کر گزرے البتہ روس ہندوستان پر حملہ کرنا چاہتا  
ہے اور اس لئے اسے میرے ملک میں سے گزرنے کی  
ضرورت ہے مگر اسکی نیت محض یہی نہیں کہ ملک میں سے گزر جائے  
بلکہ یہ چاہتا ہے کہ حتی الوسع افغانستان بھی لے لے۔

ثانیاً۔ انگلستان ایک بڑی بحری طاقت ہے۔ وہ نہیں چاہتا  
کہ خواہ مخواہ روس سے بڑی لڑائی لڑے۔ پس یہ امر تو خود انگلستان  
کے لئے مفید ہے کہ افغانستان روس اور ہندوستان کے  
درمیان مثل ایک ٹوی بفر اسٹیٹ کے حد فاصل بنا رہے  
اس صورت میں اگر انگلستان یہ چاہتا ہے کہ افغانستان قوی اور

محفوظ رہے تو یہ ایک طبعی بات ہے۔ اس لئے کہ افغانستان کی قوت اور حفاظت سے ہندوستان کی قوت اور حفاظت وابستہ ہے۔ بخلاف اسکے روس یہ چاہتا ہے کہ انگلستان سے بری لڑائی لڑے اس لئے اس کی خواہش ہے کہ افغانستان روس سے لمباے اور ہندوستان کے حملہ میں اس کی مدد کرے یا اس کی جو کچھ حیثیت ہے وہ بالکل مٹا دی جائے۔

مثلاً انگلستان کے پاس روپیہ ہے اور ہتھیار ہیں مگر سپاہیوں کی ضرورت ہے۔ افغانستان کے پاس سپاہی ہیں مگر اسے روپیہ اور ہتھیار کی ضرورت ہے تو انگلستان اور افغانستان دونوں کا باہمی فائدہ یہی ہے کہ دونوں آپس میں ملے رہیں تاکہ انگلستان کے لئے افغانی سپاہی کام آئیں اور افغانستان کے لئے انگلستان کا روپیہ اور ہتھیار۔ روس افغانستان کو کچھ روپیہ نہیں دے سکتا اس لئے کہ خود اپنی ضرورتوں کے لئے اس کے پاس نہیں ہے



اور اُسے افغانستان کے سپاہی بھی درکار نہیں اس لئے کہ خود  
اوس کے وہاں ضرورت سے زیادہ ہیں۔

رابعا۔ افغانستان کی دوستی روس کے لئے کچھ بکار آمد نہیں  
وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ ہندوستان پر حملہ کرتے وقت  
ملک میں سے گذر جائے جس کا مطلب یہ ہے کہ افغانستان  
روسیوں کے زیر قدم ہونچائے۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ روس والی افغانستان کو پنجاب یا ہندوستان  
کا کوئی اور حصہ دینے کا وعدہ کرے اور اوس کے ساتھ ہی دوپہ  
عہد و پیمان کرے کہ افغانستان کی خود مختاری پر کسی آنچ نہ آئیگی  
لیکن اس عہد و پیمان کا وہی انجام ہوگا جو اور سب عہد ناموں کا  
ہوا یعنی جب روس کو اوسکی ضرورت نہ رہیگی کا عدم کر دے گا۔  
بالفرض اگر کا عدم بھی نہ کیا جسے عقل باور نہیں کرتی۔ تو اوس  
صورت میں روس ہندوستان میں حکمرانی ہی نہیں کر سکتا جب تک

کہ اوس کی فوجیں عہدہ دار سیاح وغیرہ روس اور ہندوستان  
 میں افغانستان ہو کر متصل آمدورفت جاری نہ رکھیں ایسی حالت  
 میں افغانستان ہمیشہ روسیوں کے زیر قدم رہیگا اور وہ اپنی ضرورتوں  
 کے لئے ملک کے پیداوار جانور وغیرہ اپنے کام میں لائینگے  
 وہ افغانوں کو اپنے یہاں کی فوجی ملازمت کی طرف مائل کریں گے  
 اور جب کبھی لڑائی ہوگی تو مقابلہ کے لئے اونہیں کوسا منے  
 کر دیں گے جس سے انکے دو مقصد حاصل ہوں گے۔ اول تو افغانوں  
 کی تعداد گہٹنیکی دوسرے انکے مال و ازواج پر متصرف ہوں گے۔  
 مسلمان جنہیں اپنے ناموس و خاندان کی حرمت کا بڑا خیال ہے  
 روسیوں کے اس برتاؤ کو دیکھ نہ سکیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ  
 روس اور افغانستان میں لڑائی چھڑیگی۔ ایسے وقت میں انگلستان  
 کی مدد کی بھی توقع نہ ہوگی۔ ہزار ہا آدمی مارے جائیں گے اور ملک  
 صدمہ بیواؤں اور یتیم بچوں سمیت روس کے ماتھے لگیگا۔ میں یہ

نہیں کہتا کہ میرے لڑکے اور جانشین روس کے دشمن ہو جائیں  
 بلکہ میری تو یہ صلاح ہے کہ انہیں بظاہر دوست رہنا چاہیے۔  
 بلکہ دل سے دوست رہنا چاہیے اس لئے کہ روس ایک بڑی  
 سلطنت ہے ممکن ہے کہ کبھی نہ کبھی مصیبت کے وقت ان کے  
 کام آئے۔ افغانوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی حماقت ہونگی  
 کہ وہ بیٹھے بٹھائے روس کو چھیڑیں۔ بہترین اصول یہ ہے کہ  
 روس سے گاڑے تعلقات نہ بڑھائیں بلکہ "مخیر اکامورا وسطہا"  
 پر عمل کریں۔

اگر بدقسمتی سے انگلستان اپنا اصول بدل دے اور دست  
 اندازی شروع کر کے افغانستان لے لے یا اس کی خود مختاری  
 میں مزاحم ہو تو اس صورت میں افغانوں کو مجبوراً انگلستان سے  
 لڑنا ہوگا اور اگر بالکل شکست کھائی تب وہ روس سے مل جائینگے  
 اس لئے کہ اس وقت انگلستان کی نسبت روس سرحد افغانستان

سب سے بہت قریب ہوگا۔ اور افغانستان کی پوری مدد کر سکیگا۔ یہ چیز  
امیر شیر علی کے زمانہ میں نہ تھی۔ اوس وقت روس اس قدر  
دور تھا کہ اوس سے کچھ مدد نہ ہو سکی۔

المختصر افغانستان کو چاہیئے یہ اصول اختیار کرے کہ اپنے  
دونوں قومی ہمسایوں میں اوسکا دوست بنے جو دست دراز کرے  
اور دوسرا جو افغانستان کے ملک میں سے گزرنا چاہے یا  
اوسکی خود مختاری میں مغل ہو۔ اوس سے مخالف رہے۔

افغانستان کو چاہیئے کہ اپنی طرف سے ان دونوں میں  
کسیکو نہ چھیڑے اور نہ انہیں اپنے ملک میں کسی طرح آنے  
دے گا اوسکے عہد و پیمان کچھ ہی ہوں۔

روسی مدیرین کا اصول جو ایشیا میں پولیٹیکل بساط بچھائے  
ہیں بہت قابل تعریف ہے روسی گروہ مدیرین کی چالیں مثل  
ایک فوج کے پردوں کی ہیں۔ جو کسی بڑے کار آزمائے مائٹران چھپ

کے تابع حکم ہوں جو اپنی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ایک ہی وقت میں کئی جگہ لڑا رہا ہو۔

وہ ان چاروں پر ونگو اس طرح ترتیب دیتا ہے کہ اُن میں سے کوئی دشمن سے لڑنے یا حملہ کرنے کا ارادہ اوس وقت تک نہیں ظاہر کرتا جب تک کہ عمدہ موقع نہ پیش آئے۔ وہ دشمن کی توجہ کسی ایک مقام سے بٹائے رکھتا ہے اور جو نہیں وہ غنیمت کو کمزور اور غافل پاتا ہے فوراً حملہ کر دیتا ہے اور اُسے حملہ کی روک کے لئے تیار ہونے کا موقع نہیں دیتا۔

گورنمنٹ روس کے افسر مشرق میں ان چار مقامات پر سرگرم رہتے ہیں جو ذیل میں درج ہیں۔

کوریہ اور چین ایک طرف۔ پامیر اور افغانستان دوسری طرف۔ ایران تیسری جانب اور ترکی چوتھی طرف۔ ان چاروں مقامات کے علاوہ وہ کسی اور مقام کو جسے ہوشیار اور اسپتہ

مقابلہ کے لئے تیار پاتے ہیں محسوب نہیں کرتے اور اپنے حلقے  
محض کمزور اور غافل سلطنتوں پر محدود رکھتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے

۵ سکندر کہ با شتر قیان حرب داشت

رخ خیمہ گویند در غرب داشت

ایسی چالوں سے امیر شیر علی کے وقت میں روسیوں کو افغانستان  
میں بہت رسوخ حاصل تھا مگر میر سے زمانہ میں انہیں معلوم ہو گیا کہ  
اب کوئی فقرہ نہیں چلتا۔ اولاً پنجہ یہ۔ قلعہ نوا در مغرب پر خوب  
چالیں چلے مگر اب سمجھ گئے ہیں کہ افغانستان غافل نہیں ہے  
اگر زیادہ چین چنان کریں گے تو وہ معقول خبر لیگا۔ جب یہاں سے  
میلوس ہوئے تب انہوں نے اپنی توجہ پامیر کی طرف رجوع  
کی مگر جو نہیں انہوں نے دیکھا کہ انگلستان کشمیر اور چترال کی  
سرحد پر اوسکے خیر مقدم کے لئے تیار ہے انہوں نے وہ مقام  
بھی چھوڑ دیا اور چین کی طرف متوجہ ہوئے مگر جب وہاں بھی

انگلستان اور جرمنی اور فرانس کو برسرِ مقابلہ تیار پایا تو ادھر سے  
پھر ایران کی طرف پلٹے۔

غالباً۔ روسی افسر یہ خیال کرتے ہیں کہ والی افغانستان اپنے  
یہاں کی فوجی تیاریاں روک دیگا۔ جب دیکھے گا کہ روسی ہندوستان  
پر حملہ کرنے کے لئے پامیر کی طرف سے چترال و کشمیر اور پنجاب  
آئینگے اور ایران و سیستان اور خلیج فارس کی طرف سے کراچی اور  
کوئٹہ پر حملہ کریں گے اور چین کی سمت سے برما اور بنگال پر حملہ آور  
ہوں گے اور افغانستان کو تلوار چھوڑ دیں گے۔ لیکن افغانوں کو جاننا  
چاہیے کہ اس طرح افغانستان چھوڑنے کے لئے روسی میری  
موت کے منتظر ہیں یا کسی اور موقع کی تاک میں ہیں مجھے افسوس  
ہے کہ میرے روسی دوستوں کو کئی دفعہ نا اُمیدی ہوئی گو انہوں  
نے تکلیف کر کے میری موت کا اشتہار بھی دیدیا حالانکہ میں زندہ  
ہوں اور اونکی چالوں کو خوب غور سے دیکھ رہا تھا اگر میں مرا نہیں تو

یہ ہم میرا قصور نہیں۔ میں ادنیٰ خوشی کے لئے نہیں مر سکتا اس لئے کہ موت ایک مشیت ایزدی ہے۔

روسی فوجیں جو افغانستان کی سرحد کے قریب جمع ہو رہی ہیں شاید اسلئے ہوں کہ ایران کی طرف رخ کریں یا شاید میرے ڈرانے کے لئے جمع کی گئیں ہوں تاکہ میں افغانستان کو چھوڑ کر وہاں سے لجاؤں۔ یا یہ فوجیں انگریزی مدبرین کو تردد میں ڈالنے کیلئے اور کسی دوسری جانب انگریزی فوج کے رخ کو روکنے کے لئے جمع کی گئیں ہوں۔ یا شاید یہ فوجی تیاریاں اس لئے ہوں کہ اسحاق کو مدد دیکر اوجھار میں کہ میرے مرنے کے بعد تخت کابل کا دعویٰ کرے یا غالباً اس غرض سے ہوں کہ جب انگریز قندھار پر قبضہ کریں تو روسی ہرات اور بلخ کو لے لیں۔ المختصر کوئی سمجھ نہیں سکتا کہ سرحد افغانستان پر فوجیں جمع کرنے سے اونٹا کیا منشاء ہے۔ میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں ایسا آدمی نہیں کہ کسی کو ڈرانے



سے ڈرجاؤن۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ روسی ہرات لینے والے  
 ہیں وہ واقعات سے بہت کم واقف ہیں۔ روسی افسر ایسے  
 بیوقوف نہیں ہیں اونکا حافظہ ایسا ناقص نہیں ہے کہ ۱۸۳۷ء  
 کا واقعہ بھول گئے ہوں جب ہرات ایک شراب خوار احمق کامران  
 کے قبضہ میں تھا جو صرف یہی ایک شہر رکھتا تھا افغانستان بھی  
 اوسکے پاس نہ تھا مگر روس اور ایران دونوں ملکہ ہرات نہ لے سکے  
 اور چھ مہینے محاصرہ کر کے اپنا سامانہ لیکر واپس گئے اور ہرات  
 فتح نہ ہوا۔

میں اسوقت ایک ہفتہ کے اندر ایک لاکھ فوج ہرات پر  
 جمع کر سکتا ہوں۔ اب افغانستان کے پاس ایسا عمدہ سامان جنگ  
 اور سپاہی موجود ہیں کہ وہ دکھاویگا کہ وہ کیا کر سکتا ہے۔ اگر روسی  
 نے کسی مسلمان سلطنت کیساتھ جنگ چھیڑی تو کل روسی ترکستان  
 میں جتنے مسلمان رئیس۔ ملا اور سرداران قبائل ہیں انکو ترغیب

دیکر مین سارے ترکستان مین غدر کر دوں گا۔ ان سب باتون کا خیال کر کے روسی افسر خوب جانتے ہیں کہ میری زندگی مین ہرات پر حملہ کرنا محال ہے اسلئے کہ مین اوںکی خیر لینے کے لئے پورا تیار ہوں۔

اب رہی افغانستان کی شمالی و مغربی سرحد مین نے اوسکے لئے سرحد کے اختتام پر قلعہ و ہداوی بنایا ہے جو بلخ کی حفاظت اور استحکام کیلئے تعمیر ہوا ہے۔ یہ قلعہ بارہ برس مین تیار ہوا اور ہزار ہا مزدورون نے روز کام کیا۔ یہ قلعہ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے جہان سے وہ ستر کین نظر آتی ہیں جو دریا کے جیمنون سے سرحد افغانستان کی طرف آتی ہیں۔ قلعہ کی دیوارین اور برج اس طرح زمین مین چھپی ہوئی ہیں کہ بہاری سے بہاری تو بین قلعہ کو نقصان نہیں پہونچا سکتین بعض ماہران فنون جنگ کا یہ کہنا بالکل بیا ہے کہ قلعے کو کیسے ہی مضبوط ہوں مگر آجکل کی

نئی توپوں کے سامنے وہ ہیچ ہیں۔ مین نے کوئیک فائرنگ  
 بحری توپیں۔ کرپ۔ ہاچکس۔ نارڈن فلٹ میگزیم اور دوسرے  
 بہترین اقسام کے سامان جنگ اس قلعہ میں فراہم کئے ہیں  
 جو آجکل کسی سلطنت کے پاس ہو سکتے ہیں۔ اور اگر ادن مین کوئی  
 اور ایجاد ہوگی تو سب سے پہلے مین انہیں منگوائیں گا۔ اس معاملہ  
 میں مین اپنے ہمسایہ والون سے پیچھے نہ رہیں گا۔

روس اگر ہر اٹ پر حملہ کرے گا تو مرد اور عشق آباد کی طرف سے  
 آئیگنا جہان سے قندہار اور کوئٹہ کو سڑک گئی ہے۔ اگر بلج پر حملہ  
 کرے گا تو تاشقند اور سمرقند کی طرف سے آئیگنا اس لئے کہ بلج  
 اوس سڑک پر واقع ہے جو کابل سے پشاور کو گئی ہے اور اگر فیض آباد  
 و کشتان پر حملہ آور ہوگا تو بدخشان کی طرف سے آئیگنا۔ یا اگر روس  
 کا یہ ارادہ ہو کہ افغانستان اور ہندوستان دونوں پر ایک  
 ساتھ ہی حملہ کرے تو پامیر کی طرف سے داخان۔ چترال۔ کشمیر

پر حملہ آور ہو گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آئندہ روس کو ہندوستان پر  
 حملہ کرنے کے لئے برما اور ایران میں کوئی سوراخ مل جائے۔  
 جب روس پنجاب میں قریب آیا میں نے ہرات کی قلع بندی  
 پہلے سے زیادہ مضبوط کر دی۔ اسپر روس نے بلخ کی طرف سرگرمی  
 ظاہر کی تب میں نے بلخ کو بھی قلع بندی کر کے خوب مستحکم کر دیا۔  
 تب روس نے بدخشان اور پامیر کی طرف توجہ کی اس کا جواب میں نے  
 یون دیا کہ کافرستان فتح کر لیا اور جلال آباد۔ لم خان۔ کابل اور  
 پنج شہر سے سرٹکین بنا دیں اور اوس طرف بھی روسیوں کے مقابلہ  
 کے لئے تیار ہو گیا۔ ۱۹۳۳ء میں میں نے سر مارٹن ڈیوراند سے  
 کہا کہ اگر انگریز ہم سے چترال اور بچور لے لینگے تو میں روسیوں کی  
 دست اندازی سے واخان کو نہ بچا سکوں گا۔ چنانچہ میں نے  
 واخان انگریزوں کی ذمہ داری پر چھوڑ دیا اور انکو اختیار ہے اسکی  
 حفاظت کریں یا نہ کریں۔ اب چونکہ روسی ایران کی طرف زیادہ

سرگرمی دکھا رہے ہیں اس لئے مجھے ضرور ہے کہ افغانستان کے جنوبی اور مغربی سرحد کی طرف زیادہ توجہ کر دوں جوہرات اور قندھار کے درمیان واقع ہے۔ چنانچہ اس طرح روسی مدبر بدھہر چاہیں اپنی فوجیں لیجا لیں مجھے بھی اپنے مخبروں کے ذریعہ سے برابر خبر رہتی ہے اور دو چند سپاہی اس مقام پر پہنچ دیتا ہوں تاکہ اگر روسی بہت قریب آئیں تو اونکی مزاج پر سی کر لیجائے۔

اسکے علاوہ میرے دربار میں بدخشان دروازہ کو لابلہ۔ روشن بخارا کے معزول حکمران موجود ہیں اور میں نے ان امیروں اور ترکمانی سرداروں کے لڑکوں سے اپنا خاص باڈی گارڈ بنایا ہے۔ اس بات سے وہ سب مجھ سے بدل خوش ہیں اور ہمارے اور اونکے درمیان رشتہ اتحاد بہت مضبوط ہو گیا ہے۔ اگر روس نے کبھی میرے ملک کا رخ کیا تو یہ چیز بہت کام آئیگی۔ گو مجھے یقین ہے اور روسی بھی خوب جانتے ہیں کہ جب تک

میں زندہ ہوں افغانستان اور انگلستان ایک ہیں۔ وہ کہی ہرات  
یا افغانستان کے کسی اور مقام پر حملہ نہ کریں گے۔ مگر روسی اپنی فوجیں  
اس حیلہ سے میرے ملک کی سرحد کے قریب جمع کر رہے ہیں  
کہ اُن سے دان کی رعایا کی حفاظت مقصود ہے اگر میرے  
مرنے کے بعد افغانستان میں بلوہ ہو تو اپنی رعایا کو بچا سکیں۔  
اس سے یہ نہنی نکلے ہیں کہ گویا میری موت افغانستان کے لئے  
اشارہ ہوگی کہ میرے مرتے ہی وہ روس پر حملہ کر دیں۔ پس  
میں بھی اگر روسی سرحد کے قریب اپنی فوجیں جمع کروں تو واجب  
ہے اس لئے کہ اگر روسی مسلمان یا روس کی اور بیدل رعایا روس  
میں بلوہ عام کرے تو میری فوج کے ڈر سے امن قائم رہے  
اس لئے کہ کسی حربیوں دشمن کو ڈرانے کے لئے ایک زبردست فوج  
کا وجود ہی پس ہوتا ہے۔

مجھے یقین کامل ہے کہ بالفعل روس کی یہ مصلحت نہیں کہ

انگلستان یا افغانستان سے جنگ کرے اس لئے کہ گورنمنٹ  
 روس ایسی جنگ کے لئے تیار نہیں ہے بلکہ اس کا اصول یہ ہے  
 کہ آہستہ آہستہ استقلال کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیے اور ان  
 سلطنتوں سے تھوڑا ملک لینا چاہیے جو بہت کمزور ہیں اور اپنے  
 تین بچا نہیں سکتیں۔ چنانچہ اس اصول کو روس جاری رکھنا  
 چاہتا ہے تاکہ تدریجاً اسکی سرحد ایک سرے سے دوسرے  
 سرے تک سلطنت ہند سے مل جائے جب اس کی تکمیل ہو جائیگی  
 تب وہ انگلستان سے جنگ چھیڑیگا۔ ایسی حالت میں روس کے  
 اس منصوبہ کو پورا ہونے کے لئے بہت زمانہ چاہیے اور اس  
 درمیان میں ممکن ہے کہ بہت سے ایسے واقعات پیش آئیں  
 جنکی وجہ سے روس اور انگلستان میں جنگ رک جائے۔

صرف بنظر دور اندیشی یہ بحث کی گئی ہے کہ اگر ہندوستان  
 اور افغانستان دونوں میں اتفاق رہا تو روس حملہ نہ کر سکیگا یا نہ کرے گا

اس سے یہ غرض نہیں ہے کہ ہم محض ایک خیالی اطمینان پر بھروسہ کر کے بالکل غافل ہو جائیں۔ اس سے بڑھکے کوتاہ اندیشی اور حماقت نہیں ہو سکتی اگر ہم روسیوں کی دست دراز یوں کا تذکرہ کرنے کے لئے تیار نہ رہیں۔

ہندوستان اور افغانستان کی طرف روسیوں نے جو پالیسی اختیار کی ہے اس کو روکنے یا بالکل مٹانے کے لئے بین تجویزین تو بہت پیش کر سکتا ہوں مگر بالفعل میں صرف اشارۂ چند ضروری امر بیان کر دینگا۔ سب سے پہلا اور نہایت ضروری امر جسکی بابت اقل ہی زور دیکھا ہوں یہ ہے کہ انگلستان اور افغانستان اپنے اتحاد میں خوب مضبوط بنے رہیں۔ جب تک یہ اتحاد قائم رہیگا روس کبھی نہ ہندوستان پر حملہ کریگا نہ افغانستان پر جو انگریز یہ کہتے ہیں کہ ہرات یا کسی اور حصۂ افغانستان کے لئے ہم کیوں روس سے لڑیں وہ محض جاہل ہیں۔ اوٹکو معلوم نہیں کہ ہرات۔ ہندوستان



کی کنجی ہے۔ ہرات کے لئے لڑنا عین ہندوستان کے لئے لڑنا ہے۔  
 اگر روس نے ہرات اور افغانستان لے لیا تو پھر اوسے  
 ہندوستان پر حملہ کرنے میں کچھ دقت ہی نہ ہوگی اس لئے کہ جب  
 ہندوستان کی سرحد روس کی سرحد سے جا ملیگی تو اوس وقت  
 انگلستان کو ہندوستان میں حکومت کرنا بہت دشوار ہوگا ایک  
 بڑی فوج رکھنے کی ضرورت ہوگی۔ اتنی بڑی کہ ہندوستان کا  
 خزانہ اوس کے بار کا تحمل نہ ہو سکیگا۔ اسکے علاوہ جب روس  
 ہندوستان کا ہمسایہ ہوگا تو اوپر بہت سی پیچیدگیاں اور دو قہتیں پیش  
 آئیں گی۔ خصوصاً جو قوت افغانستان اور ترکمان کے بہادر پاہی  
 روسی جھنڈے کے نیچے لڑ رہے ہوں گے تو اوس وقت انگلستان  
 کو اپنی حفاظت اور اپنے مقبوضات کے بچانے کے لئے  
 ایک لشکر عظیم درکار ہوگا اگر انگلستان کی نیت یہ نہیں ہے کہ (سیری  
 گورنمنٹ کے ساتھ جو اس مضمون کے عہد نامے ہوئے ہیں کہ

انگلستان بمقابلہ روس افغانستان کو بچائیگا توڑے جائیں اور  
 ہرات کے معاملہ میں روس سے لڑنا بھی نہیں چاہتا ہے تو ان  
 صاحبوں کو چاہیے کہ اس پالیسی کا عام اعلان نہ کرتے پہرین اسلئے  
 کہ اگر روس افغانستان پر حملہ کرے گا تو وہ حملہ محض ہندوستان پر  
 حملہ کرنیکی غرض سے ہوگا۔ جب تک روس یہ جانتا ہے کہ انگریز اور  
 افغان دونوں یکدل ہیں۔ دونوں ساتھ لڑینگے یا دونوں ساتھ  
 مرینگے۔ تب تک وہ کبھی دونوں میں کسی پر حملہ نہ کرے گا۔ اسلئے  
 کہ جانتا ہے کہ دونوں کی متحدہ قوت اوس کے لئے بہت زیادہ ہے  
 دوسرا امر یہ ہے کہ جب تک انگلستان روس کی رفتار نہ روکے  
 وہ نہ رکینگا۔ اگر انگلستان اوسکی دست دراز یوں کو روکنا چاہتا ہے  
 تو اوسکو چاہیے کہ وہ ضعیف دست اور مجہول پالیسی کو ترک کرے  
 جو اب تک گذشتہ انگلش مدبرین کی رائے سے چلتی رہی۔ اگر ایک  
 دفعہ ڈاٹ کر روس سے یہ کہہ دیا جائے کہ اب اگر آگے بڑھو گے

تو جنگ ہو جائیگی تو وہ باسانی پیچھے ہٹ جائیگا۔ مین خوب جانتا ہوں  
 کہ روس اس وقت جنگ کے لئے تیار نہیں ہے اور نہ یہ چاہتا ہو  
 کہ انگلستان کے ساتھ جنگ ہو مگر جب تک انگلستان روسی  
 دست اندازیوں پر خاموشی اور بے پروائی ظاہر کرتا رہیگا تب تک  
 روس آہستہ آہستہ بڑھتا ہی چلا جائیگا۔ اگر روس نے افغانستان  
 ایران یا ترکی ان تینوں ملکوں میں سے کسی ملک پر قبضہ کر لیا یا  
 اس سے اپنے دائرہ اختیار میں لے لیا تو باقی دو ملکوں کو ضرر پہنچے گا  
 اور ہندوستان پر بھی اسکا اثر ہوگا۔ لہذا اگر وہ ان ملکوں میں سے  
 کسی ملک کو لینا چاہے تو اسکی مخالفت کرنا چاہیے۔  
 سعدی فرماتے ہیں۔

سرچشمہ شاید گرفتار ہو	چو پیر شد نباید گرفتار ہو
تیسرا طریقہ ہندوستان کی طرف روسی دست درازیوں کے روکنے	کاہل ہے کہ انگلستان کو چاہیے کہ افغانستان کو روپیہ اور سامان جنگ

وغیرہ کی مدد دیکر خوب مضبوط کر لے اور روس سے صاف صاف  
 کہہ دے کہ اگر میری زندگی مین یا میرے بعد افغانستان کے  
 معاملات میں کوئی دست اندازی کی جائے گی یا تخت کابل کیلئے  
 کوئی دعویدار کھڑا کیا جائیگا تو روس اور انگلستان میں جنگ ہوگی۔  
 جب تک افغانستان کے پاس کافی روپیہ اور ہتھیار ہیں۔  
 اس سے اس بات کی ضرورت نہیں اور نہ وہ چاہتا ہے کہ انگریزی  
 فوج روسیوں سے لڑنے کے بہانے کی وقت ملک میں داخل ہو لبتہ  
 اس وقت افغان انگریزی فوج کو بخوشی اپنے ملک میں  
 آنے دینگے۔ جب یہ دیکھیں گے کہ روسیوں سے انہوں نے  
 شکست فاحش کھائی۔ اور اب کوئی ذریعہ ملک بچانیکا نہیں ہے۔  
 مگر جب تک افغانوں میں خود لڑنیکا دم باقی ہے وہ دشمن کو اپنے  
 ملک سے نکالنے کے لئے انگلستان یا روس کے ایک سپاہی  
 کو بھی اپنے ملک میں قدم رکھنے کی اجازت دینگے اور ایسا ہی

کرنا بھی چاہیے درنہ پھر اس فوج کو اپنے ملک سے نکالنا جس  
خود بلایا ہو محال ہو گا۔ وہ ہمیشہ اسی ملک میں رہنے کا بہانہ ڈھونڈی  
اور یہ کہی کہ وہ قیام امن کے لئے رہتا چاہتی ہے۔ ایسی حالت  
میں اگر انہوں نے دیکھا کہ ملک میں امن ہے اور لوگ اونکے  
رہنے سے ناراض نہیں تو بس وہ وہیں رہیں گے۔ اگر لوگوں  
نے انہیں بلوہ کیا تو اس وقت یہ کہا جائیگا کہ جبکہ تم خود اسکا باعث  
ہوئے پھر ہمیں اپنے وعدہ کی پابندی کہ تمہارا ملک تمہیں واپس  
دین کچھ ضرور نہیں۔“

اگر انگلستان اور روس نے اتفاق کر کے یہ چاہا کہ افغانستان  
آپس میں تقسیم کر لیں تو یہ یقین سمجھنا چاہیے کہ ہندوستان میں  
دو لڑائی کی جنگ کی بنا پر ہی اور ایسا عمدہ نامہ ہوتے ہی یہ جنگ  
واقع ہوگی اگر اس طرح افغانستان کی تقسیم ہوئی تو بلج۔ ترکستان۔  
کعتان۔ ہرات اور قراچ جو ممالک ہندو کش کی مغرب میں واقع

ہمین وہ روس کے حصہ میں آئیں گے اور یہی افغانستان کے  
 بہت شاداب و زرخیز خطے ہیں۔ اب رہا جلال آباد و کابل یہ دونوں  
 انگریزوں کے ہاتھ آئینگے اور انکا محاصل اتنا ہی نہیں کہ اخراجات  
 کے لئے کافی ہو یہ بڑی غلطی ہے کہ کارپردازان برٹش میری  
 دوستی میں شک کریں جب وہ دیکھتے ہیں کہ والی افغانستان  
 عقلمند و زبردست و فادار ہے تو اونکا فرض ہے کہ اس کی حمایت  
 کریں اسلئے کہ اسی میں اونکا فائدہ ہے۔ اگر تخت کابل پر کوئی کمزور  
 نا تجربہ کار۔ بے اعتبار شخص امیر ہوتا تو البتہ افغانستان اور  
 ہندوستان دونوں کے لئے خوف تھا۔

میری چوتھی رائے یہ ہے کہ انگریزوں کو ایران و ترک کی سے  
 غافل نہ ہونا چاہیے جیسا کہ چند سال سے ہو رہے ہیں۔ اونکو چاہیے  
 ان دونوں ملکوں کو روس کے پنجے سے بچائیں اور اس بات کی  
 کوشش کریں کہ ایران و ترک کی مضبوط ہوں اور ان سے دوستانہ

تعلقات بڑھتے جائیں۔ میری رائے کے موافق جو مین اوپر بیان کر چکا ہوں انگلستان کو چاہیے کہ ایران۔ ترکی اور افغانستان میں اتحاد ثلاثہ قائم کرے جسکے یہ معنی ہونگے کہ روس کے سامنے ساری اسلامی دنیا کی ایک مضبوط دیوار کھڑی ہو جائے گی جو روسیوں کی دست درازیوں میں سدسکندری کا کام دیگی۔ علاوہ برین اس سے یہ نتیجہ ہوگا کہ تمام ایشیا میں جہاں روسی دست اندازیوں جاری ہیں ایک عام امن قائم ہو جائیگا اور آئندہ کسی خوفناک جنگ کا اندیشہ باقی نہ رہے گا۔ یہ ظاہر ہے کہ جب تینوں اسلامی سلطنتیں جو ہم ملت ہیں متحد ہو جائیں گی اور انگلستان کی دوست ہوئی تو یہ سمجھنا چاہیے کہ کل اسلامی دنیا انگلستان کے ساتھ ہوگی۔

میری پانچویں تجویز یہ ہے کہ انگلستان اور افغانستان دونوں کو چاہیے کہ اپنی فوجیں نہایت آراستہ کریں۔ اپنی رعایا کی آسودگی

اور بجالی کی طرف توجہ کریں اور فوج اس قدر رکھیں کہ دشمن کے  
مقابلہ کے لئے کافی ہو جس طرح بیمار ہونے سے پہلے کوئی مقوی  
دوا کھانا بہتر ہے یہ نسبت اسکے کہ بیمار ہو کر مرض کی دوا کا استعمال کرنا  
ایک شاعر کہتا ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ امن قائم رہے تو جنگ  
کی تیاریاں ظاہر کرو۔ رعایا کو خوش آسودہ اور تعلیم یافتہ کرنے سے  
ملک کی بنا مضبوط ہوتی ہے اس لئے کہ رعایا مثل دیواروں کے  
ہیں جن پر سلطنت کی عمارت قائم ہے۔

افغانستان کی آسودہ حالی اس طرح ممکن ہے کہ صنعت و تجارت  
کو ترقی دی جائے اور تجارت کے ذرائع وسیع کئے جائیں تاکہ رعایا  
کو کسب معاش کا ذریعہ ملے اور آرام سے زندگی بسر کر سکیں۔ دوسرا  
ذریعہ یہ ہے کہ فاتح اور مفتوح اقوام میں ربط مضبوط پایا جائے  
اور لوگوں کے خیالات پر غور کیا جائے۔ انکی فریاد سنی جائے  
اور ہلّا امتیاز قوم و ملت و رنگ و مذہب یکو مساوی حقوق دئے



جائیں۔ مین روسیوں کے اس اصول کی تعریف کرتا ہوں جو انہوں نے روسی ترکستان میں اپنی مشرقی رعایا کے ساتھ برتا ہے۔ وہاں کے دیسی لوگ فوج میں کرنل اور جنرل تک کی خدمت پاتے ہیں اور آپس میں دولوں تو مین شادی بیاہ تو اکثر کرتی ہیں۔ وہاں ہندوستان کا ساحل نہیں ہے جہاں اس قسم کی شادیاں بہت شاذ و نادر ہوتی ہیں اور انگریز ہمیشہ ہندیوں سے الگ الگ رہتے ہیں۔ اگر کوئی انگریز کسی ہندوستانی عورت سے شادی کر لے تو اپنی گروہ میں بگڑتا ہے اور سب انگریز اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اسکا نتیجہ یہ ہے کہ انگریز اور ہندوستانی ایک دوسرے کے خیالات اور حالات پر غور نہیں کر سکتے اور ایک دوسرے سے بالکل اجنبی رہتے ہیں۔

ایک اور بات ہندوستان میں قابل افسوس یہ ہے کہ وہ دوستانہ تعلقات جو قدیم انگریز عمدہ داروں اور ہندوستانیوں

مین ہوا کرتے تھے اب بہت کم ہیں کیونکہ نئے تعلیم یافتہ نوجوان  
 سولین جو امتحانات پاس کر کے انگلستان سے ہندوستان کو آتے  
 ہیں انہیں کچھ دیوئی تجربہ نہیں ہوتا اور اپنی مدت ملازمت کو  
 ہندوستان میں ایک عارضی چیز سمجھتی ہیں اور چونکہ اب ہندوستان  
 اور انگلستان کے درمیان آمد و رفت کے ذرائع آسان ہو گئے  
 ہیں اس لئے وہ اپنے دوستوں سے ملنے کے لئے جلد جلد  
 ولایت جاسکتی ہیں اور ہندوستان میں کسی سے دوستی پیدا کرنا  
 نہیں چاہتے۔ بخلاف اسکے پہلے یہ دستور تھا کہ قدیم اینگلو انڈین  
 لوگ ہندوستان میں ہودو باش اختیار کرتے تھے۔ اسے اپنا گھر سمجھتے  
 تھے اور ہندوستانیوں سے دوستی و رحم و راہ بڑھاتے تھے۔  
 یہ بیان کر کے کہ ہندوستان اور افغانستان پر روس کا حملہ  
 کرنا ممکن ہے اور کن ذرائع سے یہ حملہ رک سکتا ہے مین اب  
 یہ ظاہر کر دینا کہ روس کہاں تک اپنے خیالات میں غلطی پر ہے۔

اور آیا ہندوستان پر حملہ کرنا ممکن ہے یا نہیں۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مجھے افسوس ہوتا ہے  
 اس لئے کہ میرے روسی دوست جنہوں نے میری بڑی خاطر و  
 مدارات کی مایوس ہونگے۔ مگر میں اون سے یہ کہتا ہوں کہ جب تک  
 افغانستان روس کا شریک نہ ہو ہندوستان کا حملہ غیر ممکن ہے  
 اور اس حملہ میں افغانستان روس کا ساتھ دے یہ امر زیادہ تر محال  
 ہے۔ اگر روسی مجھے اپنا سچا دوست سمجھ کر میری نصیحت سنیں تو میں  
 درحقیقت انہیں ایک بہت ہی عمدہ رائے دوں گا اس لئے کہ میں  
 اون کا مرہون سنت ہوں۔ اون کو چاہیے کہ اس بازی سے باز آئیں  
 اس کا نتیجہ روس کے لئے تباہی ہے اور یقیناً اس نقل کا  
 مصداق ہو گا جو میں ذیل میں لکھتا ہوں۔

ایک شخص بہت دہشتا تھا اور اس کی جو رویہ چاہتی تھی کہ  
 خوب موٹا ہو جائے اسے بہڑوں کے چھتے چھڑنے کا بڑا

شوق تھا گو عورت او سے منع کر چکی تھی کہ ایسا نہ کیا کر  
 ایک دن یہ اتفاق ہوا کہ بہترین چھتے سے ٹکڑاؤ سے چمکنیز  
 خوب ڈنکڑہ مارے۔ جب وہ گہرا آیا تو تمام جسم سو جا ہوا اور منہ بھی  
 درم سے پہولا ہوا تھا۔ اوسکی جو رویہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور  
 اوس سے پوچھنے لگی کہ یہ حالت کیونکر پیدا ہوئی۔ اوس نے  
 جواب دیا کہ بہڑون نے کاٹا ہے اور درو سے سخت تکلیف ہے  
 اوسکی جو رودعا مانگنے لگی کہ یا اللہ اوسکا درد جاتا رہے مگر درم بجائے  
 لیکن قسمتی سے اولٹا اثر ہوا۔ درم تو تحلیل ہو گیا مگر خون مین زہر باد  
 پیدا ہو گیا۔ یہی انجام روس کا ہو گا۔ اگر اوس نے ہندوستان پر  
 حملہ کیا۔ وہ ہندوستان نہ لے سکیگا مگر جنگ عظیم کا صدرہ اور درو  
 باقی رہیگا اور اوسکے رنج کو بڑھائیگا۔

اگر آئندہ کوئی والی افغانستان ہندوستان کے حملہ مین  
 روس سے ملجائیگا تو اوس امیر کی دوستی و حمایت کسی اور سلطنت

کی اعانت سے بڑھکر مفید ہوگی اس لئے کہ وہ ہندوستان  
 سے بہت قریب ہوگا مین اوپر بیان کر چکا ہوں کہ ایسا اتفاقاً نکل  
 غیر ممکن ہے اور یہ مسئلہ نہایت نازک اور دشوار ہے۔ بالضرع اگر  
 کوئی امیر آئندہ ایسی حماقت کرے کہ روس یا انگلستان کو بلا کر اپنے  
 ملک پر قبضہ دے یا ملک مین سے گزرنے دے تو اس کا نتیجہ  
 وہی ہوگا جو شاہ شجاع کی وقت مین ہوا یعنی افغانوں نے شاہ شجاع  
 کو مار ڈالا اور ان انگریزوں کو بھی تہ تیغ کیا جو شاہ شجاع کے بلا تے  
 سے ملک مین آئے تھے غالباً انگلش گورنمنٹ دو تجربہ اٹھانے  
 کے بعد اب تیسرے تجربہ کی کوشش نہ کریگی اور اگر روس کو کچھ  
 عقل ہے تو وہ انگریزوں کے حادثات سے ایک سبق لیگا اور  
 افغانستان کے معاملات مین دخل نہ دے گا گو کوئی امیر افغانستان  
 بھی اونکو بلائے۔

افغانستان کا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ۱۸۱۶ء سے پہلے

کشمیر اور دوسرے سرحدی اضلاع جو اب سلطنت ہند میں شامل  
ہیں سب میرے آباد اجداد کے زیر حکومت تھے۔ شاہ شجاع  
کے زمانہ سے انگریزوں نے افغانستان کے معاملات میں دخل  
دینا شروع کیا اور ایک ایک کر کے سب لے لئے۔ جب کبھی  
اسہنیں موقع ملا کوئی نہ کوئی حصہ منور لیا۔

مثلاً لارڈ لٹن نے یہ پالیسی اختیار کی کہ ملک کو کمزور کرنے کے  
لئے سپتال پیشین۔ قلعہ امیر شیر علی سے علیحدہ کر لئے  
جائیں تاکہ افغانستان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں  
میں تقسیم ہو جائے۔ بعد ازاں انگریزوں نے امیر یعقوب سے  
۲۴ مئی ۱۸۴۹ء میں صلح نامہ گندمک لکھوایا جسکی رو سے پیشین  
سیبی۔ کرم۔ شنواری۔ خلیبر اور پور کوٹال لے لیا۔

افغانستان کا کل جنوبی حصہ جو اپر سندھ کی سرحد کے جنوب  
میں واقع ہے انگریزوں نے اسی طرح اپنی فار وارڈ پالیسی کی

تکمیل کیلئے دیا لیا۔ اور اسکا سارا بار بیچارے فاقہ مست ہندوستان کے سرمنڈ ہائیڈرو اب برٹش بلوچستان کہلاتا ہے گو وہاں ۹۰ فیصدی افغان بستے ہیں اور صرف دس فیصدی بلوچی۔

پھر انگریز آہستہ آہستہ ریٹنگتے ہوئے آگے بڑھے اور بھوجپور۔

دیر۔ سوات۔ لوابھی۔ بلندخیل۔ چغالی۔ وزیر می۔ اور یونوچمن پرتھو بندہ

کر لیا۔ جب بین نے اسمار ہند اور کافرستان دینے سے انکار

کیا تو گورنمنٹ ہند بہت ہی چراغ پا ہوئی۔ وہ یہ نہیں سمجھتی کہ جس قدر

سرزمین ہند اور سرحد آگے بڑھائی جائے گی اسی قدر اسکی زیادہ

حفاظت کرنی ہوگی اور بار خراج اتنا ہوگا کہ گورنمنٹ ہند تحمل نہ ہو سکیگی

اس میں شک نہیں لارڈ لارینس نے جو سرحد قائم کی تھی وہ بہت

ہی دانشمندانہ اصول پر تھی۔ اب جو سرحد قائم ہوئی ہے اس میں

بیرونی حملہ کا زیادہ خطرہ ہے بہ نسبت اس سرحد کے جو پہلے

تھی۔ روسیوں کا اصول یہ ہے کہ کمزور کو دباؤ اور طاقتور کو چھوڑ دو

مثلاً ۲۵ سال کا زمانہ گزرا کہ وہ موقع پا کر ترکون سے لڑا بعد ازاں  
 افغانستان کی طرف رخ کیا مگر جو نہیں اوس نے دیکھا کہ ملک  
 اب ایک قوی امیر کے زیر حکم ہے لیکن چترال اور کشمیر کی طرف  
 سناٹا ہے اوس نے جھٹ سے پامیر پر قبضہ کر لیا۔ جب انگریزوں  
 نے کشمیر اور چترال پر قابضی کر دی تب وہ چین اور ایران کی طرف  
 متوجہ ہوا۔ بالفعل وہ اس گہات میں ہے کہ میرے مرنے کے  
 بعد یا کوئی اور اچھا موقع دیکھ کر افغانستان پر حملہ کر دے۔

اگر روس انگلستان اور افغانستان کی متحدہ فوجوں کے مقابلہ  
 میں اس طرحی حملہ کرنا چاہے کہ ایک فوج کشمیر اور چترال پر حملہ کرنے  
 کے لئے پامیر کی طرف سے بھیجے۔ دوسری فیض آباد اور کنگان  
 پر حملہ کرنے کے لئے بدخشان کی طرف سے روانہ کر لے تیسری  
 بلخ پر حملہ کرنے کے لئے سمرقند و تاشقند کی طرف سے بھیجے۔  
 چوتھی ہرات پر حملہ کرنے کے لئے مرو و عاشق آباد اور کشاک



کی طرف سے روانہ کرے اور پانچویں قندھارہ کو ٹیڈہ پر حملہ کر نیکی  
 لئے ایران کی طرف بھیجے تو ظاہر ہے کہ ایسی جنگ کے لئے  
 بہت کچھ روپیہ کی ضرورت ہوگی اور روس کو اپنی فوج متحدہ حصہ دہن  
 تہ قیسم کرنا پڑے گی۔ چونکہ روس کو چین۔ جاپان۔ آسٹریا۔ جرمنی  
 اور ترکی کے قریب سرحدوں کی حفاظت کے لئے ہر وقت ایک  
 بڑی فوج کی ضرورت ہے اس کے علاوہ ملک کے اندرونی بوسے  
 اور ترکمانی مسلمان اور دوسرے بیدل رعایا کے ہنگامے فرو کرنے  
 اور اپنا ملک محفوظ رکھنے کیلئے بھی فوج درکار ہوگی اس سے ظاہر  
 ہے کہ وہ اس جنگ کے لئے تمام مقامات سے جو اوپر بیان  
 ہوئے ہیں بہت ہی تہہ و تہی فوج بھیج سکتا ہے اور یہ چھوٹے  
 چھوٹے دستے ایک دوسرے سے بہت دور رہیں گے۔  
 غرض اس جنگ کے لئے نہ روس کے پاس کافی فوج ہے  
 اور نہ اتنا روپیہ کہ اسد اور باربر وادی کا سامان مہیا کر سکے۔

بالفرض اگر اوس نے محض ہرات - بلخ اور سرحد افغانستان  
پر حملہ کرنا چاہا تو ایسی حالت میں گوین اپنی فوج کی تعداد ہنہین بتانا  
میں یقینا کہہ سکتا ہوں کہ مجھے انگریزی فوج سے مدد لینے کی مطلق  
ضرورت نہ ہوگی۔ اگر انگلستان نے یورپ میں روس پر حملہ کر کے  
گولہ باری شروع کر دی تو میں جانتا ہوں کہ اوس کی فوج کافی ہونگی  
کہ میرا مقابلہ کر سکے اور اون مسلمان شاہان مغزولین سے لڑے  
جو اس وقت میرے دربار میں موجود ہیں شاہ کولاب - دروازہ بدخشان  
شغنان - روشان اور بخارا اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ذریعہ  
سے وہ آگ لگائینگے کہ روس کو ٹھہرنا دشوار ہوگا۔

بالفرض اگر روس نے ہرات یا بلخ پر حملہ سہی کر دیا اور اگر انگلستان  
نے باوجود عہد و پیمان کے افغانستان کو مدد دینے سے انکار کیا  
تو کیا ہوگا۔ غالباً روسی یہ سمجھتے ہونگے کہ جب طرۂ ۱۸۵۷ء میں پنجاب پر  
پر قبضہ کر لیا اور صاحب بہادر دن نے چون نہ کی اسی طرح ہرات

یا بلخ پر بھی قبضہ کر لینگے مگر میرے روسی دوست بہت غلطی پر ہیں  
 اگر ایسا خیال ہے۔ جب تک افغانوں میں ایک شخص بھی زندہ رہے گا وہ ہر  
 تو کیا اپنی ملک کی ایک انچ زمین بھی روپیہ و نمونہ لینے دیں گے اور اگر بالفرض روپیہ  
 کو نکال نہ سکے تو اس وقت افغانستان انگلستان کی تندر کرین گے  
 اگر انگلستان اور افغانستان کی مجموعی فوجیں بھی ہرات اور بلخ پر روس  
 سے پسپا ہوئیں تب وہ کابل - غزنی اور قندھار میں آکر جھینگے اور یہاں  
 سے لڑائیں گے اور اسی طرح تیسرا مقام کوئٹہ - پشاور اور چترال ہوگا۔  
 ان سب حالتوں میں انگریز افغان ہی نفع میں رہیں گے۔ اسلئے  
 کہ اپنے ملک میں لڑینگے اور یہ یاد رہے کہ ایک ایک سپاہی ایک  
 ایک کسان اور کاشتکار روس کا مقابلہ کرے گا اور افغانستان کے  
 لئے اپنی جان فدا کرے گا روس اسی طرح کہاٹے میں رہے گا جس طرح  
 کہ ہنری اول بادشاہ فرانس تھا جب فرانس اور اسپین میں جنگ  
 ہوئی تھی۔ اگر بہت بڑی فوج لائیے گا تو سپاہی فاقون مرینگے اور اگر

تھوڑی فوج لایگا تو وہ بآسانی افغانوں کا نوالہ ہوگی۔ دوسرا فائدہ  
 انگلستان اور افغانستان کو یہ حاصل ہے کہ بالفرض اگر پہلے وار  
 میں شکست کھائی تو پیچھے ہٹکر پھر لڑنے کے لئے دوسرا اور  
 تیسرا مقام موجود ہے۔ البتہ روسیوں کے لئے اس قدر فاصلہ طے  
 کر کے آنا اور سارے لوازمات فوج پیچھے مسلمان ترکمانوں اور  
 افغانوں کے قابو میں چھوڑنا بہت خطرناک چیز ہے۔ اگر روسیوں  
 نے شکست کھائی تو یہ بڑی عظیم الشان سلطنت جس کے اجزاء شتہ  
 محبت سے نہیں بلکہ جبر سے بندھے ہوئے ہیں اس طرح منتشر  
 ہو جائیں گے جیسے دہاگا کہنچنے سے کسی مالے کے موقی۔  
 روس کی کیا طاقت ہے کہ سندھ تک لڑتا چلا جائے اور برابر لڑائی  
 جاری رکھے۔ اس کے لئے ہزار ہا کروڑ روپیہ کی ضرورت ہے  
 اور لڑنے کے لئے ایک مدت چاہیئے۔ روس اپنے ملک  
 کے افلاس کی وجہ سے اس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا اور اس کے پیچھے

خود اس کے ملک میں صد ہا فتنے پیا ہونیکا اندیشہ ہے۔

بہر حال اگر لڑائی شروع ہوتی ہے تو ہرات ہی پر شروع ہو۔  
انگریزوں کا اسی میں فائدہ ہے اس صورت میں افغان انگریزوں  
کے روپیہ اور ہتھیاروں کی مدد سے ایشیائین خوب لڑائینگے اور  
اور یورپین ریشیا انگریزوں پر چوڑوینگے وہ وہاں اونکی خیر  
لے لین۔ انگلستان کو یہ چاہیئے کہ روسی حملہ کی دفاع کے لئے  
بھارت ہندوستان کی سرحد کی قلعبندی کرے بلکہ بمقابلہ روس  
افغانستان کے سرحد کی قلعبندی کر دے تاکہ حملہ کی نوبت ہی  
نہ آئے۔

اچھا اب یہ فرض کر دے (گویہ امر ممکن نہیں ہے) کہ اگر انگریز اپنی  
حماقت کریں کہ جب روس کو ہرات و بلخ لیتے ہوئے دیکھیں تو بجائے  
اسکے کہ اونکو ہرات سے نکالیں خود بھی (بلادعوت و مرضی اہل افغانستان)  
قندھار، کابل اور غزنی پر قبضہ کر لیں۔ اگر یہ طریقہ اختیار کیا تو

افغانستان اور ہندوستان دونوں کے لئے مضر ہوگا۔ اسلئے  
 کہ افغانستان جو اب روس کے سامنے حائل ہے اسکی سداہ  
 نہ رہیگا اور افغان لوگ انگلستان کی عہد شکنی اور خلف وعدہ سے  
 ایسے ناراض ہونگے کہ روس کی حمایت میں چلے جائیں گے۔  
 جسکے معنی یہ ہونگے کہ انگلستان کے مقابلہ میں روس اور افغانوں  
 میں یہ عہد و پیمان قائم ہوگا کہ اگر روس انگلستان سے لڑے تو  
 افغانستان روس کا ساتھ دے۔

روس کو افغانستان کے نہایت شاداب و زرخیز مقامات جو کہ  
 ہندوکش کے شمال اور مغرب میں واقع ہیں (ترکستان، کتغان،  
 فراح، ہرات) ہاتھ آئینگے اور پشاور سے جلال آباد اور کابل تک  
 جو صوبہ جات کوہ ہندوکش کے جنوب و مشرق میں واقع ہیں اور  
 بالکل پنجور و غیر مزرعہ زمین ہے انگریزوں کو ملیگی۔ اگر روس  
 و انگلستان نے باہمی معاہدہ کر کے اس طرح افغانستان کی تقسیم

کر لی تو ہندوستان کا خزانہ اس نئی سرحد کی قلعہ بندی اور حفاظت کے لئے کافی نہ ہوگا اور وہ معاہدہ گویا ہندوستان پر حملہ کرنے کی بنا ہوگا۔

الحمد للہ کہ انگریز و افغان دونوں کو خدا نے عقل دی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ انکی حفاظت اور قوت اتحاد ہے۔ اور اونکا زوال نفاق ہے۔

ہر ملک کی تاریخ میں ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ قدیم خیال کے مدبروں میں اور نئے ترقی خواہوں میں جنگ ہوتی ہے۔ اگر میدان نئے خیالات والوں کے ہاتھ رہا تب تو ملک ترقی کرتا ہی قوی اور مہذب بنتا ہے۔

اگر قدیم خیال والے غالب آئے تو قوم صنعت و جہالت میں اور زیادہ غرق ہو جاتی ہے اور بیدلی پہیلی ہے۔ ایسا ایک وقت انگلستان پر بھی گذر چکا ہے۔ ہندوستان بھی چند سال پہلے

اسی حالت میں تھا مگر شکر ہے کہ وہ بلا ٹل گئی۔ اب اہل ہندوستان  
جنہوں نے انگریزی طریقہ پر تعلیم پائی ہے اور جنہیں خدا نے جو ہر عقل  
بھی دیا ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ روسیوں کے مقابلہ میں برطانیہ کی  
حکومت سے کیا کیا فوائد حاصل ہیں۔

بالفرض یہ مان لیا جائے کہ انگلستان کے پاس اتنی بڑی فوج  
نہیں ہے جیسی کہ روس کے پاس ہے مگر میں اپنے روسی دوستوں کو  
ایک بڑے جنرل نپولین کے یہ الفاظ یاد دلاتا ہوں کہ یہ کہی نہ معلوم  
ہو گا کہ انگریزوں کو شکست ہوئی۔ کیونکہ وجہ اس کی یہ ہے کہ انگریز  
رعایا ایسی جان نثار اور وفادار ہے کہ اس بات کی مطلق کچھ پروا نہیں  
کرتی کہ انگریزی فوج متواتر پسپا ہوئی یا صدمہ اہل وطن مارے گئے  
بلکہ اس سے اونکا جوش و فاداری۔ گورنمنٹ کی حمایت اور غنیمت کو خاک  
سیاہ کرنے کی خواہش اور زیادہ ہوتی ہے۔ یہ جوش محض جزائر برطانیہ  
تک محدود نہیں ہے بلکہ کل قلمرو میں پھیلا ہوا ہے۔ وہ وطن کی



حمایت میں والینٹیروں کی تازہ پر تازہ فوج بھیجتے ہیں یہاں تک کہ  
 غنیمت کہ شکست فاحش ہوتی ہے اور سر اوبھار نے کی قوت باقی نہیں  
 رہتی۔ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ گو دولت برطانیہ کے پاس کوئی بڑی فوج  
 تیار نہیں مگر ہر متفقہ جو برطانیہ کی رعایا سے ہے اس کے فوجیں جہیز  
 کے نیچے لڑنے کے لئے تیار ہے تو سلطنت برطانیہ کی کل رعایا (جو  
 انگلستان کی آبادی سے دس گنی ہے) فوج سمجھنا چاہیے جو جنگ  
 کے وقت بخوبی برطانیہ کی فوج میں شامل ہو کر لڑے گی۔ اور انگریز  
 اس طرح ہر سون جنگ جاری رکھ سکیں گے جس کے لئے ان کے پاس  
 بکثرت روپیہ ہتھیار اور آدمی موجود ہیں یہاں تک کہ روس کے کل اخراج  
 ختم ہو جائیں گے اوس وقت فتح انگلستان کی ہوگی جیسا کہ ہر ایک بڑی  
 لڑائی میں ہوتی آئی ہے جو انگلستان کو روس فرانس یا دوسرے  
 دشمنوں سے لڑنا پڑی۔

